

پتھر



ایم اے راحت

پتھر

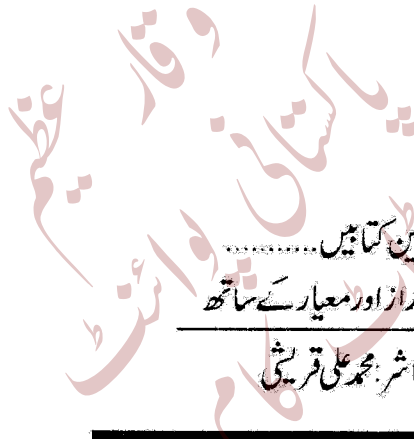


القريش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ چوکے اردو بازار لاہور

فون: 042-37652546, 37668958

www.alquraish.com email: info@alquraish.com



..... بہترین کتابیں
جدید انداز اور معیار کے ساتھ

ناشر: محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

..... بار اول 2015ء

..... مطبع نیر اسد پریس

..... کمپوزنگ القریش ٹرانس

..... قیمت 300/- روپے

انتساب

قارئین کی محبتوں کے نام.....!

چاروں طرف رنگ و نور کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر گھر چہ انگوں کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ سڑکیں، بازار، گلیاں، رنگ برنگے لباسوں میں ملیں عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں سے بھری ہوئی تھیں۔ نویتیں، شادیاں بچے پھلجھڑیاں، سریاں، بتائے اور انار چھوڑ رہے تھے۔ یہ دیوالی کی رات تھی۔

کماری رنجنا معمول کے مطابق دیوالی دیکھنے نکلی تھی۔ مہات نے ہاتھی خوب سجایا ہوا تھا۔ وہ خود بھی خوب سجایا ہوا تھا۔ پیلے رنگ کا پکڑ، سرخ جاکٹ، نیلی دھوتی پہنے، اپنی نوکدار مونچھوں پر تیل لگائے آنکھوں میں چوڑا چوڑا کا جل لگائے، آنکس سنہالے، چھاتی پھلائے کشاں کشاں ہاتھی کو آگے بڑھا رہا تھا۔ رنجنا کے ساتھ اس کی کئی سکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور سب کی سب اپنی طرف اٹھی ہوئی نظریں دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ رنجنا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ ہاتھی کوئی دو گھنٹے سے شانتی کھ کے چکر کاٹ رہا تھا۔

مہات منتظر تھا کہ رنجنا تھک کر واپسی کا اشارہ کرے، لیکن رنجنا کو اس میلے میں مزا آ رہا تھا۔ اچانک مہات گئی رام نے ہاتھی کا مزاج بدلتا ہوا محسوس کیا۔ ہاتھی اڑنے لگا تھا۔ مہات سنہال گیا۔ اس نے ہاتھی کو آنکس مارا تو ہاتھی سیدھا ہونے کے بجائے اور بگڑ گیا۔ پھر جلدی وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ بالکل اتفاق سے ایک ختکا جل کر نیچے گرا اور ہاتھی کے بدن کے پچھلے حصے پر چنگاریاں بکھر گئیں۔ بارود کھال سے چپک گیا اور جلتے ہوئے بارود کی جلن سے ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور پھر اچانک ہی تیزی سے دوڑنے لگا۔

چند ہی قدموں میں کئی لوگ کچل کر ہلاک ہو گئے۔ رنجنا کی تین سکھیاں ہودہ سے نیچے گر گئیں۔ ان میں سے دو اسی وقت مر گئیں، کچھ اور آگے چل کر باقی لڑکیوں نے بھی ہودہ سے نیچے چھلانگ لگا دی اور زخمی ہو گئیں۔ البتہ رنجنا نے ہودہ کی رسی پکڑ لی تھی۔

ہودہ بہت مضبوط بندھا ہوا تھا۔ اس لیے وہ نیچے نہیں گرا۔ ہاتھی اب بری طرح بگڑ چکا تھا اور زبردست تباہی پھیلاتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے مہاوت گئی رام کو سوٹ میں لپیٹ کر زمین پر دے مارا۔ گئی رام کی ایک ایک ہڈی ٹوٹ گئی اور بھیجا باہر نکل کر زمین پر بکھر گیا۔ ہاتھی اپنے سامنے والی ہر شے کو روندتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ اس نے کئی بار اپنی پیٹھ پر کسے ہوئے ہودہ تک سوٹ پہنچانے کی کوشش کی، لیکن اس میں وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

کماری رنجنا پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے بھائی جاگیر دار رتن چند کو خربل گئی تو رتن چند نے چار زبردست گھڑ سوار دوڑا دیئے۔ انہوں نے دور سے ہاتھی کو دیکھ لیا، لیکن گھوڑوں پر بیٹھ کر ایک بگڑے ہوئے ہاتھی پر کیسے قابو پایا جاسکتا تھا۔ کون سی ایسی ترکیب ہو سکتی تھی جس پر عمل کر کے رنجنا کو بچایا جاسکتا۔

ایسے میں اچانک ایک پھرتیلے نوجوان جنے تلک نے عقل کا صحیح استعمال کیا۔ اس نے دور ہی سے ہاتھی کے رخ کو بھانپ لیا تھا اور جس قدر پھرتی سے وہ اس درخت پر چڑھا تھا جس کے پاس کھڑا ہوا وہ چاروں طرف ہونے والی ہابا کار کون رہا تھا اور دیکھ رہا تھا وہ چیز بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ ایک لٹکی ہوئی شاخ تک پہنچا اور پھر اپنی زندگی کا خطرہ لے کر اس نے شاخ میں پاؤں پھنسائے اور آدھے بدن سے لٹک گیا۔

خوش نصیبی رنجنا کی کہ ہاتھی درخت کے بالکل پاس سے گزرا اور جنے تلک کے مضبوط ہاتھوں نے رنجنا کو ہاتھی کی پیٹھ سے اٹھا لیا، ہاتھی آگے نکل گیا تھا، لیکن رنجنا، جنے تلک کے بازوؤں میں لپٹی ہوئی درخت کی شاخ سے لٹک رہی تھی۔

جنے تلک اسے بازوؤں میں بھرے درخت کی شاخ پر سیدھا ہونے لگا۔ اسی وقت رتن چند کے ہر کارے درخت کے پاس پہنچ گئے۔ لوگ دور کھڑے جنے تلک کی اس بہادری کو دیکھ رہے تھے۔ کماری رنجنا بھی نیم بے ہوشی کے عالم میں تھی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ جنے تلک کی گردن میں حائل کئے ہوئے تھے۔

گھڑ سوار درخت کے نیچے پہنچ گئے تو ان میں سے ایک نے کہا۔ ”لاؤ کماری جی کو نیچے اتار دو۔“

لیکن جنے تلک نے ان کی بات پر غور نہیں کیا اور خودی کماری کو سنبھالے ہوئے آہستہ آہستہ درخت کی شاخ سے تنے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ نیچے اتر آیا تھا۔ رتن چند کے

ہر کاروں کو سخت غصہ آیا۔ انہوں نے خونی نگاہوں سے جئے تلک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے تم سے کچھ کہا تھا، کیا تم بہرے ہو، آواز نہیں سنی تم نے۔“

”میں بہرا ہوں یا نہیں ہوں، لیکن تم عقل کے اندھے ضرور ہو۔ کماری جی نیم بے ہوشی کی حالت میں ہیں۔ فوراً رتھ منگواؤ اور انہیں رتھ میں بٹھا کر یہاں سے لے جاؤ۔ کیا تم انہیں گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا کر لے جاؤ گے۔“

چاروں میں سے ایک سوار سمجھدار تھا اس نے کہا۔ ”یہ ٹھیک کہتا ہے کماری رنجنا کو تم گھوڑے پر تو بٹھا کر نہیں لے جاسکتے، جاؤ حویلی اور رتھ لے کر آؤ۔“ وہ گھڑسوار واپس حویلی دوڑ گئے۔

ادھر رتن چند ہاڑا، حویلی کے بڑے دروازے پر کھڑا پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ زخمی لوگوں کی کراہیں اور شور شرابے کی آوازیں حویلی کے اندر تک پہنچ رہی تھیں۔ رتن چند اپنی بہن کے بارے میں جاننا چاہتا تھا جو بکڑے ہوئے ہاتھی پر نہ جانے کہاں کہاں پہنچی تھی۔

گھڑسوار حویلی پہنچ گئے۔ دو منٹ کے اندر اندر رتھ تیار کیا گیا اور پھر روانہ کر دیا گیا۔ کماری رنجنا اب بے ہوشی کے عالم میں تھی۔ اسے رتھ میں ڈال کر حویلی واپس لایا گیا اور حکیم ویداس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ وہ صرف خوف سے بے ہوش ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آ گئی۔ ادھر تھا کر رتن چند، کماری کے بارے میں لوگوں سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ چند وہ لوگ بھی آ گئے جو اس جوان کے کامناے کے عینی گواہ تھے۔

رتن چند کو تفصیل معلوم ہوئی تو اس نے متاثر لہجے میں کہا۔ ”کون ہے وہ جوان اسے انعام ملنا چاہئے، اس نے ہماری بہن کی جان بچائی۔“

”مہاراج! وہ درگا تلک کا بیٹا جئے تلک تھا، جئے تلک جھنڈاری۔“

یہ نام سننے رتن چند کا چہرہ بکڑ گیا۔

”جھنڈاری، وہ تو ہمارے بدترین دشمنوں میں سے ہے، ہماری اس کی دشمنی پُرکھوں سے چلی آرہی ہے، اس نے ہمارے اوپر یہ احسان کیوں کیا؟ کیا اسے معلوم تھا کہ ہاتھی پُر ہماری بہن بیٹھی ہوئی ہے۔“

”یہ تو نہیں معلوم مہاراج، پر اس نے کام ایسا کیا، درخت کی شاخ پر الٹالٹک کر اس نے

ہاتھی کی پیٹھ سے کماری رنجنا کو اٹھالیا، ورنہ ہاتھی ضرور تھوڑا اور آگے جا کر ہودہ کو کسی درخت سے ٹکرا دیتا۔“

”یہی ہوتا تو بہتر تھا، اس نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا، اس نے رنجنا کے شریر کو چھوا، ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ.....“

”نہیں ٹھا کر صاحب، احسان احسان ہی ہوتا ہے، اس کے صلے میں کوئی غلط بات نہیں ہونی چاہئے۔“ رتن چند کے پاس کھڑے ایک بزرگ نے کہا اور رتن چند نفرت سے دانت پیس کر رہ گیا۔

پرانی دشمنی تھی۔ ہاڑے، بھنڈاریوں اور جنوریوں کے خلاف تھے۔ بات وہی زر، زن اور زمین کی تھی۔ رتن چند ہاڑا کی زمینوں کی تو خیر وسعت ہی اور تھی اور جبکہ بھنڈارے اور جنوری زمینوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کام کرتے تھے، البتہ ٹھاکروں کا کام آس پاس کے لوگوں سے ہی چلتا تھا اور وہی ان کی زمینوں پر کام بھی کرتے تھے لیکن ان میں وہ بات نہیں تھی جو چھوٹی چھوٹی زمینوں کے مالک کسانوں کے اندر تھی، وہ اپنی زمینوں سے اپنی عزت کی حد تک محبت کرتے تھے اور زمینیں بھی ان کا بھرپور ساتھ دیتی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہاڑوں کی زمینیں بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں، آس پاس کی دور دور تک کی بستیوں میں ٹھا کر بڑی بڑی زمینوں اور باغوں کے مالک تھے اور اب تو انہوں نے شہروں میں فیکٹریاں اور ملیں بھی لگالی تھیں۔ مگر یہ چھوٹے چھوٹے زمیندار اپنے علاقوں تک محدود تھے اور یہ بات بھی بہت پرانی چلی آرہی تھی کہ بڑے زمینداروں نے ان سے زمینیں مانگیں اور ان کی چھوٹی موٹی قیمت دے کر یہ زمینیں اپنی زمینوں میں شامل کر لیں، لیکن جو زمینوں کو اپنی عزت کا درجہ دیتے تھے وہ بھلا اپنی عزت ٹھا کروں کے حوالے کیسے کر دیتے۔ اس کے علاوہ ٹھا کر اپنے آپ کو اونچی ذات کا بھی سمجھتے تھے اور جنوریوں اور بھنڈاریوں کو نیچے ذات کا قرار دیتے تھے۔

چھوٹی آبادیوں اور چھوٹی زمینوں کے مالک دکھ کا شکار تھے، مگر ٹھا کروں نے حکومت میں اپنے قدم بجا رکھے تھے، ان کے عزیز رشتے دار، وزارتوں میں بڑے عہدوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ پولیس کے اعلیٰ افسران تھے اور اس طرح انہوں نے پورے علاقوں پر اپنا سکہ جما رکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ چھوٹے زمیندار بھی ان کی بڑائی کو نہیں مانتے تھے اور اس کے نتیجے میں خوب سازشیں ہوتیں اور بے شمار ایسے جنم لے چکے تھے۔ ٹھا کر رتن چند کا باپ بھرم چند ہاڑا

مرچکا تھا اور اب رتن چندان زمینوں کا تنہا مالک تھا۔ رنجنا اس کی چیتھی بہن تھی۔ بہن کی زندگی بچ جانے پر وہ خوش تو تھا لیکن جب اسے یہ خیال آتا کہ ایک بچہ ذات بھنڈاری نے اس کی بہن کے شریر کو چھو ا ہے تو اس کا خون جوش مارنے لگتا تھا۔

رنجنا بے شک اسے بہت پیاری تھی، لیکن دشمنی کا خناس رتن چند کو چھین نہیں لینے دے رہا تھا، اس کے لیے یہ بڑی اذیت کی بات تھی، شانتی کھ کے ایک ایک فرد کو معلوم ہو جائے گا کہ جنے تلک بھنڈاری نے ہاڑوں پر احسان کیا ہے رتن چند کی بہن رنجنا کا جیون بچایا ہے تو لوگ سرگوشیاں کریں گے۔ جو کھلی کھلی دشمنی ہاڑوں اور بھنڈاریوں کے بچ چل رہی تھی اس میں کسی احسان یا احسان کی ادائیگی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

اسے یاد تھا کہ اس کے پتا بھرم چند ہاڑا نے بے تلک کے پتا کے خلاف بدترین سازش کی تھی اور سازش یہ تھی کہ ایک دن جب بھرم چند ایک جگہ سے گزر رہا تھا تو اس پر گولیوں کی بارش کی گئی تھی۔ بھرم چند کے ساتھ موجود لوگوں میں سے پانچ موت کا شکار ہو گئے تھے اور پھر مرنے والوں کے عزیزوں نے درگا تلک بھنڈاری کے گھر پر حملہ کر کے اس میں آگ لگا دی تھی۔ سارے دروازے باہر سے بند کر دیئے گئے تھے اور درگا تلک بھنڈاری اندر ہی اندر جل کر خاک ہو گیا تھا، جبکہ اس کے اہل خاندان بیوی بیٹی اور بیٹا اپنی نہیال گئے ہوئے تھے۔

درگا تلک بھنڈاری کی سسرال پاس ہی ایک بستی گونا گڑھی میں تھی۔ باپ کی موت کے وقت جنے تلک بہت بڑا نہیں تھا مگر یہ بات پتہ چل ہی گئی کہ بھرم چند ہاڑا نے درگا تلک کے خلاف سازش کی ہے۔ یہ ساری کہانی کوئی نئی نہیں تھی، آس پاس کے جاگیردار ان چھوٹے چھوٹے کسانوں کے خلاف ایسے کھیل کھیلتے ہی رہتے تھے اور اپنے اختیارات سے کام لے کر انہوں نے چھوٹے زمینداروں کی زبانیں بند کر رکھی تھیں اور ان پر زندگی تنگ کر دی تھی، ایسی صورت میں جبکہ یہ دشمنی عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایک بھنڈاری کا ہاڑوں پر یہ احسان، احسان نہیں بلکہ بدترین دشمنی تصور کیا جاسکتا تھا، لیکن ہاڑوں کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت بہ ظاہر نہیں تھی اور یہی بات رتن چند کے خاندان کے ایک بڑے نے اسے سمجھائی۔

”رتن نے! ہم جانتے ہیں کہ تیرے دل میں کیا ہے، پر بیٹا طاقت تو بھرم چند جی کے پاس بھی تھی۔ وہ چاہتے تو کھلم کھلا درگا تلک کو گولیوں سے بھون سکتے تھے اور پھر اپنے آدمیوں سے کام لے کر بچ بھی سکتے تھے، مگر جو چیز عقل سے ماری جاسکتی ہے اس کے لیے طاقت

کا استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

اور اس کے بعد پر یوار کا وہ بزرگ رتن چند کو راستے سمجھاتا رہا تھا۔

”مگر نانا ٹھا کر شانتی مکھ کے لوگ ہمارے اوپر انگلیاں اٹھائیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو ایک بھنڈاری نے ٹھا کروں کی بیٹی کے شریر کو چھو ا ہے اور وہ بھنڈاری بھی فخر سے گردن اونچی کر کے بستی میں گھوما کرے گا، میں کیسے برداشت کروں گا۔“

”تو نے کبھی جتنے تک کو دیکھا ہے؟“

”نہیں نانا ٹھا کر، اور اچھا ہے وہ کبھی میری نگاہوں کے سامنے نہ آئے، میری کبھی اس

سے بھینٹ نہ ہو۔“

”دھیرج رکھ دھیرج، سے خود کوئی صحیح فیصلہ کر لے گا۔“ بزرگ کے سمجھانے بجھانے

سے رتن چند خاموش ہو گیا تھا، لیکن وقت اپنی کہانی مکمل کئے بغیر کہاں رہ سکتا تھا۔

اس دن وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک سرسبز و شاداب کھیت کے پاس سے گزر رہا تھا تو اتفاق سے اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گھٹنوں کے بل نیچے گر پڑا۔ اتفاق سے اس وقت رتن چند اکیلا ہی تھا، اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس کوئی نظر نہیں آیا تھا، جس کھیت کے قریب اس کا گھوڑا زخمی ہوا تھا وہ انتہائی سرسبز و شاداب تھا۔ وہ گھوڑے کے زخم کو دیکھنے لگا۔

گھوڑا اٹھ کر کھڑا تو ہو گیا لیکن اس کے گھٹنوں سے خون بہہ رہا تھا، رتن چند اس کی لگام پکڑ کر کچھ آگے بڑھا اور لنگڑے گھوڑے کو اس نے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ تبھی اس نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پر ایک اونچے قد کا جوان کھیتوں میں کام کر رہا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ منہ کے سامنے کر کے زور سے آواز لگائی۔ ”اے ادھر آ۔ کیا نام ہے تیرا؟“

دوسری طرف موجود جوان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اچانک اس کا چہرہ بگڑ گیا، وہ رتن چند ہاڑا کو پہچانتا تھا، چنانچہ وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھا اور رتن چند کے پاس پہنچ گیا۔

”یہ کھیت تو بھنڈاریوں کا ہے۔ تو کون ہے؟“ رتن چند نے اس قد آور جوان کو دیکھتے

ہوئے کہا اور ایک لمحے کے اندر محسوس کر لیا کہ اس کی آنکھوں میں نفرت کا ایک سمندر ٹھانھیں مار رہا ہے۔ رتن چند غصے سے لال پیلا ہو گیا، پھر اس نے کہا۔ ”اندھا ہے تو مجھے پہچانتا نہیں ہے

کیا؟“

جوان خاموش کھڑا رہا تو رتن چند مزید غصے سے بولا۔ ”میں نے تجھ سے پوچھا ہے کہ تُو

مجھے جانتا ہے؟“

”تجھے کون نہیں جانتا رتن چند، کون نہیں جانتا تجھے؟“ جوان کی گونجدار آواز بھری، مگر

اس آواز میں نفرت بھری ہوئی تھی۔ رتن چند کا غصہ بڑھ رہا تھا، اس نے کہا۔

”تُو کون ہے؟“

”جئے تلک بھنڈاری۔“ جوان کی آواز ابھری اور رتن چند کے پورے بدن میں گرم گرم

لہریں دوڑنے لگیں۔

تو یہ ہے وہ جئے تلک بھنڈاری جس نے میری رنجنا کو اپنی چھاتی سے لگایا تھا، اس کی

غرائی ہوئی آواز ابھری۔ ”ہوں..... تو تُو درگا تلک کا بیٹا ہے؟“

”ہاں، میں اسی کا بیٹا ہوں۔“

”اور تجھے معلوم ہے کہ تیرا پتا کس طرح کتے کی موت مارا گیا تھا اور آج تُو اسی کے

راستے پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”کتے کی موت نہیں شیر کی موت کہہ، گیدڑ کی اولاد، شیر کی موت، کتا تو تیرا باپ تھا جس

نے سازش کر کے ایک شیر کو پنجرے میں بند کر دیا تھا۔“

”کیا، تُو نے سورگ باشی مہاراج بھرم چند کو کتا کہا۔“

”سورگ باشی۔ تجھے کیسے پتہ رتن چند کہ تیرا پتا سورگ میں ہے یا نرک میں، ارے کان

کھول کر اگر سنے تو نرک سے اس پاپی کے چیخنے کی آوازیں تجھے صاف سنائی دیں گی، جا، میرے

منہ مت لگ، مجھے خاموش ہی رہنے دے۔ تُو جانتا ہے کہ اس کے نتیجے میں تجھے۔“

”بڑے مہاراج کا اہمان کیا ہے تُو نے، تُو نہیں جانتا کہ تُو نے اپنی اور اپنے پریوار کی

موت کو آواز دی ہے۔“

”چلا جا گیدڑ کے بچے، ٹھا کر اور کیا کر سکتے ہیں، جا آس پاس کی بستیوں سے پوچھ کہ

ٹھا کروں کے لیے ان کے دل میں کتنی عزت ہے۔“

”تُو نے میرے پتا کو برا کہا ہے، میں نے سوچا تھا کہ تیری اس جرأت کو معاف

کردوں، جب تُو نے میری بہن کو چھونے کی کوشش کی تھی، تُو میرے اس احسان نہیں جانتا۔“

”تیرے جیسے ایسی ہی باتیں کر سکتے ہیں، ان کے پاس طرف اور اہمان جیسی کوئی چیز

نہیں ہوتی، پر ایک بات میں تجھے بتا دوں، مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہاتھی کی پٹنہ پر تیری بہن بیٹھی ہوئی ہے یا تیری حویلی کی کوئی باندی، میں نے بس انسان کا فرض پورا کیا تھا۔ جا چلا جا یہاں سے، اکیلا ہے تُو یہاں پر بالکل اکیلا ہے، میں اگر چاہوں تو تجھے گھسیٹ کر کھیتوں میں لے جا سکتا ہوں اور پھر کھیتوں کے پھوس میں آسانی سے تیری ارتھی جلا سکتا ہوں، چلا جا، میں آج تک اس بستی میں رہتے ہوئے تیرے سامنے کبھی نہیں آیا، آج تُو آ گیا ہے تو کہیں میں مجبور نہ ہو جاؤں۔“

”تُو اس بدتمیزی کی سزا بھگتنے کے لیے آپ کو تیار کر لے۔ بھنڈاری، تجھے پہلے تو سزا نہیں ملی، اب ضرور سزا ملے گی۔“ یہ کہہ کر رتن چند نے ادھر ادھر دیکھا پھر بولا۔ ”میرے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ میں اس وقت الجھن کا شکار ہوں، ورنہ یہیں اس جگہ تجھے بتا دیتا۔“

جواب میں جے تلک نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”بندوق ہے تیرے پاس گولی مار دے اسے۔ لنگڑے کو ساتھ رکھنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ جا چلا جا، میں وہ نہیں کرنا چاہتا۔ جس کے لیے مجھے میری ماں نے منع کیا ہے۔“ یہ کہہ کر جے تلک واپس اپنے کھیتوں میں گھس گیا۔

ادھر رتن چند کھڑا دانت پیتا رہا۔ پھر اس نے گھوڑے کے ایک لات ماری اور لنگڑا گھوڑا دوڑتا ہوا آگے نکل گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بندوق کا گھوڑا چڑھایا اور دزدیدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جے تلک اسے نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ وہ کھیتوں میں گھس کر کہیں روپوش ہو گیا تھا، دوسری بات یہ کہ اس وقت رتن چند کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ یہاں جے تلک پر گولیاں چلائے۔ چنانچہ دل میں آگ کا سمندر لیے وہ پیدل چل پڑا۔

وہ واپس حویلی پہنچ گیا۔ اس کے دل و دماغ کی جو کیفیت تھی وہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی، حالانکہ پڑھا لکھا تھا اور چالاکی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے نام کے ساتھ کوئی ایسی کہانی وابستہ نہ ہو جو زمینداروں اور جاگیرداروں کے ناموں کے ساتھ ہوتی ہیں، وہ نیک نامی کی آڑ میں کام کرنا چاہتا تھا، لیکن آج جے تلک کو دیکھ کر اس کے دل کی آگ مزید بھڑک اٹھی تھی۔

اس قد آور گھرو جوان نے اس کی بہن کو سینے سے لگایا تھا، بس یہ سوچ سوچ کر اس کا خون کھول رہا تھا اور ادھر رنجنا بھی اپنے دل میں بڑی کک محسوس کرتی تھی، خوف کے وہ لمحات

جب اس کی جان پر بنی ہوئی تھی اور کوئی لمحہ اس کی موت کا لمحہ بن سکتا تھا، کیونکہ اس کی سکھیاں تو اس سے جدا ہو گئی تھیں اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ جیتی تھیں یا مر گئی تھیں۔ یہ سب کچھ تو اسے بعد میں معلوم ہوا تھا کہ اس کی سکھیوں پر کیا ہتی لیکن وہ لمحے جو خوف اور موت کے لمحے تھے کچھ دیر کے لیے ذہن سے دور ہو گئے تھے۔ جب کسی کی مضبوط بانہوں نے اسے اس طرح جکڑا تھا، جیسے اڑدھا اپنے شکار کو لپیٹ لیتا ہے، تب زندگی کا یقین ہوا تو وہ لمحے سارے اس کے وجود میں زندہ ہو گئے لیکن اس میں ایک شرمیلی کپکپاہٹ کے سوا اور کوئی احساس نہ جاگا۔ البتہ وہ اب بھی سوچتی تھی کہ آخر وہ کون تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس کا جیون بچایا تھا۔ کافی عرصہ تک اسے کچھ نہیں معلوم ہو سکا، لیکن ایک دن پتہ چل ہی گیا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اس علاقے کی چوکی کا تھانیدار کسی تفتیش کے سلسلے میں شانتی کھ آیا۔

رتن چند اس وقت سے آج تک اس احساس سے نہیں نکل سکا تھا، جس میں جنے تلک کے الفاظ بھی شامل تھے۔ اس نے اس کے پتا کا اپمان کیا تھا جبکہ رتن چند کا خیال تھا کہ ان علاقوں میں ایسا کوئی ماں کا لعل نہیں ہے جو رتن چند جیسے بڑے جاگیردار کے خلاف ایسے الفاظ ادا کر سکے۔

یہی عقل مندی کی تھی اس نے کہ غصے اور جوش میں ڈوبا ہوا حوصلی پہنچ کر فوری طور پر کوئی کارروائی کرنا، اس نے کارروائی سے گریز کیا تھا اور اس کی وجہ راستے بھر کی وہ سوچ تھی جو حالات کے تقاضوں کے تحت اس کے ذہن میں آتی رہی تھی۔ عرصہ دراز سے اس پورے علاقے میں ٹھاکروں کے خلاف نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے اور کئی بار چھوٹے چھوٹے تصادم بھی ہو چکے تھے۔ جو کوئی خطرناک شکل نہیں اختیار کر پائے تھے۔

رتن چند کے ان عزیزوں نے جو سرکار میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، رتن چند کو سمجھایا تھا کہ وہ اپنا رویہ معتدل رکھے اور اپنے دشمنوں کی تعداد نہ بڑھائے، کیونکہ بدلے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ یہ بچ لوگ اونچے اونچے جاتے جا رہے تھے، لیکن اس نے دل میں یہ بات رکھی تھی کہ جیسے ہی موقع ملے گا، وہ جنے تلک کے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا اور جب تھانیدار شانتی کھ پہنچا تو اس نے خاص طور سے اسے اپنے پاس طلب کر لیا، تھانیدار ہاتھ جوڑے ہوئے رتن چند کے پاس پہنچ گیا۔

”رتن چند جی، نے ضرور کسی خاص کام سے ہی بلایا ہوگا۔“

”داروغہ، جی، میں امن پسند آدمی ہوں اور چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حرکت نہ کروں، جس سے شانتی مکھ کے آس پاس کے علاقوں میں نفرت کی فضا اور گہری ہو جائے لیکن اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی براہ راست ٹھاکر بھرم چند سورگ باشی کو برا بھلا کہے۔“

”ایسا کس نے کیا مہاراج؟“

”جئے تلک بھنڈاری نے۔“

”تو سرکار جو تے لگوا دیں بلا کر۔ آپ کو پریشانی کیوں ہے؟“

”داروغہ جی، یہ کام تو میں بھی کر سکتا تھا۔ ایسے کام کے لیے، سورگ باشی پتا جی نے تو باقاعدہ ایک ایسی جگہ بنا رکھی تھی، جہاں وہ اپنے مخالفوں کو بلا کر ٹھکنکی میں کسواتے تھے اور سو جوتے پڑواتے تھے ان کی کھوپڑی پر، جو تا بھی خاص طور پر بنایا گیا تھا جو وہیں لٹکا ہوا ہے۔“

”تو پھر مہاراج حکم کریں کہ میں کیا کروں۔“

”تم اپنے طور پر اسے بلاؤ اور اس کی تھوڑی سی ٹھکانی کر ڈالو، میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے خلاف ہو جائیں، لیکن تم کچھ کرو گے تو وہ الگ ہو گا۔“

”ذرا مجھے جئے تلک بھنڈاری کے بارے میں اور کچھ بتائیے۔“

”جنتا میں نے بتایا ہے اتنا کافی نہیں ہے کیا، اگر آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو نہ کریں میں خود دیکھ لوں گا۔“ رتن چند نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

داروغہ جی سنبھل گئے۔ ”ٹھیک ہے جنتا نہ کریں بس ذرا میری پیٹھ پر ہاتھ رکھے رہیں، آپ ایسا کریں کہ پولیس والوں کے بجائے اپنے آدمی بھیج کر جئے تلک کو بلوالیں، اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میں دیکھ لوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ رتن چند نے کہا اور پھر اس نے چند لوگوں کو تیار کر کے جئے تلک کے ڈیرے پر روانہ کر دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ داروغہ جی آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے اسے طلب کیا ہے۔

جس وقت یہ لوگ وہاں پہنچے تو جئے تلک چوپال میں بیٹھا ہوا تھا، ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں، شانتی مکھ کے بہت سے لوگ جمع تھے۔ حقہ چل رہا تھا اور فضا میں تمباکو کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

رتن چند کے گھڑ سوار جب وہاں پہنچے تو ایک دم خاموشی طاری ہو گئی۔ سواروں میں سے

ایک نیچے اتر اور جے تلک کے پاس پہنچ کر بولا۔ ”تجھے مہاراج رتن چند نے اپنے ڈیرے پر بلایا ہے۔“

”کیوں بلایا؟“

”یہ وہی بتائیں گے، چل اٹھ۔“

”تمیز سکھ، کرائے کے ٹٹو، گیدڑ کی اولاد کی اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ تم لوگوں کو اس طرح میرے پاس بھیجا، کیوں بھائیو۔ شیر اور گیدڑ اگر ایک دوسرے سے ملنا چاہیں تو ملنے کون آئے گا شیر یا گیدڑ؟“ اس کے یہ الفاظ حقارت سے بھر پور تھے، لیکن چوپال میں بیٹھے لوگوں کے چہرے فٹ ہو گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ٹٹا کر رتن چند ہاڑا اپنے باپ ہی کی طرح سخت دل اور ظالم ہے، اس کے بارے میں ایسے الفاظ کہنا بڑی خطرناک بات تھی۔

”تُو مجھے بتا کہ تُو چلتا ہے یا نہیں؟“

”منع کروں تو کیا کرے گا تُو؟“ جے تلک نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”میں کچھ نہیں کروں گا، کرنا تو ان داروغہ جی کو ہوگا، جو رتن چند کے پاس بیٹھے ہوئے

تیرا انتظار کر رہے ہیں“

”ارے واہ! اس کا مطلب ہے کہ گیدڑوں کی سبھا ہو رہی ہے، اچھا دوستو! دیکھ کر آتا

ہوں، یہ آس پاس کے گیدڑ کیوں جمع ہو گئے ہیں۔ چلو۔“ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

اس کے ایک آدمی نے جلدی سے اس کی گھوڑی کس دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس جگہ

پہنچ گیا جہاں چوپال جمی ہوئی تھی۔ پولیس کے کئی جوان کھڑے ہوئے تھے اور علاقے کا

داروغہ بھی موجود تھا۔ جے تلک گھوڑی سے نیچے اور گھوڑی کی لگام پکڑے پکڑے آگے بڑھ

گیا۔

تھانیدار نے اس سے پہلے کبھی جے تلک کو نہیں دیکھا تھا، لیکن اس وقت جب اس نے

قد آور گھرو جوان کو دیکھا جس کے چہرے سے جلال ٹپکتا تھا اور جس کی بڑی بڑی آنکھیں دماغ

میں گھسنے والی تھیں تو اس پر ایک عجیب سا رعب طاری ہو گیا۔

جے تلک آہستہ آہستہ چلتا ہوا رتن چند کے پاس پہنچ گیا اور پھر بولا۔ ”بڑی دیر کی تُو نے

ہمیں بلانے میں رتن چند، اکیلے ہمت نہیں پڑی تھی شاید، جو داروغہ جی کو بھی بلالیا۔ خیر تیری

مرضی، بول کیا بات ہے۔“

رتن چند کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا، اس دن کھیتوں کے پاس جئے تلک جس انداز میں اس کے ساتھ پیش آیا تھا، اس نے سوچا کہ اس وقت وہ تھا ہے، اس لیے شاید جئے تلک کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے، لیکن اب اتنی ساری پولیس، رتن کے آدمی اور داروغہ کی موجودگی میں جس انداز میں پیش آیا تھا، وہ اس کی توقع کے خلاف تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر جئے تلک کو دیکھا تک نہیں، غالباً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔ البتہ اس نے داروغہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”دیکھ لیا آپ نے داروغہ جی یہ بیچ ذاتوں کا انداز اور یہ ہے ان کی ہمت، یہی ہے جئے تلک بھنڈاری۔“

”ہوں..... تُو جئے تلک ہے؟“

”جی داروغہ جی۔“

”کیا کرتا ہے تُو؟“ داروغہ جی نے سنہل کر پوچھا۔

”کسان ہوں سرکار، مل چلاتا ہوں اور اپنے پر یوار کے لیے اُن پیدا کرتا ہوں۔“

”کون سی زمینوں پر مل چلاتا ہے، کیا وہ زمینیں تیرے باپ کی ملکیت ہیں۔“

”جی سرکار! بھگوان کی دیا ہے آج تک وہ زمینیں میرے باپ ہی کی ملکیت ہیں، یہ

دوسری بات ہے کہ ان پر بہت سی بری نگاہیں پڑتی رہتی ہیں۔“

”اپنے آپ کو بہت تیز سمجھتا ہے تُو؟“

”سچی بات کہنے والا کوئی بھی ہو داروغہ جی اسے تیز کہہ لو برا کہہ لو، کوئی بھی نام دے لو،

تمہاری مرضی ہے۔“

”رتن چند مہاراج کو تجھ سے شکایت ہے، ان کا کہنا ہے کہ تُو نے ان کا اہمان کیا ہے۔“

”اہمان..... ایسے لوگوں کا اہمان ہوتا ہے مہاراج جو دوسروں کی عزت نہیں کرتے،

میں نے کبھی ان کے ہتاجی کے بارے میں کچھ نہیں کہا، کون شیر ہے، کون گیدڑ یہ تو میدان میں آ

کر ہی پتہ چلتا ہے، میں نے انہیں گیدڑ کہا یہ مجھے للکار دیتے، فیصلہ ہو جاتا کہ کون شیر ہے کون

گیدڑ۔“

”تجھے اپنی اور ان کی اوقات کا نہیں پتہ؟“

”اپنی اوقات کا تو پتہ ہے داروغہ جی، اور ان کی اوقات اب کھل کر سامنے آ گئی ہے۔

خود کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو پولیس کو بلا لیتے ہیں، چلے آپ بتائیے آپ نے ہمیں کیسے بلایا؟“

داروغہ جی بغلیں جھانکنے لگے تھے، کرنے کو تو وہ بہت کچھ کر سکتے تھے اور یہ کر ڈالنا ہی ان کے لیے عزت کا باعث تھا، لیکن کچھ ایسا رعب طاری ہو گیا تھا اس بے باک نوجوان کو دیکھ کر کہ وہ کوئی بری بات نہیں بول سکے۔ البتہ رتن چند کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ خونخوار نگاہوں سے داروغہ جی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ داروغہ کو کیا ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے تو بڑی الزفوں دکھا رہے تھے، مگر جسے تلک کو ایک لفظ بھی نہیں کہا انہوں نے، بڑی مشکل سے داروغہ جی نے خود کو سنبھالا اور بولے۔ ”جاؤ آئندہ ایسی کوئی شکایت میرے کانوں تک نہ آئے۔“

”جی مائی باپ ایسا ہی ہوگا۔“ جسے تلک نے کہا اور ہنستا ہوا وہ اپنی گھوڑی پر بیٹھ کر ہوا ہو گیا۔

ادھر بستی والے کسی ایسے الیے کے منتظر تھے جس سے ٹھاکروں کے مظالم کی پرانی یادیں تازہ ہو جائیں، لیکن جسے تلک کو ہنستے ہوئے آتے دیکھ کر وہ سب حیران رہ گئے، جسے تلک ان کے پاس پہنچ کر گھوڑی سے نیچے اتر گیا تھا۔

”کیا ہوا جسے، کیوں بلایا تھا رتن چند نے؟“

”ملنے کو جی چاہ رہا ہوگا، ہم نے تو آج تک کسی کو کچھ بتایا بھی نہیں، پر آج بتاتے ہیں ایک دن کھیتوں کے پاس سے گزر رہے تھے، ہمارا سامنا ہو گیا اور پھر دونوں نے ایک دوسرے سے بڑی محبت بھری باتیں کیں۔“

”کیا کیا؟“ لوگ حیرانی سے بولے تو جسے تلک نے ساری تفصیل انہیں بتادی اور سب کے سب حیران رہ گئے، پھر بات ساری آبادی میں پھیل گئی، جسے تلک تو ذرا بھی پریشان نہیں تھا لیکن اس سے محبت کرنے والے خود پریشان ہو گئے تھے۔

دوسری طرف ٹھاکر رتن چند انگاروں پر لوٹ رہا تھا، داروغہ جی نے تو اسے کچھ بھی نہیں کہا، اس کا خیال تھا کہ داروغہ جی اسے مرغا بنائیں گے۔ جوتے لگائیں گے اور معافی منگوا دیں گے، اگر ایسا ہوتا تو رتن چند کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا، لیکن یہ صورت حال اس کے لیے بڑی توہین آمیز تھی۔ وہ داروغہ جی پر برسنے لگا۔ ”یہ مدد کی ہے آپ نے میری، ایک لفظ نہیں کہا آپ نے اس سے، جبکہ اس نے آپ کے سامنے مجھ سے کیسے گفتگو کی، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔“

”چھوٹی ذات کا چھوٹا آدمی ہے رتن جی آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں

اسے ایسا ٹھیک کروں گا کہ آپ کا من خوش ہو جائے گا، اصل میں دلیری اور بہادری کے ساتھ عقل بھی ضروری ہوتی ہے۔ خالی دلیری موت کے منہ میں لے جاتی ہے، بہادری کے ساتھ اگر عقل بھی ہو تو بات خطرناک ہوتی ہے اور وہ سر عقل مند نہیں ہے، بس تھوڑا سا انتظار کر لیں، میں جو تماشا آپ کو دکھاؤں گا وہ دیکھنے کے قابل ہو گا۔“ داروغہ جی خود اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن رتن چند کا سینہ انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔

اب تو اس پر دہرا بوجھ طاری تھا، اس کمینے نے اس کی بہن کو سینے سے لگایا ہے اور اس نے تنہائی میں ہی نہیں سب کے سامنے اس کی بے عزتی کی ہے۔ البتہ داروغہ جی نے جو باتیں کہی تھیں اس سے وہ بھی غور کرنے کے قابل تھیں۔ داروغہ جی تو چلے گئے لیکن وہ جل رہا تھا، پھر کافی دن تک اس کے سینے میں آگ سلگتی رہی۔ بستی سے گزرتا تو یوں لگتا جیسے اسے لوگ دیکھ کر ہنس رہے ہوں۔ یہ بات سب ہی کو معلوم ہو چکی تھی کہ جنے تلک نے داروغہ جی کے سامنے بھی رتن چند کو گیدڑ کہا تھا، اس رتن چند کو جو اپنی ناک پر کبھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، پھر اس کے پالے ہوئے غنڈوں نے اسے پیکش کی۔

”آپ حکم دیں سرکار تو اس کے کھیتوں میں آگ لگا دی جائے۔“

”اگر آپ چاہیں تو ہم اس کی بہن کو اٹھا لائیں۔“

”اس کی ماں کو سر عام بے لباس کر دیں۔“

”اسے گولی مار دیں۔“

”ہو سکتا ہے، سب کچھ ہو سکتا ہے، مگر داروغہ جی کہہ گئے ہیں کہ ایسا کوئی کام نہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں انتظار کروں وہ کوئی بڑا ہی قدم اٹھائیں گے۔“ رتن چند نے کہا۔

بہر حال ادھر یہ سب ہو رہا تھا اور ادھر داروغہ جی اپنی ہی فکر میں لگے ہوئے تھے، وہ جانتے تھے کہ رتن چند زخمی ہو گیا ہے اور اس کے زخم اسے بے چین رکھیں گے۔ اسے ہر قیمت پر جے تلک کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کرنا ہوگی۔ اسے اپنے نمبر بنانے تھے، مال بھی کمانا تھا، ویسے بھی اسے رتن چند کے ذریعے کافی فائدے حاصل ہو چکے تھے۔ خاص طور سے زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جس پر اس نے ہمیشہ باغ لگانے کے خواب دیکھے تھے، وہ جب بھی ادھر سے گزرتا زمین کے اس حصے کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھرتا تھا اور کئی بار اس نے سوچا کہ رتن

چند کے لیے کوئی ایسا کام کیا جائے کہ بعد میں زمین کا یہ ٹکڑا اس سے مانگ لے۔ بہر حال رتن چند سے یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے داروغہ جی اپنی پلاننگ کر رہے تھے۔ اگر اس وقت بھی وہ چاہتے جب انہوں نے جئے تلک کو بلایا تھا تو بڑی آسانی سے اسے الٹا لٹکا کر جوتے لگا سکتے تھے، لیکن سمجھدار آدمی تھے، اول تو جئے تلک کی شخصیت سے متاثر ہو گئے تھے، دوم وہ یہ چاہتے تھے کہ جو کچھ وہ کریں اس کا صلہ انہیں ضرور مل جائے، اسی تک وہ دو میں لگے ہوئے تھے اور پھر انہوں نے ایک دن موقع تلاش کر ہی لیا۔

پاس کی ایک بستی میں ڈاکا پڑا، یہ بستی دوار کا کہلاتی تھی اور راجستھان کے ابتدائی حصوں میں سے ایک جگہ تھی۔ پُر پیچ اور خطرناک علاقوں میں ایسی وارداتیں اکثر ہوتی رہتی تھیں، ڈاکہ بھی ایک بڑے ٹھا کر کے ہاں پڑا تھا اور ڈاکوؤں نے گولیاں چلا کر کئی دیہاتیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ تفتیش علاقے کے داروغہ جی ہی کے سپرد تھی، وہ کھوج لگاتے لگاتے آخر کار اپنے منصوبے کے مطابق شانتی کھینچ گئے اور انہوں نے شانتی کھ میں جئے تلک کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ جئے تلک اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا۔ وہاں اس وقت اس کی ماں راگ وتی اور بہن جگ وتی موجود تھیں۔ داروغہ جی اس کھوجی اور گواہ کے ساتھ اندر داخل ہو گئے جسے اس ڈاکے کی واردات میں ڈاکوؤں کے خلاف یعنی شاہد بنا کر لایا گیا تھا۔ گھر میں تلاشی کے دوران ایک بندوق برآمد ہو گئی اور کچھ ایسا سامان بھی جو ڈاکے میں حاصل کیا گیا تھا۔ یہ سامان بڑی محنت کے ساتھ اندر پہنچایا گیا تھا۔ بہر حال یہ چیزیں برآمد ہوتے ہی پوری بستی میں تہلکہ مچ گیا۔

گاؤں والوں نے بھی یہ چیزیں دیکھیں اور داروغہ جی نے باہر نکل کر اعلان کیا کہ جئے تلک بھنڈاری ڈاکوؤں کا ساتھی ہے۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مل کر ٹین آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے، پولیس کی پارٹی سیدھی جئے تلک بھنڈاری کے کھیتوں کی طرف دوڑی۔ بستی کے بہت سے لوگ ساتھ تھے اور ان کے سامنے ہی جئے تلک کو کھیت پر کام کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا، جئے تلک اپنی گرفتاری پر ہکا بکارہ گیا تھا۔

”مگر مجھے کیوں پکڑ رہے ہیں داروغہ جی؟“

”معصوم بن رہے ہو، گھر میں بندوق اور ڈاکے میں چرایا ہوا سامان مل گیا ہے۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟“

”ہمارے پاس عینی شاہد بھی موجود ہیں، جنہوں نے موقعہ واردات پر تمہیں ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر لوٹ مار کرتے ہوئے دیکھا ہے اور تم اس بندوق سے گولیاں بھی چلا رہے تھے۔“

”مگر داروغہ جی مجھے تو بالکل نہیں معلوم کہ یہ بندوق ہے کس کی؟“

”سارے پکڑے جانے والے لوگ یہی کہتے ہیں۔“ داروغہ جی نے جواب دیا۔ جئے تلک کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر اسے پولیس ونگن میں بٹھایا گیا، جئے تلک جو ان تھا، اس کی رگوں میں گرم خون تھا، لیکن وہ سیدھا سادہ محنت کش تھا اور اس کے اندر چالاکی نہیں تھی، اپنی اس گرفتاری پر وہ شدید غم و غصے کا شکار ہو گیا تھا۔

ادھر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ماں بیٹیاں روتے روتے بے حال ہو گئی تھیں، پھر یہ خبر آخر کار گونا گڑھی بھی پہنچ گئی، جہاں جئے تلک کا جگر کی دوست ویرا سنگھ جنوری رہتا تھا۔ ویرا سنگھ جنوری اور جئے تلک کی دوستی قرب و جوار کی آبادیوں میں مثالی تھی اور یہ دوستی آج کی نہیں تھی، ویرا سنگھ کا باپ پورن سنگھ جنوری جئے تلک کے باپ درگا تلک کا بچپن کا دوست تھا اور دونوں نے زندگی کا بہت بڑا حصہ ساتھ گزارا تھا، حالانکہ وہ دونوں الگ الگ بستیوں کے رہنے والے تھے لیکن شانتی کھ اور گونا گڑھی کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔ گاؤں دیہاتوں کا ماحول الگ ہوتا ہے، بہت سے ایسے واقعات دونوں آبادیوں سے منسلک تھے جن میں ان آبادیوں کے رہنماؤں نے مل جل کر کام کیا تھا۔

ٹھاکروں نے کسی کو نہیں چھوڑا تھا۔ انہیں جہاں بھی موقع ملتا وہ اپنی طاقت کے بل پر ان چھوٹے زمینداروں اور کسانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہتے تھے اور ان کے مظالم کی وجہ سے بستیوں میں آپس میں اور زیادہ محبت ہو گئی تھی، ان بستیوں کے غیور کھیاؤں اور ان کے ساتھ عوام نے فیصلے کئے تھے کہ غیرت کی زندگی سب سے بہتر ہے، موت اگر عزت سے آئے تو اس کی آغوش میں پہنچ جانا چاہئے۔ چنانچہ یہ لوگ بھی متحد ہو گئے تھے، لیکن ٹھاکروں نے بھی اپنے گروہ بنا رکھے تھے۔

اپنی طاقت، اختیارات اور پیسے کے بل پر وہ جہاں بھی موقع ملتا غریب کسانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے رہتے تھے۔ ٹھاکر بھرم چند پاڑا نے بھی اسی طرح جئے تلک بھنڈاری کے باپ درگا تلک کے خلاف سازش کی تھی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، جس وقت بھرم

چند نے درگا تلک کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اتفاقاً طور پر درگا تلک کی بیوی راگ وتی اور بیٹی جگ وتی اپنی نانی نانا کے گھر گئے ہوئے تھے، اس لیے ان کی جان بچ گئی۔ ادھر درگا تلک اس طرح موت کا شکار ہوا اور دوسری طرف ویرا سنگھ کا باپ جنگل میں کام کرتے ہوئے سانپ کے کاٹنے سے ہلاک ہو گیا۔ ویرا سنگھ کی ماں بچپن ہی میں اسے جنم دے کر مر گئی تھی، چنانچہ وہ ماں کے سائے سے بچپن ہی سے محروم تھا۔ چونکہ درگا تلک اور پورن سنگھ کے تعلقات انتہائی اچھے تھے، اس لیے ویرا سنگھ اور جے تلک بھی گہرے دوست بن گئے تھے اور کیفیت یہ تھی کہ چھوٹی سی بستی کی سرحد کو عبور کر کے دونوں تیسرے چوتھے روز ضرور ملا کرتے تھے۔

جے تلک کی بہن جگ وتی بڑی ہو گئی تھی۔ سولہ یا سترہ سال کی عمر تھی اس کی، وہ ایک جنگلی پھول کی طرح حسین اور مہک دار تھی۔ تمام لوگ اسے بہت پسند کرتے تھے۔ محبتوں کا یہ عالم تھا کہ ہولی دیوالی پر سب سے پہلا کھا جاویرا سنگھ جگ وتی کے ساتھ ہی کھاتا تھا اور یہ کھا جا جگ وتی خود تیار کرتی تھی۔

بیساکھی کا تہوار آتا تو جگ وتی راکھی لیے ویرا سنگھ کا انتظار کرتی اور اپنے بھائی سے پہلے اس کے ہاتھ میں راکھی باندھتی۔ ویرا سنگھ عجیب و غریب فطرت کا مالک تھا۔ باپ کی موت کے بعد اس نے چھوٹی سی زمین سنبھال رکھی تھی اور یہ زمین جس طرح کی فصل دیتی تھی، اس کی مثال بھی گونا گڑھی ہی کیا آس پاس بھی نہیں ملتی تھی۔ دبلے پتلے بدن کا مالک ویرا سنگھ خاموشی سے اپنا کام کرتا، اس کی فطرت میں ایک عجیب سی وحشت اور درندگی پائی جاتی تھی جس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا تھا۔ مثلاً دو تین بار ایسا ہوا تھا اس کے کھیتوں میں جانور گھس آئے تھے، اس نے گنڈا سے ان جانوروں کے سر اتار دیئے تھے، کئی دفعہ چھوٹے جانور آتے تھے وہ ان کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا تھا، یہ کام وہ انتہائی خاموشی سے کرتا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گہرا سکون پھیلا ہوا ہوتا۔

اسے ایک لڑکی سے محبت تھی جس کا نام بیتا تھا لیکن اس نے کبھی بیتا کو اپنی محبت کے بارے میں نہیں بتایا تھا، حالانکہ خود بیتا بھی ویرا سنگھ کے لیے دل میں بہت محبت رکھتی تھی اور مختلف موقعوں پر اس کا اظہار بڑے معصومانہ انداز میں ہو جاتا تھا، لیکن ویرا سنگھ نے کبھی دل کی بات ہونٹوں تک نہیں پہنچائی تھی۔

دونوں دوست اپنی اپنی زمینوں پر بڑی محنت سے کام کرتے تھے اور اس سلسلے میں ان

کے درمیان مقابلہ بھی ہوتا تھا کہ کس کی زمینیں زیادہ شاداب ہوتی ہیں، بستی والوں کو ان مقابلوں سے بڑی دلچسپی ہوتی تھی، لیکن مزے کی بات یہ تھی کہ جنے تلک اور ویرا سنگھ دونوں ہی کوشش کرتے کہ دوسرے کی زمینیں زیادہ اچھی ہوں اور انہیں اپنے ساتھی پر فوقیت حاصل ہو جائے۔ جنے تلک سوچتا تھا کہ ویرا سنگھ کی زمینیں زیادہ اچھی ہوں تاکہ ویرا سنگھ کو برتری ملے، یہ دونوں کے ایثار و محبت کا ایک انداز تھا۔

ٹھا کروں کے خلاف جو کارروائیاں ہوتیں وہ اپنی جگہ ایک محاذ کی سی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے تھے خاموشی سے کرتے تھے۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ پتا پر پوت نسل پہ گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا، انہیں سچ ذات کہا جاتا تھا لیکن یہ سب بڑائی دکھانے کے لیے مصروف رہتے تھے، یہی بات تھی کہ رتن چند اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا تھا اور اپنی برتری کا اظہار کرنا بھی ان کے لیے ضروری ہوتا تھا، اب تقدیر کا یہی فیصلہ تھا تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔

رتن چند محض اس لیے بگڑ گیا کہ ایک بھنڈاری نے اس کی بہن کی جان بچائی، اگر بھنڈاری کے بجائے کوئی ہاڑا ہوتا تو رتن چند اس کا منہ موتیوں سے بھر دیتا، لیکن بد نصیبی تھی جنے تلک کی کہ وہ بھنڈاری تھا اور پھر دوسری بات یہ کہ اس نے تنہائی میں اور داروغہ جی کے سامنے رتن چند کی بے عزتی کر ڈالی تھی۔ داروغہ جی نے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ درحقیقت رتن چند کے لیے بڑا قیمتی تھا۔

بہر حال جیسے ہی ویرا سنگھ کو اس بارے میں اطلاع ملی وہ دوڑا اور آن کی آن میں شانتی مکھ پہنچ گیا، راگ وتی بیٹا اور جگ وتی بھیا کہہ کر اس سے لپٹ گئیں۔ دونوں کی دونوں بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ویرا سنگھ نے خاموشی سے ساری کہانی سنی۔ وہ اپنی عادت کے مطابق بالکل نرم اور سنجیدہ تھا۔ وہ کم گو، نرم مزاج اور دھیمے لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا۔ کسی بھی مرحلے پر بہت زیادہ جذباتی نہیں ہوتا تھا، بڑی سے بڑی بات سن کر اس کا چہرہ پُر سکون رہتا تھا۔ یہ اس کی طاقت کی نشانی تھی، اس نے راگ وتی سے مدہم لہجے میں سارے واقعے کے بارے میں پوچھا اور تفصیل سن کر گردن ہلا دی۔

”وہ لوگ میرے بھیا کو مار ڈالیں گے ویرے، وہ لوگ اسے جان سے مار دیں گے

بھیا۔“

”داروغہ جی اسے کب لے گئے ہیں؟“

راگ دتی نے وقت بتایا۔

”ٹھیک ہے، نکال لائیں گے اسے تم دونوں چٹنا مت کرو۔“ ویراسنگھ نے بدستور سرد لہجے میں کہا اور اس کے بعد خاموشی سے واپس چلا گیا۔ راگ دتی کا خیال تھا کہ ویراسنگھ ان تمام واقعات کو سن کر جوش سے دیوانہ ہو جائے گا، لیکن اتنی محبت اور اتنے پیار کے باوجود اتنی لا پرواہی۔ بہر حال بستی والے معمول کے مطابق صرف ہمدردی ہی کر سکتے تھے، جبکہ داروغہ جی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ نتیجہ اس قدر سنگین نکلے گا، وہ تو خوشی کے عالم میں سوچ رہے تھے کہ جو الفاظ رتن چند نے ان سے کہے ہیں وہ ان کے ارادوں کی تکمیل کے لیے بہت قیمتی ہیں، رتن چند نے کہا تھا۔ ”آپ نے وہ کر دکھایا داروغہ جی جو آپ نے کہا تھا اور میں وہ کر دکھاؤں گا آپ سے جو میں نے کہا تھا، آپ کو اس بات کا بھرپور اصلہ ملے گا۔“

مگر اس وقت داروغہ جی دنگ رہ گئے جب ان کی دھرم پتی نے انہیں بتایا کہ ان کا نو سالہ بیٹا غائب ہے اور اس کا کہیں پتہ نہیں چل رہا ہے۔

”کیا بک رہی ہے ٹو اسکول سے واپس نہیں آیا وہ؟“ داروغہ جی نے بدحواسی سے کہا۔

”وہی تو بتا رہی ہوں، جب بہت دیر ہو گئی تو میں نے سپاہی کو اسکول بھیجا، پتہ چلا وہ آج

صبح سے اسکول آیا ہی نہیں ہے۔“

”ہیں..... صبح سے اسکول نہیں پہنچا!“

”اور کہیں پتہ نہیں ہے اس کا، سب سے بڑی بات ہے کہ اس کا بستہ رام تیلا کے کھیتوں

کے پاس پڑا ہوا ملا ہے۔“ داروغہ جی کی بیوی نے بتایا۔ داروغہ کے اوسان خطا ہو گئے، پاگلوں

کی طرح چاروں طرف سپاہی دوڑائے جورات تک داروغہ جی کے بیٹے کو تلاش کرتے رہے۔

آس پاس کی ساری بستیوں کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ جہاں بھی داروغہ جی کا بیٹا نظر آئے یا

اس کا نشان ملے انہیں فوراً ہی اطلاع دے دی جائے۔

+++++

وہ ڈبلا پتلا آدمی داروغہ جی کے پاس پہنچا تھا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر انہیں پرنام کیا تھا،

”کون ہے ٹو اور کہاں سے آیا ہے؟“

”صاحب جی، میرا نام ویراسنگھ ہے، پاس کی بستی سے آیا ہوں۔ گونا گڑھی کا باسی ہوں،

آپ کو آپ کے بیٹے کے بارے میں کچھ خبر دینا چاہتا ہوں۔“ نوجوان نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

”بول جلدی بول، کچھ پتہ چلا ہے تجھے؟“

”ہاں صاحب جی، اسے اغوا کر لیا گیا ہے اور اسے اغوا کئے ہوئے نو گھنٹے گزر چکے ہیں۔“

”کس نے اغوا کیا ہے، تجھے کیا معلوم ہے اس کے بارے میں۔ سچ بول۔“ داروغہ جی نے ہاتھ اٹھائے۔ ویرا سنگھ جلدی سے بولا۔

”نہ..... نہ داروغہ جی کسی کو بلائیں نا، بڑی رازداری کی بات ہے۔“

داروغہ جی کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ شدید انتشار کے عالم میں تھے اور ویرا سنگھ کے آگے بولنے کا انتظار کر رہے تھے، اس نے کہا۔ ”اصل میں آپ کے بیٹے کو ہم نے اغوا کیا ہے، داروغہ جی۔“

”کیا؟“ داروغہ جی حلق پھاڑ کر چیخے۔

”نہیں داروغہ جی آپ سمجھ دار آدمی ہیں، پولیس والے ہیں بات کو سمجھتے ہیں اچھی طرح، ایسا نہ کریں، ورنہ کیا فائدہ۔ بیٹے کی لاش صبح کہیں آس پاس کے کھیتوں میں پڑی مل جائے گی آپ کو اور میں ہی آپ کو خبر دوں گا کہ آپ کا بیٹا مر چکا ہے۔ آپ کے دشمنوں نے اس کی گردن کاٹ کر اسے پھینک دیا ہے۔“

”ارے ٹو کیا کہہ رہا ہے، کیا بک رہا ہے، کیوں میرا کلیجہ جلانے دے رہا ہے۔“

”اس لیے داروغہ جی کہ میرا کلیجہ بھی جل رہا ہے۔ جنے تلک بھنڈاری میرا گہرا یا رہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے وہ، آپ اسے رتن چند کے کہنے پر پکڑ لائے ہیں، یہ آخری گھنٹہ ہے آپ کے پاس، دماغ میں اچھی طرح رکھیں کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر اگر آپ نے میری بات پر سمجھداری سے کام نہ لیا تو میرے ساتھی آپ کے بیٹے کی گردن کاٹ کر اسے تھانے کے پیچھے کھیتوں میں پھینک دیں گے، چلتا ہوں، فوراً جنے تلک بھنڈاری کو رہا کر دیں اور بعد میں اسے کبھی ہاتھ نہ لگائیں، ورنہ یہ کام دوبارہ بھی ہو سکتا ہے، میں تو غریب کسان ہوں، سارے کام میرے ساتھی کرتے ہیں اور انہیں آپ کبھی تلاش نہیں کر سکیں گے، جہاں تک رتن چند کی بات ہے فی الحال آپ اس سے کہہ دیں کہ اصل ڈاکو پکڑے گئے ہیں، اس لیے بڑی سرکار کے کہنے

پر جے تلک کو چھوڑنا پڑا ہے، کیسی صلاح ہے داروغہ جی، بیٹا بھی بچ جائے گا آپ کا اور فی الحال عزت تھی۔“

داروغہ جی سکتے میں رہ گئے تھے اور بیوقوفوں کی طرح اس عجیب و غریب نوجوان کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ساری عمر کا تجربہ بتا رہا تھا کہ پتھر یلے لہجے والا یہ دیہاتی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کر دکھائے گا۔
فیصلہ ایک لمحہ میں کرنا تھا۔

✦=====✦=====✦

پاکستانی
ادبیات
مقام

اس ایک لمحے میں انہیں پورے گھر کی بربادی نظر آگئی تھی اور اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ ان کے سارے کس بل نکل گئے اور وہ گھکھپائے ہوئے لہجے میں بولے۔ ”نہیں نہیں، یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں، میں اسے ابھی چھوڑ دے رہا ہوں، تم میرے بیٹے کو فوراً آزاد کر دو، میری دھرم پتی کو پتہ چل گیا تو وہ ایک لمحہ جیتی نہیں رہے گی۔“

”سوچ لیا ہے آپ نے اچھی طرح داروغہ جی؟“

”سوچنے کی کیا بات ہے، ابھی اسے اپنے ساتھ لیتے چلے جاؤ۔“

”نہیں آپ بس اسے خاموشی سے چھوڑ دیں اور میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں، ہاں جو وعدہ میں نے کیا ہے وہ بھی پورا کر دوں گا اور ایک اور بات آپ سے کہوں داروغہ جی، کوئی چالاکی نہ کریں۔“

”مم..... میں میں کوئی چالاکی نہیں کروں گا، بھلا میں کیا چالاکی کر سکتا ہوں۔“

”کر سکتے ہیں آپ، میں جانتا ہوں آپ جیسے لوگوں کو اچھی طرح، ہو سکتا ہے آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ ابھی اسے چھوڑ دیں اور بعد میں دوبارہ پکڑ لیں اور اپنے اس باپ کو خوش کرنے کے لیے اگر آپ نے ایسا کیا تو اس بار جو کچھ ہوگا داروغہ جی وہ آپ بھی سوچ بھی نہیں سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے، میں مانتا ہوں اس بات کو جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا ہی ہوگا۔“ داروغہ جی

اپنے لہجے کی کپکپاہٹ کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کچھ دیر کے بعد جئے تلک کو لاک اپ سے باہر نکال کر جانے کی ہدایت کی گئی تو وہ دنگ

رہ گیا۔

”مذاق کر رہے ہو شاید داروغہ جی۔“

”کوئی مذاق نہیں کر رہا، جا بھائی اپنا کام کر اور ایک بات میں تجھے سمجھاؤں، اچھی بات ہوگی کہ اپنا جیون خطرے میں مت ڈال، ان ٹھاکروں سے لڑنا آسان نہیں ہے، تجھے پتہ ہے کہ ان کے ہاتھ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں، ہم تو معمولی سے لوگ ہیں، ہمیں تو جو حکم ملے گا وہ کریں گے اور اگر نہیں کریں گے تو نوکری بھی جائے گی اور عزت بھی، ہاتھ جوڑتے ہیں تیرے، ٹھاکروں سے لڑائی ختم کر دے اور ہمیں خطرے میں مت ڈال، جا بھاگ جا۔“

جنے تلک حیران حیران سا وہاں سے واپس چل پڑا۔ اسے کچھ نہیں معلوم تھا، ادھر داروغہ کا بیٹا اس کے پاس پہنچ گیا۔ داروغہ نے بیٹے کو حاصل کرتے ہی دھرم پتی کو تیار کیا اور اپنے ماتحتوں سے کہا کہ اسے اپنی دھرم پتی کے بتاجی کی بیماری کی خبر ملی ہے۔ چنانچہ وہ مجبوری کی حالت میں وہاں جا رہا ہے، تھوڑے دن کے بعد واپس آ جائے گا، اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا۔

ادھر جنے تلک اپنے گھر پہنچا تو بستی میں ایک بار پھر کھرام بج گیا تھا۔ اس سے پہلے اس کے گھر میں صفو ماتم بجھی ہوئی تھی، ماں اور بہن نے اسے دیکھا تو خوشی سے دیوانی ہو گئیں۔ بہر حال خبر رتن چند تک پہنچی تو ایک بار پھر وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور حیرانی سے سوچنے لگا کہ یہ داروغہ آخر کیا کھیل کھیل رہا ہے، خود ہی اتنا بڑا کام کیا، پھر جنے تلک کو آزادی کیسے مل گئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ جائیں اور چوکی سے داروغہ جی کو بلا کر لائیں۔ داروغہ جی پہلے ہی وہاں سے فرار ہو چکے تھے، ان کے ماتحتوں سے معلومات حاصل کی گئی تو پتہ چلا کہ داروغہ جی تو چلے گئے ہیں، ادھر دارالحکومت سے حکم آیا تھا کہ جنے تلک کو چھوڑ دیا جائے، رتن چند حیرانی سے یہ تفصیل سن رہا تھا۔ سرکاری حکم کی بات سن کر اسے خاموش ہونا پڑا، لیکن وہ حیران تھا کہ آخر جنے تلک نے ایسا کون سا شخص سرکار میں بھیج دیا کہ وہ سفارش لے کر آ گیا، لیکن یہ اچھا نہیں ہوا، میں خود دہلی جاؤں گا اور اس بارے میں بات کروں گا۔

رتن چند کے سیانے بزرگ نے اسے مشورہ دیا۔ ”نہیں رتن چند ٹھنڈا کر کے کھاؤ، اگر دلی سے تمہیں ٹکا سا جواب مل گیا تو کیا کرو گے۔ الٹی بے عزتی ہو جائے گی تمہاری۔“

”مگر میری چھاتی جو غصے سے جل رہی ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔“

”کہنا ٹھنڈا کر کے کھاؤ، انتظار کر لو رتن چند اور خفیہ طور پر یہ پتہ لگاؤ کہ آخر اسے

آزادی کیسے ملی؟ سرکار میں اس کا ہمدرد کون ہے؟ رتن چند آخر خاموش ہو گیا، اس نے بزرگ کی یہ بات بھی مان لی تھی۔

✦=====✦=====✦

کچھ وقت گزر گیا، پھر ایک دن راگ وتی نے رات کے وقت کوٹھے میں مٹی کے تیل کی بوحسوس کی تو اندر پہنچ گئی۔ چراغ کی روشنی میں جے تلک بھنڈاری بندوق کی نالی مٹی کے تیل سے صاف کر رہا تھا۔ راگ وتی حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

”یہ کیا کر رہا ہے جے؟“

بندوق صاف کر رہا ہوں ماما جی۔“

”کیوں؟“

”زنگ لگ گیا ہے اس میں، لگ رہا ہے اس کے استعمال کا سہ آ گیا ہے۔“

راگ وتی نے آگے بڑھ کر بندوق جے تلک کے ہاتھ سے لے لی۔ ”اگر یہ تیرے دادا جی کی نشانی نہ ہوتی تو میں اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دیتی۔“ راگ وتی غصے سے بولی۔

”کیوں ماما جی!“ جے تلک نے پوچھا۔

”کیا یہ بندوق لے کر ٹو ڈاکو بنے گا؟ ڈاکے ڈالے گا؟ خون کرے گا لوگوں کا؟“

راگ وتی بولی۔

”ڈاکو۔“ جے تلک کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئیں، پھر اس نے گردن ہلائی اور

بولاً۔ ”نہیں ماما جی میں تو اسے اپنے دشمنوں کے لیے صاف کر رہا ہوں۔“

”لا ادھر دے۔“

راگ وتی نے غرا کر کہا اور بندوق اس کے ہاتھ سے چھین لی لیکن جے تلک کے ہونٹوں پر ایک مہم مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ویرا سنگھ جے تلک کے پاس آتا رہتا تھا اور دونوں بہت دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے تھے لیکن جے تلک کو آج تک یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ اسے قید سے رہائی دلانے کے لیے ویرا سنگھ نے کیا کیا ہے۔

وہ تو شکر تھا کہ داروغہ جی بزدل آدمی تھے اپنی جان بچا کر بھاگ گئے تھے اور پھر کچھ افسروں کی خوشامد درآمد کر کے اس نے اپنا تبادلہ کر لیا تھا۔ اس طرح وقت گزرتا رہا، لوگوں کی زبانوں پر بہت عرصے تک رنجنا اور جے تلک کی کہانی رہی تھی۔

ادھر شانتی مکھ کے لوگ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ ٹھاکروں کے منہ پر اگر کالک ملی ہے تو بس جئے تلک نے، لیکن رتن چند جئے تلک کا کچھ نہیں بگاڑ سکا، البتہ رتن چند بدستور اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ وہ دل ہی دل میں جئے تلک سے بڑی محاسنت رکھتا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسا موقع ملے کہ جئے تلک کو اس کے کئے کی سزا دے۔

ادھر یہ بات ویرا سنگھ کے علم میں بھی تھی کہ ٹھاکروں نے آج تک صرف غلط ہی کیا ہے، ہر طرف ان کی سازشوں کے جال بچھے ہوئے ہیں، چھوٹے چھوٹے کسانوں اور زمینداروں کے خلاف ان کی کوششیں جاری ہیں۔ انہوں نے طے کر لیا ہے کہ کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کو سرنہ ابھارنے دو، جس طرح بھی ہو سکے انہیں نقصان پہنچاؤ، اسی طرح ان کی برتری قائم رہ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ جہاں بھی ممکن ہو سکتا کارروائیاں کرتے اور یوں بہت سی کہانیاں منظر عام پر آتی رہیں، کافی وقت اسی طرح گزر گیا اور ویرا سنگھ کو کسی طرف سے ایسی کوئی خبر نہیں ملی جو اس کے دوست جئے تلک کے خلاف ہو۔

پھر ایک دن رتن چند کو اپنی موت کا پروانہ مل گیا، بالکل اتفاق سے وہ بہن کے کمرے پاس سے گزر رہا تھا کہ اسے اندر سے بہن کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن جئے تلک کا نام اس کے کانوں میں پڑا تو وہ ایک دم چوکس ہو گیا اور اس نے دروازے سے کان لگا دیئے جہاں سے اندر کی آواز ابھر رہی تھی، رنجنا کہہ رہی تھی۔

”ہاں..... میں آگ میں جل رہی ہوں، ست دتی، مجھے جئے تلک بہت یاد آتا ہے۔ اس نے جس طرح مجھے اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا، وہ سے میں کبھی نہیں بھول سکتی، کبھی نہیں، پر کیا کروں وہ بیچ ذات ہے اور پھر بھی جی بھی اس سے دشمنی رکھتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ اس سے ملنے کی کوشش کر کے میں اس کے لیے مصیبتوں کا سامان پیدا کروں۔“ اس سے آگے رتن چند سے کچھ نہ سنا گیا۔ وہ غصے کی آگ میں جلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

بات اس کی بہن کر رہی تھی لیکن جانتا تھا کہ رنجنا معصوم ہے، نوجوان ہے اور نوجوانی کی یہ عمر بعض اوقات بڑے بڑے گل کھلاتی ہے، بے شک ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا تھا اور ایک بار پھر اس حقیقت کو رتن چند کا ذہن ضرور تسلیم کرتا تھا کہ اگر رنجنا کی جان بچانے والا کوئی بڑی ذات کا نوجوان ہوتا یا کم از کم اس کے دشمنوں میں بھی نہ ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ رنجنا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتا، لیکن، اس کی بد نصیبی یہ تھی کہ وہ رتن چند کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔

رتن چند کے ذہن میں سارے زخم بھر سے ہرے ہو گئے تھے اور وہ سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

♦=====♦=====♦

پھر ایک دن جگ وتی معمول کے مطابق سر پر پیاز اور روٹی کی پوٹلی لے کر بھائی کو کھانا دینے چل پڑی۔ راستے میں اس نے رام لعل چاچا کو دیکھا، رام، جگ وتی کے پتا کا دوست تھا اور اس کی زندگی میں اکثر اس کے گھر میں آتا رہتا تھا لیکن اب وہ رتن چند کے حاشیہ برداروں میں سے ایک تھا۔ اسے دیکھ کر جگ وتی نے اسے پرنام کیا اور رام لعل اسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”تُو جگ وتی ہے نادر گاتلک کی بیٹی؟“

”ارے چاچا جی تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے تم نے مجھے دیکھا ہی نہ ہو۔“
 ”بڑے دن کے بعد دیکھا ہے، تجھے ہاڑ پہاڑ ہو گئی ہے، تھوڑے دن پہلے کتنی چھوٹی سی تھی۔“

”لو سنو چاچا کی باتیں اب بڑی نہ ہوں گی تو کیا چھوٹی رہوں گی۔“ جگ وتی نے لاڈ سے کہا۔

”کہاں جا رہی ہے؟“

”بھیا کو روٹی دینے۔“ جگ وتی بولی۔

”میری بکری نے کھیت میں بچے دیئے ہیں، ذرا دیکھ تو کیسے پیارے بچے ہیں۔ وہ کھیت میں گھس آئی تھی، اب مجھے تین بچوں کو اٹھا کر گھر لے جانا پڑے گا۔“

”اچھا..... کیسے رنگ کے بچے ہیں، چاچا جی کہاں ہیں؟“ جگ وتی نے بچوں جیسے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

”وہ ادھر کھیت میں آذراد دیکھ۔“ رام لعل بولا اور جگ وتی بچوں کو دیکھنے کے شوق میں پورے یکے کھیت میں گھس گئی۔ اناج کی بالیں اس کے قد سے اونچی تھیں اور وہ ان بالیوں میں چھپ گئی تھی۔ تھوڑی سی آگے آئی تو کئی آدمی اس پر ٹوٹ پڑے، ان میں سے ایک نے کوئی بد بودار و مال اس کے منہ پر رکھ دیا۔ دوسرے نے ہاتھ سے اس کا منہ بھینچ لیا اور کچھ لمحے کے بعد حب وتی بے ہوش ہو گئی۔

”جلدی کرو دن کا وقت ہے اور کسان کھیتوں میں موجود ہیں۔“ رام لعل نے کہا اور تین

آدی جگ وتی کو اٹھائے ہوئے لنگے والے باغ کی طرف بڑھنے لگے جس کی مینڈھ کے ساتھ بھوسہ بھری گاڑی کھڑی تھی۔

جگ وتی کو بھوسے میں چھپا دیا گیا اور ایک آدی نے بیلوں کو سنبھال لیا۔ باقی دو رام لعل کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی چل پڑی۔

رام لعل کو یہ ذمے داری بڑی چھان بین کے بعد دی گئی تھی اور وہ ماضی کی تمام دوستی بھلا کہ صرف دولت کے لالچ میں رتن چند کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

ادھر جے تلک کھیت میں کام کر رہا تھا، سخت دھوپ اور گرمی میں اس کا سارا بدن پسینے سے شرابور ہو رہا تھا، دھوپ اور گرمی کی تو خیر اسے کوئی پروا نہیں تھی لیکن بھوک کا وہ بہت کچا تھا، دوپہر ہوتے ہی اس کے پیٹ میں جو ہے دوڑنے لگتے تھے اور وہ ٹی میں ذرا سی دیر اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بھوکا تھا اور سخت غصے میں تھا کہ آج تو حد کر دی جگ وتی اور ماں نے دوپہر ڈھل رہی ہے اور وہ ٹی نہیں آئی، بھوک اسے سخت پریشان کر رہی تھی۔ وہ کام نہیں کر پار ہا تھا، بار بار مینڈھ پر آ کر منہ اٹھا کر جگ وتی کو تلاش کرنے لگتا تھا، لیکن دور دور تک اس کا پتہ نہیں تھا۔

”آج تو یوں لگتا ہے جیسے روٹی آئے گی ہی نہیں۔“ اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور کام میں لگ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسے راگ وتی کی آواز سنائی دی۔ ”جے تلک ارے او جے۔“ ماں کی آواز سن کر وہ کھیت سے نکل آیا اور ماں کو دیکھتا ہوا بولا۔ ”ٹو آئی ہے آج ماں اور وہ بھی خالی ہاتھ۔“

”جگ وتی واپس چلی گئی کیا؟“ راگ وتی نے بے صبری سے پوچھا۔

”واپس چلی گئی، کہاں وہ آئی ہی کب تھی؟“

”نہیں آئی۔“ راگ وتی کا کلیجہ دہل گیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ چکر اکر رہ گئی تھی۔

”کیوں، کیا بات ہے ماما جی؟“

”ایں، کچھ نہیں رے، بس ذرا آج ناراض ہو گئی تھی مجھ سے، کہنے لگی میں نہیں جا رہی

کھیت تو خود چلی جا، بس جا کر بیٹھ گئی، اپنی کسی سکھی کے گھر، ابھی جا کر خبر لیتی ہوں۔“

راگ وتی یہ کہہ کر واپس پلٹی تو جے تلک نے کہا۔ ”اور میری خبر کون لے گا ماما جی،

بھوک کے مارے مر جا رہا ہوں۔“

”ابھی جا کر کسی کے ہاتھ روٹی بھجاتی ہوں، ٹو جا اپنا کام کر۔“ ماں کی آواز میں لاکھوں دوسے پوشیدہ تھے۔ وہ جنے تلک کو شک تک نہیں ہونے دینا چاہتی تھی، چنانچہ پھرتی سے واپس چل پڑی۔ جگ وتی بالکل ایسی نہیں تھی کہ کہیں رک جائے، بھائی کی روٹی بھی نہیں پہنچائی، کہاں گئی آخر؟ اس کا دماغ بری طرح چکر رہا تھا۔

سب سے پہلے وہ گھر آئی۔ رسوئی میں جو کچھ تھا ایک لڑکے کے ہاتھ کھیت پر بھجوا یا پھر خود جگ وتی کی ایک سکھی کے گھر پہنچ گئی۔ جگ وتی کی اس سکھی کی شادی ہو گئی تھی اور اس کا بچی کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ اکثر بھی کبھی اس کے ساتھ جگ وتی کھیتوں پر بھی چلی جاتی تھی۔

”جگ وتی تو نہیں ملی تجھے سنیتا؟“

”کہاں چاچی؟“ سنیتا نے پوچھا۔

”کھیت پر گئی تھی روٹی لے کر؟“

”کون چاچی میں؟“

”ہاں ٹو۔“

”میں تو گئی تھی پر بات کیا ہے؟“

”جگ وتی بھائی کی روٹی لے کر گھر سے نکلی تھی، واپس گھر نہیں آئی تجھے تو نظر نہیں آئی۔“

”دیکھا تو تھا اسے میں نے اپنے کھیت سے کچھ دور، روٹی لے کر جا رہی تھی، مگر مجھ سے کوئی بات نہیں ہوئی۔“

”وہ کھیت پر پہنچی نہ گھر واپس آئی، دیکھتی ہوں پتہ نہیں کہاں چلی گئی۔“ راگ وتی نے کہا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑی۔ وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ رہ رہ کر اس کے دل میں ایک خیال آتا تھا، صرف ایک خیال اور یہ خیال اس کے بدن کی جان نکالے دے رہا تھا۔ غریب کی عزت ہی اس کا سرمایہ ہوتی ہے، پتی مر گیا تھا لیکن لوگ اسے آج بھی ایک باعزت انسان کی حیثیت سے یاد کرتے تھے۔ راگ وتی بے شک عورت تھی لیکن اپنے شوہر کی عزت آبرو کے لیے ہزار بار جان دینے کو تیار تھی۔ اس نے سنیتا سے پوچھا تھا کہ سنیتا نے جگ وتی کو کس جگہ دیکھا ہے۔

وہ اس کھیت تک آئی جہاں جگ وتی کو دیکھا گیا تھا۔ فصل پک چکی تھی کوئی نظر نہیں آیا تو وہ کھیت میں گھس گئی۔ کوئی غیبی طاقت اس کی مدد کر رہی تھی، کوئی جذبہ اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ کھیت میں کھستی چلی گئی اور پھر اسے لمبی لمبی کچلی کچلی سی نظر آئیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بے احتیاطی سے ان کے درمیان سے گزرا ہو، پھر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے وہ کپڑا دیکھ لیا جس میں جگ وتی روٹی باندھ کر لائی تھی، کپڑے میں روٹی موجود تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ ”جگی..... اری اور جگ وتی کہاں چلی گئی ہو کہاں چلی گئی تو جگ وتی۔“

کچھ دور کا م کرنے والے کسان نے اس کی آواز سن لی اور اس طرح دوڑا چلا آیا۔
 ”چاچی راگ وتی کیا بات ہے؟“

”ارے تُو نے جگ وتی کو تو نہیں دیکھا۔“ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”نہیں چاچی، جگ وتی ادھر آئی تھی کیا؟“

”یہ دیکھ، یہ تیرے کھیت میں پڑی ہوئی ملی ہے، روٹی بندھی ہے اس میں جنے تلک کی۔“

”میرے کھیت میں۔“ کسان حیران رہ گیا، اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں، پھر وہ بولا۔ ”میں تو کھیت میں ہی تھا چاچی۔“ پھر اچانک ہی وہ چونک پڑا، اس کی نگاہوں نے اناج کی کچھ بالیں کچلی ہوئی دیکھ لی تھیں، وہ تیزی سے اس طرف بڑھ گیا، اس نے بالیوں کو غور سے دیکھا اور بولا۔ ”کچھ ہوا ہے چاچی ضرور کچھ ہوا ہے، یہ دیکھ ادھر دیکھ یہ۔“ وہ آگے بڑھا تو راگ وتی مصیبت کی ماری بجی اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

وہ کچلی ہوئی بالیوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہوا باغ کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں تیل گاڑی کے پھیوں کے نشانات صاف نظر آرہے تھے۔

دفعتاً ہی اس کے حلق سے آواز نکلی۔ ”کچھ ہوا ہے چاچی، ضرور کچھ ہوا ہے، میں نے تین آدمیوں کو دیکھا تھا..... وہ.....“ اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے جیسے کسی خیال سے خوفزدہ ہو گیا ہو۔

”کیا ہوا رے، تجھے بھگوان کی سوگند سچ بتا دے۔“

”چاچی میں نے دو تین آدمیوں کے ساتھ رام لعل کو بھوسا گاڑی میں اس طرف آتے

ہوئے دیکھا تھا۔ ضرور کوئی خاص بات تھی، میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا چاچی اور تجھے معلوم ہے کہ رام لعل نے رتن چند کے ہاتھوں اپنا دھرم بیچ رکھا ہے۔“

”رام لعل۔“ راگ وتی کے منہ سے آواز نکلی۔ اس کی سمجھ میں بہت کچھ آگیا تھا، اس کا دل کلڑے کلڑے ہو گیا۔

”میرے لعل تجھے بھگوان کی سوگند اپنی زبان بند رکھنا۔ کسی سے اس بارے میں کچھ مت کہنا۔ جسے تک سے بھی نہیں۔“

”پر چاچی تو اکیلی کیا کرے گی تو کہے تو میں جسے تک کو بتاؤں، کسی دوسرے کو نہیں بتاؤں گا۔“

”نارے نامیرے پوت، بھگوان کے لیے اس سے بھی کچھ مت کہنا، تم لوگ جوان ہو، بھگوان تمہیں جیتا رکھے، بھگوان تمہاری رکھشا کرے۔“

وہ تیزی سے وہاں سے پلٹ پڑی اور سیدھی گھر آئی، اس کی کیفیت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی، گھر آ کر اس نے پرانا صندوق کھولا، اس میں بندوق رکھی ہوئی تھی۔ ایک پوٹلی میں گولیاں بھی موجود تھیں، چنانچہ اس نے گولیاں بندوق میں ڈالیں اور پھر اسے ایک چادر میں لپیٹ لیا۔ کندھے پر رکھا اور دکھانے کے لیے اس میں ایک پوٹلی پھنسا لی، اس کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے حویلی کی جانب چل پڑی۔

فاصلہ طے کر کے آخر کار وہ حویلی کے دروازے کے پاس پہنچ گئی، آس پاس کوئی موجود نہیں تھا، چنانچہ اندر داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ پہلے حصے سے بھینسوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں، وہ حویلی کے مخصوص حصے میں داخل ہوئی اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ حویلی کے اندرونی حصے میں پہنچ گئی۔ یہاں تین نو جوان لڑکیاں اور عورتیں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔

اسے دیکھ کر وہ چونک پڑیں، ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ارے کون ہے تو اور یہاں کیسے آگئی؟“ رنجنا تھی جو سکھیوں ہوئی ان سے باتیں کر رہی تھی۔

”سوغات لائی ہوں تمہارے لیے بیٹا، تمہارے لیے سوغات لائی ہوں یہ دیکھو۔“

راگ وتی نے پوٹلی نیچے اتاری، پھر چادر ہٹا کر بندوق نکال لی، اس نے بندوق ان عورتوں پر تان لی اور تپتی ہوئی بندوق دیکھ کر وہ سب چیخیں مارنے لگیں۔

”اگر کسی نے بھاگنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو بھگوان کی سونگند ٹھنڈا کر دوں گی۔ کسی پر رحم نہیں کروں گی اور تُو اٹھ رہنجا اپنی جگہ سے اٹھ اور جا کر رتن چند کو بتا کہ اپنی بہن اور دوسرے رشتے داروں کی لاشیں دیکھنے کے لیے تیار رہے یا پھر میری بیٹی مجھے واپس کرتا ہے اور تو سن رہنجا تیرا پانی بھائی میری بیٹی کو اٹھالایا ہے، اگر اس کی عزت لٹ گئی تو تمہارا خون بہے گا، جارتن چند کو بتا کہ جگ وتی کی ماں اسے لینے آئی ہے، جاور نہ میں صبر نہیں کر سکوں گی۔“ راگ وتی کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ وہ سب تھر تھر کا پٹنے لگیں۔

بڑی مشکل سے رہنجا اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑتی ہوئی رتن چند کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے خوف سے کانپتے ہوئے رتن چند کو ساری تفصیل بتائی اور پوری کہانی سن کر خود رتن چند کا بدن ٹھنڈ پڑا گیا۔

”مگر وہ اندر کیسے پہنچی؟“

”بھگوان جانے جلدی کرو بھیا، بچا لو ان دونوں کو، اس کی آنکھوں میں خون اتر ا ہوا ہے وہ ضرور کچھ کر ڈالے گی۔“

”آتا ہوں، چل میں آ رہا ہوں، تُو چل کر اسے روک، کہہ دے کہ رتن چند ابھی جگ وتی کو لے کر آ رہا ہے، جا جلدی سے جا۔“ رہنجا دوڑتی ہوئی واپس چل پڑی، یہ حقیقت ہے کہ رتن چند نے اختیارات حاصل کرنے کے بعد لوگوں پر زندگی تنگ کر دی تھی، لیکن عزت و ناموس کے اس کھیل سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ اس طرح کی کسی بات میں ملوث نہیں تھا، لیکن وہ لوگ جو ہر قیمت پر اپنا پیٹ بھرنا چاہتے ہیں اسے طرح طرح کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور رام لعل اس وقت اس کی خوشنودی کے لیے درگا تلک کی بیٹی کو پکڑ لایا تھا، اسے پتہ تھا کہ پچھلے دنوں اس کی بڑی بے عزتی ہوئی ہے اور رتن چند نے اپنے سارے دوستوں سے کہا ہے کہ وہ آخر کار درگا تلک کے بیٹے سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس وقت رام لعل نے جگ وتی کو دیکھا تو اس کے دل میں یہ ترکیب آئی، اگر رتن چند نے جگ وتی کو قبول کر لیا تو اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے، اس لیے اس نے جگ وتی کو یہاں پہنچا دیا تھا لیکن رتن چند اس وقت بڑا خوفزدہ تھا کہ اس کے اس اقدام کا نتیجہ کہیں برا نہ نکلے اور ایسا ہی ہوا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا جس میں جگ وتی کو رکھا گیا تھا۔ جگ وتی نے رتن چند کی صورت دیکھی تو بے اختیار وتی ہوئی اس کی طرف بھاگی۔

”مجھے بچالو، ویرجی مجھے بچالو۔“

اچانک ہی رتن چند کے دماغ نے تیزی سے ایک ترکیب سوچی۔ اس کی پوزیشن ابھی تک خراب نہیں ہوئی تھی، جگ دتی معصوم سی لڑکی تھی، اصل صورت حال کا اس کو کوئی علم نہیں ہو گا، وہ تو یہ بھی نہیں جانتی ہوگی کہ اسے لایا کہاں گیا ہے، چنانچہ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور جلدی سے بولا۔ ”ہاں ہاں چھامت کر، میں آگیا ہوں، اب تیرا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ چل میں تجھے تیری ماں کے پاس پہنچا دوں، آ جا آ جا۔“

سبھی کئی جگ دتی، رتن چند کے ساتھ چلی تو کسی طرح حویلی میں موجود رام لعل کو پتہ چل گیا۔ وہ دوڑا دوڑا رتن چند کے سامنے آیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں آپ مہاراج؟“

”ہٹ جا کتے سامنے سے، کس نے کہا تھا تجھ سے کہ یہ سب کچھ کر، اس کی ماں آئی ہے پتہ ہے تجھے۔ رنجنا کی سکھیوں پر بندوق تان رکھی ہے اس نے، پاپی مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا کہ کیا کرنا ہے، تم لوگ پیسوں کے لالچ میں اپنا سب کچھ بیچ چکے ہو، ساری باتیں اپنی جگہ مگر میں نے کسی کی بہو بیٹی کو کبھی کچھ نہیں کہا۔“

”جو کچھ ہو چکا ہے مہاراج، اب آپ کی عزت اس میں ہے کہ اس پر پردہ پڑا رہنے دیں، اسے چھوڑ کر آپ تو مہان بن جائیں گے، پر ہمارا ہستی میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ چودہ گھر ہیں میرے شانتی مکھ میں، سارے کے سارے پر یوار والے میرے منہ پر تھوکیں گے۔ میں دھن دیتا ہوں کہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔“

”تُو ہٹا ہے بیچ میں سے کہ نہیں، آئندہ کی بات آئندہ دیکھی جائے گی، سنبھال لیس گے بعد میں سب کچھ۔“ رتن چند نے رام لعل کو دھکا دے دیا اور آگے بڑھ گیا، پھر وہ جگ دتی کو لے کر اس کمرے میں داخل ہوا جہاں سچ سج راگ دتی آتش فشاں بنی کھڑی تھی۔

”واہ رتن چند مہاراج واہ، آپ نے تو سارے ٹھا کروں کے منہ پر کالک پھیر دی، ویسے تو سارے ٹھا کر ناگ ہیں۔ انہوں نے چاروں طرف ظلم و ستم کے بازار کھولے ہوئے ہیں، پر آپ مجھے بتاؤ کہ کیا گاؤں کی بہو، بیٹیوں کو بری نگاہ سے دیکھنا چاہئے، تمہاری بھی بہن ہے، رنجنا، رتن چند، اگر جتنے تک تمہاری بہن کو.....“

”خاموش ہو جا، میری بہن کے بارے میں کچھ مت کہنا۔“

”کچھ تو شرم کرو رتن چند جے تلک نے جان پر کھیل کر ہاتھی پر بیٹھی ہوئی تمہاری بہن کو بچایا اور تم اسی کی بہن کو اٹھالائے ہو۔“

رنجنا جو پیچھے چلی آئی تھی، یہ سن کر دھک سے رہ گئی اسے وہ جوان رعنا یاد آ گیا جس نے اسے ہاتھی سے اسے اس طرح اٹھالیا تھا جیسے کوئی کھلونا، ایک ہلکی سی کک اس کے دل میں بیدار ہو گئی۔

”راگ دتی پوچھ لے اس سے میرا کوئی دوش نہیں تھا، یہ سب کیا دھرا اس کیلئے رام لعل کا ہے، پوچھ لے تو اس سے، میں تو اسے تیرے پاس چھوڑنے آیا ہوں۔“ رتن چند نے صفائی پیش کی۔

”یہ رام لعل کا گھر ہے رتن چند، یہ رام لعل کی حویلی ہے؟“ راگ دتی نے طنز یہ لہجے میں سوال کیا۔

”نہیں وہ کجنت آتا جاتا ہے یہاں، اسے لے کر یہاں آ گیا مجھے تو اب پہ چلا جب رنجنا نے مجھے بتایا۔“

”کیوں جگ دتی یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

”ہاں ماتا جی، مجھے رام لعل چا چاہی کھیت سے اٹھا کر لائے تھے اس لمحے جب میں بھیا جی کے لیے روٹی لے کر جا رہی تھی۔“

”رتن چند، رام لعل اسے لے کر تیرے پاس کیوں آیا، لیکن خیر ٹھیک ہے یہ کہہ رہی ہے تو ٹھیک ہے میں اسے لے جاتی ہوں، لیکن رتن چند ہم سے دشمنی چھوڑ دے، تیرے باپ نے مجھے دھوا کر دیا، میں کچھ نہیں بولی، اپنے دونوں بچوں کے لیے میں کان دبا کر پڑی ہوئی ہوں، سمجھا۔ آگ کو ہوانہ دے اگر شعلے بھڑک اٹھے تو بہت بُرا ہو جائے گا، چل جگ دتی چل۔“

اچانک ہی رام لعل پیچھے سے آ گیا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا مہاراج، آپ نے تو میری منڈیا ہی کٹا دی۔ پر میں اپنے پر یوار کے ساتھ ابھی جینا چاہتا ہوں، اور اس کے لیے ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔“ یہ کہہ کر رام لعل نے پستول نکالا اور راگ دتی اور جگ دتی کو گولیاں مار دیں۔

دونوں کے بدن زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ رتن چند کچھ دیر تو سکتے کے عالم میں ان دونوں کے جسموں کو دیکھتا رہا جو کچھ لمحوں کے بعد سرد ہو گئے تھے، پھر اس نے رام لعل سے کہا۔

”تیرا ستیاناس رام لعل تو نے مجھے مروا دیا۔“

”سرکار نمک بے شک کھاتے ہیں آپ کا، آپ کی سیوا کرنے کے بارے میں سوچا تھا ہم نے، پر یہاں تو آپ نے کھیل ہی الٹا کر دیا۔ ہمیں شاکر دیں مہاراج، یہ ضروری تھا ہمارے جیون کے لیے، خاموشی سے ان لاشوں کو کہیں پھنکوا دیں، آپ کا تو کچھ نہیں بڑے گا، رہی بات ان لڑکیوں کی تو آپ انہیں سمجھا دیں کہ اگر انہوں نے زبان کھولی تو آپ کا بھی نقصان ہو گا اور ہمارا بھی۔“

”میں کیا کروں میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔“ رتن چند نے کہا۔

”ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہیں مہاراج، اس سے صورتِ حال آپ سنبھال لیں، ہم خود ہی بندوبست کر لیتے ہیں کہ ان لاشوں کو کہیں ٹھکانے لگایا جائے، بس ذرا ان لڑکیوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کر دیں جن کا جیون بچ گیا ہے، اگر کہیں کوئی اور گڑبڑ ہو جاتی تو ان تینوں کی لاشیں بھی ان کے برابر ہی پڑی ہوتیں، بس آپ یہ کریں کہ ان کو خاموش رہنے کی ہدایت کر دیں۔“ یہ کہہ کر رام لعل باہر نکل گیا۔

رتن چند کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان لاشوں کو دیکھتا رہا، رنجنا اور اس کی سکھیاں شدتِ خوف سے کانپ رہی تھیں، لیکن کچھ ہی لمحے کے بعد اچانک دروازہ کھلا تھا۔

+++++

کھیتوں میں کام کرنے والا کسان جس کا نام دھرمو تھا عجیب سی کشمکش کا شکار ہو گیا تھا، راگ وتی چلی گئی تھی، لیکن جو کچھ دھرمو کے علم میں آچکا تھا، وہ بڑا سنسنی خیز تھا، اسے یہ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا اور اس کے کانوں میں راگ وتی کی آواز گونج رہی تھی۔

”میں خود ہی سب کچھ کر لوں گی، تم جوان ہو بھگوان تمہیں جیتا رکھے، تمہارے سامنے تمہارا جیون پڑا ہوا ہے۔“ دفعتاً ہی دھرمو کے پورے بدن میں کپکپی دوڑ گئی، بھلا ایسی جوانی کس کام کی جو کسی کی عزت نہ بچا سکے۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے، صورتِ حال تو اچھی نظر نہیں آرہی، یقیناً رام لعل، جگ وتی کو کسی برے ارادے ہی سے اٹھا کر لے گیا ہے، اگر جگ وتی اور راگ وتی کو کچھ ہو گیا تو اس میں اس کا بھی قصور ہوگا۔ ماں تو ماتا کی آگ میں اسے قسم دے گئی، پر کیا جے تلک اسے معاف کر سکے گا، وہ پریشانی سے کھڑا سوچتا رہا، پھر جھنجھلا کر بولا۔ ”چاچی راگ وتی تو مجھے کیسی سوگند دے گئی ہے، اب میں کیا کروں؟“ پھر اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا۔

”بھگوان مجھے معاف کر دینا، میں تمہاری سوگند توڑ رہا ہوں، پر یہ دونوں کی عزت سوال ہے۔ جے تلک ساری بستی کے کام آتا ہے، کیا نہیں کیا اس نے بستی کے لیے، اتنا جوان ہے وہ اور میرا دوست بھی ہے۔“

وہ اپنے کھیت سے نکل کر جے تلک کے کھیت کی طرف چل پڑا اور پھر اس کے کھیت پہنچ کر اسے چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگا۔ جے تلک نے اس کی آواز سن لی تھی، وہ اس قریب آگیا۔

”کیا ہو گیا رے تجھے، کیوں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا ہے دھرمو؟“
 ”جے تلک مجھے ایک بات بتا، جگ دتی تیرے لیے روٹی لے کر آئی تھی نا؟“
 ”نہیں آئی، پر کیا ہوا؟“

”جے تلک تیری روٹی میرے کھیت میں پڑی ہوئی ملی ہے اور جگ دتی کا کہیں کوڑا نہیں ہے۔ جے تلک میں نے رام لعل کو ایک بھوسا بھری گاڑی میں کچھ آدمیوں کے ساتھ سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے، مجھے شبہ ہے کہ رام لعل جگ دتی کو اٹھا کر لے گیا ہے، جے..... ماما راگ دتی، جگ دتی کو تلاش کرتی ہوئی میرے پاس آئی تھیں اور مجھے سوگند چلی گئیں کہ میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں لیکن میرا من نہیں مانا سو میں تیرے پاس آ گیا۔“
 ”جگ دتی کو رام لعل اٹھا کر لے گیا۔“ جے تلک نے پریشان لہجے میں کہا۔
 ”ہاں اور ٹو جانتا ہے کہ رام لعل ان دنوں رتن چند کا کتا بنا ہوا ہے۔“
 ”رام لعل۔“ جے تلک کے منہ سے پھر مدہم سی آواز نکلی اور اس کے بعد وہ تیزی اپنے گھر کی طرف دوڑ پڑا تھا۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ گھر پڑا تھا، اس نے چاروں طرف دیکھا اور کوشے میں گھس گیا، ٹین کا صندوق کھلا پڑا تھا اور وہ صندوق غائب تھی جسے کچھ دن پہلے خود راگ دتی نے چھین کر اسے صندوق میں بند کر دیا تھا جے تلک کے بدن پر شدید کچکی طاری ہو گئی۔ وہ بڑبڑایا۔ ”ماما جی ٹو نے اپنی جوان اولاد کو بہت بڑی گالی دی ہے۔ اتنی بڑی گالی کہ کسی ماں نے اپنے بیٹے کو یہ گالی نہیں دی ہوگی۔“ اس کے بعد وہ گھر کے دروازہ سے باہر نکل آیا۔

اس کا رخ رتن چند کی حویلی کی طرف تھا، وہ حویلی کے پچھلے دروازے ہی سے اندر

ہوا تھا اور جیسے ہی وہ اندر پہنچا اسے دودھماکے سنائی دیئے، فائرنگ کی آوازیں کر اس کے پورے بدن میں شدید سنسنی دوڑ گئی تھی۔

اس نے یہی سوچا تھا کہ ماں نے رتن چند کو ٹھنڈا کر دیا، اگر ایسا ہوا ہے تو مرنے لگا ہوا ہو گیا، لیکن اندر پہنچ کر اس نے کچھ اور ہی منظر دیکھا، راگ وتی اور جگ وتی کی خون آلود لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر رنجنا اور دولڑکیاں اور خود رتن چند بھی موجود تھا۔

اچانک جئے تلک کو دیکھ کر وہ سب ساکت رہ گئے تھے، ماں اور بہن کی لاش کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے تو جئے تلک کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی۔ وہ ان دونوں کے سینے سے اٹلتے ہوئے خون کو دیکھ رہا تھا اور پھر جب اس نے ان دونوں میں زندگی کی کوئی رمت نہ پائی تو اس کی نگاہیں رتن چند کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک لمحے تک وہ رتن چند کی طرف دیکھتا رہا، پھر آہستہ آہستہ چل کر ماں کے قریب پہنچ گیا، اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر راگ وتی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”کیا ہو گیا تھا ماں تجھے، جگ وتی کو کس نے مارا ہے اور یہ تیرے سینے میں، ماں میں کہتا تھا تجھے سے۔“ یہ کہہ کر وہ ماں کی لاش سے لپٹ گیا۔ اس کا چہرہ ماں کے خون سے رنگ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ ”یہ بندوق ٹو نے چھینی تھی نا مجھ سے اور خود ٹو نے اسے اٹھا لیا۔ کیوں اٹھائی ٹو نے یہ بندوق..... میں مر گیا تھا کیا؟ مجھے بتاؤ نے اپنے جوان بیٹے کو یہ گالی کیوں دی، ماں کیا تیرا خون میری رگوں میں نہیں تھا، کیا یہ میرا فرض نہیں تھا جو ٹو نے پورا کیا۔“

”نت..... ٹو ٹو یقین کر جئے تلک میں نے ان دونوں کو نہیں مارا..... مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ وہ رام لعل کیا کر کے آیا ہے، وہ جگ وتی کو لے کر ادھر آ گیا تھا، جب مجھے پتہ چلا تو میں میں.....“ لیکن جئے تلک اس کی بات سننے بغیر ماں کے سینے سے نکلنے خون سے اپنا چہرہ رنگتا رہا۔ اس کا چہرہ اتنا ہی خوفناک ہو گیا تھا، وہ کہہ رہا تھا۔ ”زیادتی کر ڈالی ٹو نے میرے ساتھ، جو کام میرا تھا وہ ٹو نے کیوں کرنے کی کوشش کی ماں، کیا بیٹے اس لیے جوان کئے جاتے ہیں کہ مائیں اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کریں۔ یہ اچھا نہیں کیا ٹو نے ماں۔“

پھر وہ جگ وتی کی طرف مڑا۔ ”اور ٹو بھی گئی جگ وتی ٹو بھی گئی۔ میں تیری مانگ میں سندور بھرنے کے خواب ہی دیکھتا رہا۔ میں تجھے وداع کرنے کی خواہش ہی کرتا رہا، ٹو گئی ٹو نے بھی بھیا پر بھروسہ نہ کیا، لا میں تیری مانگ بھر دوں۔“ یہ کہہ کر اس نے جگ وتی کے خون میں انگلیاں ڈبوئیں اور خون اس کی مانگ میں لگا دیا۔

رجنٹا اور اس کی سکھیاں رو پڑی تھیں۔ جنے تلک نے یاس بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولا۔ ”نانا، بہنو، بہنوں کا بھائی ہوں میں، جو کچھ رتن چند نے کیا وہ میں نہیں کروں گا، بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔ تمہاری مانگیں سندور سے بھرے، میری بہن کو دیکھو، کتنا بد نصیب بھائی ہوں۔ میں نے اس کی مانگ اس کے خون سے بھری ہے، خون سے بھری ہے میں نے۔“ جنے تلک کی یاس بھری آواز ابھری۔

اسی وقت رتن چند بولا۔ ”تو یقین کر جنے تلک۔“

”چپ ہو جا رتن چند چپ ہو جاؤ، بس مجھے ایک بات بتا دے، میں ان دونوں کا کریا کرم کرنے کے لیے انہیں ساتھ لے جاؤں یا تو مجھے بھی یہیں ختم کرنے کی کوشش کرے گا، بول کیا میں یہ لاشیں لے جاؤں۔“

”میری بات سن لو جنے تلک۔ انہیں میں نے قتل نہیں کیا، تم یقین کر لو میں زردوش ہوں۔“

جنے تلک کے کانوں میں جیسے کوئی آواز ہی نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ ایک ہی جملہ دہرائے مہارہا تھا۔ ”بول کیا تو مجھے ان لاشوں کا کریا کرم کرنے کی اجازت دے گا، یہ تیری حویلی ہے رتن چند بول کیا میں یہ لاشیں لے جاؤں، یا جب میں یہاں سے نکلوں گا تو پیچھے سے گولیاں چلیں گی اور میرا بدن چھلنی ہو جائے گا۔“

”ایسا نہیں ہوگا جنے تلک۔ میں رتن چند کی بہن ہوں، میں انسان ہوں، میں بیٹی ہوں، سمجھا، ایسا نہیں ہوگا جنے تلک ان لاشوں کو تم لے جانا چاہتے ہو تو لے جاؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا، بھیانے اگر تمہیں پیچھے سے گولی مارنے کی کوشش کی تو بھگوان کی سوگند میں انہیں بھی وہی سب کچھ دکھاؤں گی جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں انہیں بھی اپنی خون انگلی ہوئی لاش دکھاؤں گی جنے تلک، جاؤ ان دونوں کو لے جاؤ ان کا کریا کرم کرو، کاش ایسا نہ ہوتا کاش یہ سب کچھ ہماری حویلی میں نہ ہوتا۔“

”تو گواہ ہے رجنٹا کہ انہیں میں نے گولی نہیں ماری، میں نے، میں نے۔“ رتن چند مدی طرح زروس وہ رہا تھا۔

جنے تلک نے پہلے جگ وتی کی لاش اپنے کندھے پر ڈالی، پھر دوبارہ جھکا اور راگ وتی کی لاش دوسرے کندھے پر ڈالی لی، ان دونوں کی لاشوں کو کندھے پر ڈالنے کے بعد اس نے

اپنی بندوق اٹھائی اور حویلی کے اس کمرے سے باہر نکل آیا۔

رنگنا رتن چند کو دیکھ رہی تھی، رتن چند ایک دیوار سے پشت لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان برپا تھا، دونوں لاشیں اس کی حویلی سے باہر جائیں گی اور لوگوں کو پتہ چلے گا کہ ان کا خون رتن چند کی حویلی میں ہوا ہے تو بستی والے کیا کہیں گے؟ وہ سوچتا ہی رہ گیا، رنگنا کی آنکھیں ایک طرف آنسو برسا رہی تھیں تو دوسری طرف ان آنکھوں میں آگ جل رہی تھی۔ درحقیقت اگر اس وقت رتن چند، جے تلک کے خلاف کچھ کرتا تو رنگنا لحوں کے اندر وہیں اپنی جان دے دیتی۔ رتن چند کو اس کے الفاظ بڑے سچے محسوس ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے کچھ نہ کہا اور جے تلک لاشیں لے کر باہر نکل گیا۔

اس کے دونوں کندھوں پر ہاں اور بہن کی لاشیں لٹکی ہوئی تھیں جن سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے، ہاتھ میں بندوق تھی۔ حویلی سے چند ہی قدم کے فاصلے پر لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور اس کے بعد بے شمار افراد اس کے پاس آ گئے۔ ایک کہرام مچتا چلا جا رہا تھا۔

جدھر سے وہ گزر رہا تھا، لوگ اسے دیکھتے جا رہے تھے، طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے لیکن جے تلک خاموش تھا، وہ ایک ایک قدم آگے بڑھا رہا تھا ماں اور بہن کی لاشیں اس نے اپنے کندھوں پر سنبھال رکھی تھیں۔ لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، وہ جوش و خروش کے عالم میں آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

”کس نے مارا ہے انہیں، کیا جے تلک نے، کیسے مارا ہے انہیں کیسے مر گئیں۔“ لوگ جے تلک سے بھی سوال کر رہے تھے۔

”جے کیا ٹو نے ان لوگوں کو قتل کر دیا، کیا ہوا تھا کیا بات تھی جے، کہاں سے لا رہا ہے ٹو ان کی لاشوں کو؟“

لیکن جے تلک خاموش تھا، پوری بستی کا کاروبار بند ہو گیا، لوگ جمع ہونے لگے، سب کی زبان پر ایک ہی سوال تھا کہ راگ وٹی اور جگ وٹی کو کس نے قتل کیا، لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ادھر جے تلک کے باہر نکلتے ہی رتن چند کو بھی ہوش آ گیا تھا، وہ اس نازک صورت حال سے اچھی طرح واقف تھا، بستی بھر میں اس کی بدنامی ہو جائے گی، لاشیں اس کے گھر سے نکلی ہیں۔ اس لیے دانت پیٹے ہوئے رنگنا کو دیکھا جو جذباتی ہو گئی تھی اور اس کے ان جذباتی الفاظ ہی نے رتن چند کو ایک لمحے کے لیے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کہیں اس کی بہن واقعی کوئی ایسا

قدم نہ اٹھالے۔ جنے تلک کا اس وقت حویلی سے باہر نکلنا انتہائی خوفناک تھا۔ کاش وہ اسی وقت اسے گولی مار دیتا لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا تھا، اس نے فوراً ہی اپنے چند آدمیوں کو تیار کر کے جنے تلک کے پیچھے روانہ کر دیا اور وہ لوگ ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔ رتن چند کو تیار کر کے جنے تلک کے پیچھے روانہ کر دیا اور وہ لوگ ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔ رتن چند نے انہیں ہدایت کی تھی کہ اسے پل پل کی خبر ملنی چاہئے اور جب اس کو یہ بتایا گیا کہ جنے تلک نے کوئی بات کسی کو نہیں بتائی ہے۔ وہ بالکل خاموش ہے تو رتن چند خود بھی چل پڑا اور ایک ہمدرد آدمی بن کر جنے تلک کے گھر پہنچ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ”مجھے اس واقعے سے گہرا صدمہ ہوا ہے، اب تم لوگ پوچھ گچھ کرنے کے بجائے کریا کرم کا بندوبست کرو۔“

”کیا جنے تلک نے خود ان دونوں کی ہتھیا کی ہے؟“ رتن چند سے بھی یہی سوال کیا گیا۔

”اس کا بھی پتہ چل جائے گا، میں نے علاقے کے داروغہ کو بلانے کے لیے آدمی بھیج دیا ہے، وہ آکر سب کچھ معلوم کرے لگا۔“ رتن چند نے جھوٹ بولا لیکن اس نے دل میں یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ اب اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے اسے طرح طرح کے داؤ چلنا پڑیں گے۔

بہر حال لوگ کریا کرم کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گئے، پورا دن گزر گیا۔ رات کو دونوں ارتھیاں پھونک دی گئیں، جنے تلک اب بھی خاموش تھا۔ اس نے ایک بھی آنسو نہیں بہایا تھا لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ اس کی آنکھوں میں چتا جل رہی تھی۔ رات کو جب چوپال جمی تو بھی جنے تلک وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے گھر کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا تھا، لیکن جتنے منہ اتنی باتیں، لوگ کہہ رہے تھے۔

”یہ اتنا خاموش کیوں ہے؟“

”اس نے ایک بھی آنسو نہیں بہایا، کیا وجہ ہے اس کی؟“

”ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے چوہدری جی۔“

”کیا؟“

”کوئی ایسی بات ہوئی ہے، زبان کھولتے ڈر لگتا ہے۔“ اس شخص نے کہا۔

بہت سے چہرے سرخ ہو گئے، ایک جو شیے جوان نے کہا۔ ”دیکھو، الٹی سیدھی بات

مت کرنا، ورنہ تیری زبان کالی کر پھیلی پر رکھ دوں گا۔“ یہ شخص جئے تلک کا ایک دوست تھا۔ پھر وہ بستی کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”اور سب لوگ جانتے ہو کہ راگ دتی پوری بستی کے لیے ماتا سامان تھی اور جگ دتی بہن جیسی۔ ان دونوں ماں بیٹی کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ گنگا جل کی طرح پوتر تھیں، کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے جئے تلک نے اپنی زبان بند کر لی ہے۔“

”جب اس نے خود ہی زبان بند کر لی ہے تو لوگوں کی زبان تو کچھ نہ کچھ کہے گی۔“ ایک اور شخص نے کہا۔

”مگر کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہی جائے اس کا خیال رکھو، ورنہ اتنا خون خرابہ ہو گا کہ بستی خون میں ڈوب جائے گی۔“

”کیا کہا جائے اور کیا نہ کہا جائے۔“ ایک بزرگ نے کہا، سبھی کے چہرے پر پشانی سے سکرے ہوئے تھے لیکن اسی رات ایک بار پھر بستی میں شور مچ گیا۔

جئے تلک کی کمزری فصل جل رہی تھی، اس کے کھیتوں میں بڑی خوفناک آگ لگ گئی تھی۔ پوری بستی آگ بجھانے دوڑ گئی۔ سب کو اپنے اپنے کھیتوں کی فکر پڑی ہوئی تھی کہ آگ پھیل گئی تو دوسرے کھیت بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

ادھر رتن چند نے اپنے آدمی آگ بجھانے کے لیے بھیج دیئے تھے اور خود بھی کھیتوں پر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت وہ بڑی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن جس کے کھیت جلے تھے وہ کھیتوں کے آس پاس موجود نہیں تھا۔ جئے تلک کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

”آگ کیسے لگی، جئے کہاں ہے، ارے کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود بھی کھیتوں کے بیچ میں ہو، وہ جل کر تو نہیں مر گیا، اس کے گھر میں جا کر دیکھو۔“

مگر جئے تلک اپنے گھر میں موجود نہیں تھا، پھر کسی کو خیال آیا کہ ماں اور بہن کی موت کے بعد اس نے خود ہی کھیتوں میں آگ لگائی اور جل کر مر گیا، لیکن آگ بجھی تو اس کی لاش نہیں ملی تھی۔

کئی دن اسی طرح گزر گئے، پھر ایک صبح دوسری بستی سے دکان کا مال خرید کر لانے والے بستی کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس نے جئے تلک کو کھٹاری کے بنگلے کے پاس دیکھا ہے، وہ کندھے پر گٹھری لٹکائے اپنی بندوق لیے کہیں جا رہا تھا، جب لوگوں کو پتہ چلا کہ جئے بستی

سے باہر چلا گیا ہے۔

ایک بار پھر چہ میگوئیاں ہونے لگیں، ضرور کوئی ایسی ویسی بات تھی، جس پر جے نے اپنی ماں اور بہن کو قتل کر دیا اور پھر بستی سے منہ چھپا کر بھاگ گیا، ادھر رام لعل ایک گھر میں چھپا ہوا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں جے تلک انتقام کی آگ میں جل کر اسے اور اس کے گھر والوں کو نقصان نہ پہنچا دے۔ رتن چند نے اصل بات چھپائی تھیں۔ وہ دونوں مر گئی تھیں اور جے نے عجیب رویہ اختیار کیا ہوا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔

+++++

یہ ساری باتیں ویرا سنگھ کو بہت دیر سے پتہ چلیں اور جب پتہ چلیں تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اس کے منہ سے ایک ہی آواز نکلتی تھی۔

”دھت تیرے کی، تقدیر ساتھ نہیں دے رہی، جو کچھ ہو رہا ہے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا لعنت ہے ان کھیتوں پر جنہوں نے مجھے جکڑ رکھا ہے، اگر جے تلک کے کھیت جل گئے اور راگ وتی اور جگ وتی سنسار میں نہیں رہیں تو پھر میرے کھیتوں کا کیا فائدہ۔“ وہ خاموشی سے شانتی ککھ پہنچ گیا اور لوگوں سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا، پھر وہ جے تلک کے گھر کے دروازے پر پہنچا۔ دروازے کھولا اور ساری رات دروازے پر پتھر کے بت کی طرح خاموش کھڑا رہا۔

لوگوں نے اس کے بارے میں بہت باتیں کہی تھیں، وہ اسے دیکھ رہے تھے یہ بات سبھی جانتے تھے کہ ویرا سنگھ خاموش فطرت کا مالک لیکن اندر سے ایک خونخوار درندہ ہے۔ اس کی بہت سی حرکتوں سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایک وحشی انسان چھپا ہوا ہے، لیکن جب گونا گڑھی کی سب سے اچھی زمین پر تیار کھڑی فصل شعلے پکڑنے لگی تو ہر طرف ہا ہا کار مچ گئی کہ جے تلک بھنڈاری کے دوست ویرا سنگھ جنوری نے بھی اپنے کھیت جلا ڈالے ہیں۔

+++++

ان دونوں کی دوستی مثالی حیثیت رکھتی تھی، جے تلک ذرا جذباتی نوجوان تھا، لیکن اس
 ے برعکس ویرا سنگھ برف کی مانند تھا۔ بہت سی باتیں بہت سے لوگوں کے علم میں تھیں، لیکن خود
 سنگھ کی طرف سے کبھی کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی تھی جسے خصوصی طور پر موضوع گفتگو بنایا
 سکے۔

بہر حال پندرہ سے بیس دن گزر گئے اور ویرا سنگھ کی فصلیں بھی جل کر خاکستر ہو گئی
 بس۔ لوگوں نے اسے تلاش کیا، لیکن ان پندرہ بیس دنوں میں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں
 ہے؟

رام لعل اور خود رتن چند ہاڑا انتظار کر رہے تھے کہ کسی طرح سے کوئی تحریک ہو۔ دونوں
 کی راتوں کی نیندیں حرام تھیں کیونکہ یہ بھی سن لیا گیا تھا کہ جے تلک نے اپنے کھیت خاکستر
 کئے تو ویرا سنگھ نے بھی وہی عمل دہرایا۔ کافی دن تک یہ دونوں موضوع گفتگو بنے رہے۔ چہ
 یگوئیاں جہاں شانتی مکھ میں تھیں وہیں گونا گڑھی میں بھی تھیں اور لوگ رتن چند سے طرح طرح
 کے سوالات کرتے تھے۔ رتن چند کو جب ذرا سا اطمینان ہوا تو اس نے اپنی پوزیشن صاف
 رنے کے لیے بستی کے بڑوں کو اپنی حویلی میں طلب کر لیا۔ پھر اس نے انہیں مخاطب کرتے
 دئے کہا۔ ”شانتی مکھ کے مکھ پر ایک گہرا داغ لگ گیا ہے، میں بستی کے اس افسوسناک واقعے
 آپ لوگوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ بہت دن سے میں اس کشمکش میں تھا کہ اس بات کو
 کھولوں یا نہ کھولوں، لیکن شانتی مکھ میری بستی ہے اور جب میری ہی بستی کے لوگ میرے بارے
 میں بری بری باتیں سوچنے لگیں تو میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ کافی دن پہلے جے تلک جھنڈاری
 نے اپنے کھیت کے سامنے میری بے عزتی کی تھی۔ میں چاہتا تھا تو اپنا بدلہ خود لے سکتا تھا، پر میں
 نے اپنا کام بھگوان پر چھوڑ دیا اور بھگوان نے اپنا کام کیا، آپ کو معلوم ہے ہوا کیا تھا؟“

”کیا آپ جانتے ہو رتن چند جی؟“

”ہاں، راگ وتی اور اس کی بیٹی جگ وتی کے قتل کی وجہ مجھے معلوم ہے اور یہ میرا فرض ہے کہ آپ کو سچائیوں سے آگاہ کروں۔ بہت دن نہیں بیتے پھر بھی کافی وقت گزر چکا ہے۔ ایک دن جے تلک میرے پاس آیا اور اس نے ایک عجیب بات کہی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کی بہن بدچلن ہو گئی ہے، اس نے بتایا کہ اس نے اپنی ماں سے بات کی کہ یہ اس کا فرض ہے کہ بیٹی کی حفاظت کرے کیونکہ وہ سارا دن کھیتوں پر رہتا ہے۔ پر ماں نے اسے ڈانٹ دیا، اس بات پر ان ماں بیٹوں کے بیچ خوب ٹوٹو میں میں ہوئی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ ہوسکتا ہے اسے کوئی غلط فہمی ہو، اچھی طرح جانچ پڑتال کر لے، پھر وہ دوسری بار میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ اس کی بہن کی بدچلنی کی تصدیق ہو گئی ہے، وہ راتوں کو گھر سے غائب رہتی ہے، پر یہ پتہ نہیں چل سکا کرات کے گھور اندھیرے میں وہ کہاں جاتی ہے۔ اس دن بھی جب وہ میرے پاس آیا تو اس کی ماں سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ وہ سخت غصے میں تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر ان دونوں ماں بیٹیوں نے اپنا چلن نہ بدلاتو وہ انہیں قتل کر دے گا۔ میں نے اسے سختی سے سمجھایا کہ وہ قانون اپنے ہاتھ میں نہ لے، میں ان دونوں کو بلا کر سمجھاؤں گا۔ میں نے راگ وتی اور جگ وتی کو بلایا اور ان سے بات کی تو راگ وتی غصے سے آگ بگولہ ہو گئی۔ اس نے کہا کہ اس کا بیٹا انہیں بدنام کرنے پر تلا ہوا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں اور پھر بھائیو! اسی سے جے تلک آ گیا، اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا، میں نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر اس نے گولیاں چلا کر دونوں کو ڈھیر کر دیا۔“ رتن چند ہاڑانے کہانی کی کچھ ایسی بخت کی تھی کہ اس میں کہیں جھول نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی تردید نہیں کر سکا۔

رتن چند نے پھر کہا۔ ”میں آپ سے بنتی کرتا ہوں کہ میرے بارے میں من میں بری باتیں نہ سوچا کریں۔ میں آپ کا سیوک ہوں، آس پاس کے ٹھاکراپنے ہاریوں اور ملازموں کو نقصان پہنچاتے ہوں، پر میں اس کا خیال رکھتا ہوں کہ ایسی کوئی بات میرے نام نہ باندھی جائے۔“

بہر حال لوگ دلوں میں طرح طرح کے خیالات لے کر واپس چلے گئے۔ رام لعل نے رتن چند کے پاس آ کر اس کے پاؤں پکڑ لیے اور بولا۔ ”آپ نے مجھے اور میرے پر یوار کو بچا لیا رتن چند مہاراج ورنہ سچ بتاؤں میرا تو جینا حرام ہو گیا تھا، نہ جانے کیا ہو جاتا۔“

”تو جانتا ہے رام لعل ہم ان کی مدد کرتے ہیں جو ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔“
 لوگ تو چہ میگوئیاں کر کے خاموش ہو گئے، مگر دھرمو کسان نے ایک دن گھر چھوڑتے
 ہوئے کہا۔ ”ہم جارہے ہیں بھائیو! ہم بستی چھوڑ کر جارہے ہیں۔“
 ”کہاں دھرمو، کیوں آخر؟“ لوگوں نے سوال کیا۔
 ”دل اٹھ گیا ہے بستی سے۔“

”پر کہاں جارہے ہو؟“
 ”جہاں بھاگ لے جائیں، پر شانتی کھاب رہنے کی جگہ نہیں رہی ہے۔“
 ”تمہارا سارا پر یوار ہے یہاں، تمہارے کھیت ہیں، ان کا کیا ہوگا؟“
 ”بچے دیئے ہیں بھگوان داس کے ہاتھ، بھگوان جی کا قرضہ تھا ہمارے اوپر سوہم نے
 اتار دیا اور کاغذوں پر انگوٹھا لگا دیا ہے۔“
 ”مگر دھرمو میرے بار کہاں جارہا ہے تو؟“ چوہدری دھرم دین نے دلسوزی سے کہا وہ
 دھرمو کو بہت پسند کرتے تھے۔

”بس چوہدری جی کوئی بڑی آفت آنے والی ہے ہماری بستی پر جہاں اتنا بڑا انیائے ہو
 وہاں آفتیں تو آتی ہی ہیں۔ اب جیتے تو جیتے لوگ مردوں کو بھی نہیں چھوڑتے، دیکھو یہ گیتا ہے
 ہمارے ہاتھ میں۔ ہم پڑھے ہوئے نہیں ہیں مگر یہ ہمارا دھرم ہے۔ اسے ہاتھ میں لے کر ہم
 سو گند کھاتے ہیں کہ رتن چند نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ جگ دتی روٹی
 دینے جارہی تھی اپنے بھیا کو۔ پھر کیا ہوا یہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، نام نہیں لیں گے
 بس۔ پھر چاچی راگ دتی اپنی بیٹیا کو تلاش کرتی ہوئی ہمارے کھیت میں آئی، اس نے روتے
 ہوئے ہم سے جگ دتی کے بارے میں پوچھا تو ہم نے کہا کہ ہمیں خبر نہیں۔ تو اس نے روٹی
 کے برتن دکھائے اور بولی کہ یہ ہمارے کھیت میں پڑے ملے ہیں۔ ہمارے کھیت کی بالیں بھی
 کچلی ہوئی تھی اور وہاں تیل گاڑی کے نشانات بھی تھے۔ ہمیں یاد آیا کہ ہم نے اسے سے تیل
 گاڑی میں کسی کو دیکھا تھا۔ چاچی چلی گئی اور ہم نے جئے تلک کو بتا دیا۔ اس کے بعد آپ کو
 معلوم ہے کہ دونوں زمیندار جی کی حویلی سے آئی تھیں۔ بھائیو! ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ گیتا پر
 ہاتھ رکھ کر کہا ہے۔ جھوٹ بولے ہوں گے تو ہم جانیں اور بھگوان جانے، بس ہم اتنا کہنا چاہتے
 ہیں کہ وہ دونوں گندی نہیں تھیں۔“ دھرمو نے کہا۔

سب کی سانس اوپر کی اوپر نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں یہ سوال تھا کہ وہ کون تھا جس نے جگ وتی کو اغوا کیا تھا مگر دھرموتیزی سے آگے بڑھتا ہوا ان کی نگاہوں سے دور چلا گیا تھا۔ اس نے منہ نہ کھولا تھا۔

+++++

جتنے تک نیم پاگل ہو گیا تھا، جنگلوں، بیابانوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ کبھی کسی کھیت کے پاس سے گزرتا اور کوئی چیز نظر آ جاتی تو کھا لیتا، کبھی کہیں سے پانی پی لیتا۔ آہلوں میں جانے کا اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ جہاں بھی جگہ ملی بیٹھ گیا، لیٹ گیا، سو گیا، اس کا حلیہ بے پناہ خراب ہو گیا تھا۔

ایک دن وہ ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا کہ ایک زوردار لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ چونک کر جاگ گیا۔ دوسری لات اس کے کندھوں پر پڑی تھی اور وہ لڑھک گیا، پھر کسی نے اس کا گریبان پڑ کر اٹھایا اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ جسے تلک نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو اسے ویرا سنگھ نظر آیا جس کا چہرہ لال بھسوکا ہو رہا تھا۔

ویرا سنگھ نے دانت بھینچ کر ایک تھپڑ اسے رسید کیا اور جسے تلک کی بانجھوں سے خون بہنے لگا۔ ویرا سنگھ نے اس پر بس نہ کیا، اس کے بال پکڑے اور اسے مارتا رہا تھا۔ اس کے سارے دانت خون سے رنگین ہو گئے تھے، چہرہ بُری طرح بگڑ گیا تھا۔ جگہ جگہ نیل پڑ گئے تھے۔ ویرا سنگھ اسے مارتا رہا اور جسے تلک خاموشی سے پتتا رہا تھا۔

جب ویرا سنگھ نے اسے اچھی طرح مار لیا اور دل کی بھڑاس نکال لی تو دو قدم پیچھے ہٹا اور

بولا۔

”جار ہے ہیں ہم، بس بھگوان سے یہ پرارتھنا کی تھی کہ ایک بار ٹوٹل جائے تو دل کھول کر تیری دھلائی کر لیں، ہو گیا ہمارا کام۔ بھگوان نے ہماری پرارتھنا سن لی، چلتے ہیں۔“

”میری بات تو سن ویرا سنگھ، من کی بات پوری ہو گئی نا تیری۔“

”ہاں اب ٹھیک ہو گیا ہے، کوئی اور گالی دے دے ہمیں، اس سے بڑی گالی کسی اور کو دی ہے ٹوٹے۔ ماں مرگنی ہماری، بہن مرگنی ہمیں پتہ بھی نہیں چلا۔ ارے خبر تو کر دیتا ہمیں، ارٹھی تو جلا دیتے ماں اور بہن کی۔ اسے کہتے ہیں رے دوستی دھت تیرے کی، اسے دوستی کہتے ہیں؟“ ویرا سنگھ درد بھرے لہجے میں بولا۔

جئے تلک اسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ویرا سنگھ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے اور پھر اس نے آگے بڑھ کر جئے تلک کو سینے سے لپٹا لیا۔

”بتا تو دیتا ہمیں، تلاش کر لیتا، ہم جانتے ہیں جو کچھ ہوا ہوگا اچانک ہی ہوا ہوگا۔ پڑو ہمیں تلاش کر لیتا، پتہ تو چل جاتا ہمیں۔“

”ہم اتنے کچے نہیں تھے ویرے، ایک بار بندوق نکال رہے تھے۔ ماں نے ہاتھوں سے چھین کر رکھ دی اور سوگند دے ڈالی بس سوگند بھار ہے ہیں، ویرا! سوگند بھار ہے ہیں ہم۔“

”چھوڑ سوگند کی بات، چپ ہو جا۔ بڑا کام چھوڑ گئی ہے ماما جی ہمارے لیے، پر ہم تجھے تلاش کر رہے تھے، تیرے بنا ہم اپنا کام شروع نہیں کر سکتے تھے۔ تیرا ہونا ضروری تھا، ٹوٹنے تو گالیاں دے لیں ہمیں، پر ہم پرگالی نہیں دے سکتے تھے تجھے کہ ماں اور بہن کا بدلہ کسی اور نے لیا اور بیٹا جنگلوں میں خاک چھانتا پھرا۔“

”نہیں ویرا سنگھ نہیں، بس ماں کو دیا ہوا دچن بھار ہا ہوں۔“

”بھاتا رہ دچن، ارے ہمیں تو تلاش کر لیتا، ماں نے سوگند تجھے دی تھی، ہمیں تو نہیں تھی، ہمیں کیوں بھلا دیارے، کتنے شرم کی بات تھی ہمارے لیے۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہم۔ دودو ہاتھی تھے ماما جی کے دودو ہاتھی۔ رہ گئے منہ پیٹ کر، بول ہم نے تو کوئی دچن نہیں دیا تھا ماما جی کو، ہمیں تلاش کرے بتاتا تو سہی۔“

”ہاں یہ غلطی ہم سے ہو گئی ویرا سنگھ یہ غلطی ہم سے ہو گئی۔“ دونوں دوست بہت دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے باتیں کرتے رہے۔

ویرا سنگھ نے کہا۔ ”بس، بہہ گئے نا آنسو، نکل گئی نا من کی آگ۔ یہ سرے آنسو جو ہوتے ہیں نابڑے برے ہوتے ہیں۔ سارے من کو ہلکا کر دیتے ہیں، کیا ہوا تھا بتا ہمیں، کیا ہوا تھا؟“ ویرا سنگھ نے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے کہا۔

پھر کافی دیر تک دونوں باتیں کرتے رہے۔

جئے تلک نے قمیص کے دامن سے آنسو پونچھ ڈالے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میرے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا ویرا، میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ پر من میں ایک بے چینی سی تھی، مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ بے چینی کیوں ہے۔ دماغ سوچ ہی نہیں پار تھا، پرویرے اب پتہ لگ گیا۔ مجھے تیرا انتظار تھا۔ اب ٹو آ گیا تو یہ آنسو میری آنکھوں میں کبھی نہیں

آئیں گے۔ میں اب روؤں گا نہیں دیرے ہم بدلہ لیں گے، بدلہ لیں گے ہم۔“
 ”ہاں ہم بدلہ لیں گے اور یہ اچھا ہوا کہ تیرے آگے پیچھے بھی کوئی نہیں رہا، میرا آگاہ اور
 پیچھا میری ماں اور بہن ہی تھیں۔ اب ان میں سے کوئی نہیں رہا تو ہمیں فیصلے کرنے ہوں گے۔
 جنے بڑا انیائے ہو رہا ہے ہم جیسوں پر، ان ٹھاکروں نے آس پاس کی بستیوں کو زکھ بنا ڈالا
 ہے۔ بات صرف اس رتن چند ہی کی نہیں ہے، یہ ٹھاکر جگہ جگہ موجود ہیں، پورے دیش میں
 بکھرے ہوئے ہیں، پورے دیش کو بھنھوڑ رہے ہیں، ہم ان کو ماریں گے، آج سے ہمارا کام
 یہی ہوگا، اس کے علاوہ ہم کچھ اور نہیں کریں گے، کیا سمجھا؟“

جنے تلک نے مسکراتے ہوئے دیرا سنگھ کو دیکھا اور پھر دونوں نے اپنے چوڑے پیچھے
 ایک دوسرے کی جانب بڑھا دیئے اور دیر تک ایک دوسرے کا ہاتھ، ہاتھ میں لیے ایک
 دوسرے کی جانب دیکھتے رہے۔

”تو پھر اب بتا کہ کام کا آغاز کیسے ہو؟“

”نیک کام کو اپنے گھر سے ہی شروع کرنا چاہئے، ہمارے اس نیک کام کی ابتدا رتن چند
 کے خون سے ہونی چاہئے۔ اور اس کے بعد آس پاس کی بستیوں کو دیکھیں گے۔“
 اسی دن جب شام کے دھند لکے پھیلے ہوئے تھے، دونوں دوست شانتی کھ کی جانب
 جا رہے تھے۔ انہوں نے منصوبے بنا لیے تھے، چنانچہ سب سے پہلے انہیں دھرمو کے ہاں جانا
 تھا، رات کو دھرمو کے ہاں وہیں قیام کرنا تھا۔

جب وہ شانتی کھ میں داخل ہوئے تو رات ہو چکی تھی، ساتھ ہی ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی
 تھی۔ ویسے بھی یہ چھوٹی چھوٹی بستیاں شام ڈھلے ہی سنان ہو جاتی تھیں اور جیسے ہی رات کی
 سیاسی ان پر مسلط ہوتی بستی کا ہر فرد اپنے گھر میں گھس جاتا اور پھر اس وقت تو بارش بھی ہو رہی
 تھی۔ آوارہ کتے بھی کہیں کہیں دبک گئے تھے اور بستی سنان پڑی ہوئی تھی۔ ہاں جھونپڑیوں
 کے سوراخوں سے چراخوں کی روشنی جھلک رہی تھی۔

وہ دونوں دھرمو کے گھر کے احاطے میں داخل ہو گئے جس کے درمیان ایک جھونپڑی تھی
 اور اسی جھونپڑی میں دھرمو اکیلا رہتا تھا۔ احاطے میں درخت کھڑے ہوئے تھے۔ ایک ست
 کولہو نظر آ رہا تھا اور تیل بندھے ہوئے تھے۔

دیرا سنگھ نے حیرانی سے کہا۔ ”ارے یہ دھرمو کے گھر میں کولہو کہاں سے آگیا، اس کے

کھیت کہاں چلے گئے، حیرت کی بات ہے۔ آواز دوڑا۔“
جئے تلک نے دھرمو کو آواز دی تو اندر سے کوئی باہر نکل آیا اور تاریکی میں آنکھیں
پھاڑنے لگا۔

”کون ہو بھیا۔ کابا بات ہے؟“

”تم کون ہو؟“

”ارے بنواری تیل ہیں ہم، ٹو اپنی بتاؤ۔“

”بنواری! میں جئے تلک ہوں ٹو یہاں کیا کر رہا ہے؟“

”ارے جئے بھیا تم۔ ارے تم کہاں چلے گئے تھے؟“

”میں جہاں بھی چلا گیا تھا بنواری، ٹو یہ بتا کہ دھرمو کہاں ہے؟ اور ٹو اس کے گھر میں کیا
کر رہا ہے؟“

”بھیا، دھرمو تو بستی چھوڑ گیا، کبھی کا چلا گیا وہ تو۔“

”بستی چھوڑ گیا، کیوں؟“

”بس، اس کی مرضی۔“

”اس نے بستی چھوڑ دیا اور ٹو یہاں آ کر آباد ہو گیا؟“

”ہاں بھیا چ دیا تھا اس نے یہ گھر ہمیں۔“

”مگر وہ کہاں چلا گیا؟“

”بھگوان کی سوگند پتہ نہیں، بس کہنے لگا کہ شانتی کھاب رہنے کے قابل نہیں ہے، کھیت

بھی بچ دیئے ہیں اس نے۔“

بنواری کی بات سن کر جئے تلک تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اسی وقت ویرا سنگھ کی آواز

ابھری۔ ”کتنا تیل ہے بنواری اس وقت تیرے پاس؟“

”ایں۔“ بنواری پہلے تو بات ہی نہیں سمجھ سکا تھا۔

پھر وہ حیران حیران سے لہجے میں بولا۔ ”گیارہ پیسے بھرے پڑے ہیں بھیا۔ منڈی لے

جانے کی سوچ رہے تھے مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”ضرورت ہے ہمیں تیل کی۔ پورے پیسے ملیں گے تجھے، مگر کچھ اور کام بھی کرنا ہو

گا۔“ ویرا سنگھ کی آواز ابھری۔

”بولو، کیا کام کرنا ہے؟“

”کوئی بڑا کڑھاؤ ہوگا تیرے پاس؟“

”لو وہ کیا رکھا ہے چالیس پیسے والا۔“ بنواری نے حیران حیران لہجے میں کہا۔

”ہاں..... نظر آرہا ہے، ذرا حساب لگا کے بتا، کتنے پیسے ہوئے تیرے تیل کے..... اور

تجھے یہ کام کرنا ہوگا کہ سارے تیل کو کڑھاؤ میں پکانا ہے، لکڑیوں کے پیسے بھی حساب میں لگا کر بتا دے، ابھی دیئے دیتا ہوں۔“ یہ کہہ کر ویرا سنگھ نے اپنی انٹی سے بہت سی کرنسی نکالی اور اسے گننے لگا۔

بنواری کی سمجھ میں کوئی بات ہی نہیں آرہی تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اس کے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔

”ویرا بھیا، پکی سروسوں کا تیل ہے، گیارہ پیسے تو بھرے رکھے ہیں۔ ایک میں تھوڑا سا کم ہے۔ تیل میں ذرا بھی کھوٹ ہو تو ناک کاٹ دینا بنواری کی، بھیا منڈی سے کم پیسے لگائیں گے تمہارے لیے۔“

”نہیں بنواری تیری محبت ہی کافی ہے۔ پورے پیسے لے۔ بول کتنے پیسے ہوئے، بس تیل کھولتا رہنا چاہئے۔ لکڑیاں لگی رہنا چاہئیں کڑھاؤ کے نیچے، تیل ٹھنڈا ہوا بنواری تو تو بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔“ ویرا سنگھ بے شک دبلے پتلے بدن کا مالک تھا لیکن اس کی آواز میں ایسی گونج تھی جو اچھے اچھوں کے حوصلے پست کر دیتی تھی۔ قدرت نے اس کی شخصیت میں کچھ ایسا رب رکھا تھا کہ دیکھنے والا سے متاثر ہوئے بیر نہیں رہتا تھا۔

بنواری نے کہا۔ ”جیسا کہو گے بھیا ویسا ہی ہوگا پر تیل پکا کر کیا کرو گے؟“

”یہ پیسے رکھ تو اپنے حساب سے اور جب کسی چیز کے لپکے دام دے دیئے جائیں تو دوسری باتیں نہیں کی جاتیں۔ تجھے یہ کام ہر قیمت پر کرنا ہے، ابھی کڑھاؤ بھٹی پر رکھ دے، تیل کے تمام پیسے کڑھاؤ میں الٹ دے اور تیل کو آگ بنا دے۔“ ویرا سنگھ کی پاٹ دار آواز سنائے میں گونج رہی تھی۔

اور بنواری کے بدن کی تھر تھراہٹ صاف دکھائی دے رہی تھی، ویرا سنگھ نے اسے بہت

سی رقم دی اور کہا۔ ”اگر اور ضرورت ہو تو اور لے لے۔“

بنواری لعل کے ہاتھ بڑی طرح کانپ رہے تھے، اتنی بڑی رقم اسے پوری زندگی میں

کبھی ایک ساتھ نہیں ملی تھی۔ بمشکل تمام اس نے کہا۔ ”نہیں بھیا ٹھیک ہے، ایسا ہی ہوگا جیسا تم کہہ رہے ہو۔“

”آؤ جئے۔“ ویراسنگھ نے کہا اور دھرمو کے گھر کے احاطے سے باہر نکل آیا۔

دونوں کا رخ اب رتن چند کی حویلی کی طرف تھا۔ بوند باندی اب بھی ہو رہی تھی اور بادل بدستور چھائے ہوئے تھے، جئے تلک نے کہا۔ ”میں پورے یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں ویرے کہ دھرمو نے میری وجہ سے شانتی کھ چھوڑا ہے۔“

ویراسنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے بھی وہ بہت کم گو تھا، کبھی خوش ہوتا تو اتنا بولتا کہ کسی اور کو بولنے نہ دیتا۔ چپ ہوتا تو ایسا کہ گھنٹوں اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلتی۔

آخر کار وہ حویلی کے قریب پہنچ گئے تو جئے تلک نے کہا۔ ”وہ رتن چند اپنے باپ کی طرح حیر اور چالاک نہیں ہے۔ حویلی میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے اندر داخل ہوا جاسکتا ہے، اگر وہ چالاک ہوتا تو اسے وہ جگہ بند کر ادینی چاہئے تھی۔ ہم وہیں سے اندر چلتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ ویراسنگھ بولا اور واقعی دونوں کو اندر جانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ چھپتے چھپاتے رتن چند کی خواب گاہ تک پہنچ گئے۔

خواب گاہ میں رتن چند گہری نیند سو رہا تھا۔ قرب و جوار کے کمروں میں اس کے اہل خانہ موجود تھے، رتن چند کے ساتھ اس وقت دو اجنبی لوگ سو رہے تھے، پتہ نہیں وہ کون تھے۔ بہر حال ویراسنگھ نے آہستگی سے کھڑکی کا شیشہ توڑا اور ہاتھ اندر ڈال کر چھنی کھول دی۔ پھر جئے تلک کو اشارہ کیا اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔

ویراسنگھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا رتن چند کے قریب پہنچا اور اس نے سوتے ہوئے رتن چند کے منہ پر ایک زور تھپڑ مارا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ رتن چند کے منہ سے ایک دہشت بھری آواز نکل گئی۔ جئے تلک نے آگے بڑھ کر کمرے میں روشنی کر دی تاکہ رتن چند انہیں پہچان لے۔

دہشت زدہ رتن چند نے ان دونوں کی صورت دیکھی اور منہ کھول کر رہ گیا۔ جئے تلک کی بندوبست اس وقت ویراسنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ ویراسنگھ نے اس کی نالی رتن چند کی گردن پر رکھ دی اور بولا۔ ”اٹھ جا رتن چند، حساب کتاب کا وقت تو آنا ہی تھا۔“

”کک..... کیسا حساب..... تت..... ٹو ویراسنگھ ہے نا، کون سے حساب کتاب کی بات کر رہا ہے ٹو؟“ رتن چند کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

”یہ جئے تلک ہے اسے پہچانتا ہے ناٹو؟“
 ”ہاں کیوں نہیں، یہ جئے ہے یہ ت..... تو یہ ت..... تو۔“ رتن چند رُدی طرح کپکپا رہا

تھا۔

اس نے مدد حاصل کرنے والی نگاہوں سے اپنے ان دنوں مہمانوں کو دیکھا جو گہری نیند سو رہے تھے اور ان کے خرائے فضا میں گونج رہے تھے۔ یہ حماقت بھی رتن چند سے ہی ہوئی تھی کیونکہ اس نے انہیں پیٹ بھر کر شراب پلائی تھی اور اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ ان کے سر پر ہتھوڑے بھی مارے جائیں تب بھی وہ نہیں جاگیں گے۔ آس پاس اور کوئی نہیں تھا، اپنے اہل خانہ کے ساتھ وہ اس لیے نہیں سویا تھا کہ اس کے یہ دونوں مہمان دہلی سے آئے ہوئے تھے۔
 دیر اسٹگھ نے کہا۔ ”رتن چند جئے تلک اتنا مظلوم نہیں ہے جتنا میں۔ اس کی تو ماں اور بہن تھیں، مگر میرا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ماں اور بہن کے ساتھ پورا جیون گزارا ہے، میں اپنی ماں اور بہن سے کبھی کبھی ملا کرتا تھا، دیکھ میری کلائی ہمیشہ کے لیے راکھی سے خالی ہو گئی۔ میں اپنے آپ کو اس سے تک معاف نہیں کروں گا رتن چند جب تک میرے دل سے یہ داغ نہ دھل جائے، اٹھ جا کیئے اٹھ جا۔“ یہ کہہ کر دیر اسٹگھ نے ایک زوردار ٹھوک رتن چند کی مسہری پر ماری اور رتن چند سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”بڑا کھاتہ کھلا ہوا ہے تیرے ساتھ، جئے تلک ذرا اسے بتا کتنے حساب ہیں اس کے

اوپر۔“

”بہت سے حساب ہیں، اپنے دادا جی کا حساب، اپنے پتا جی کا حساب، ماں اور بہن کا

حساب، لبا کھاتہ کھلا ہوا ہے تیرے نام رتن چند۔“

”مم..... مگر تو بستی سے چلا گیا ٹو، ٹو نے تو اپنے کھیتوں کو آگ لگا دی تھی۔“

”اسی لیے ناکہ تجھ سے ملنا تھا، حساب جو چکانا ہوا۔“ جئے تلک نے کہا۔

”کچھ باتیں پوچھنی ہیں تجھ سے رتن چند کچھ بات چیت کرنی ہے۔“

غالباً رتن چند کے کمرے میں ہونے والی روشنی اور اندر سے آنے والی باتوں کی آوازوں نے رتن چند کی ماں کو ہوشیار کر دیا تھا کیونکہ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ عمر رسیدہ عورت کمرے میں گھس آئی تھی۔ اندر کا ماحول اور دیر اسٹگھ کے ہاتھ میں تنی ہوئی بندوق، دیکھ کر رتن چند کی ماں خوف سے کانپ اٹھی اور اس کے حلق سے چیخ سی نکل گئی۔

تب ویراسنگھ نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”آؤ ماتاجی آؤ، ماؤں کا میں نے ہمیشہ احترام کیا ہے، پر ماتاجی یہ جئے تلک ہے جانتی ہوا سے۔ معلوم ہے تمہیں یہ بات کہ جئے تلک کی ماں اور بہن کی لاشیں یہیں سے گئی تھیں۔ یہیں انہیں گولی ماری گئی تھی، ماتاجی یہیں سے جئے تلک کی نہیں میری ماں اور بہن کی لاشیں اٹھی تھیں۔“

”مم..... مگر..... تم یہاں کیا کر رہے ہو، یہ بندوق کیوں اٹھائی ہوئی ہے تم نے۔“
 ”ماتاجی تم نے کبھی اس سے یہ نہیں کہا کہ بستی والوں پر اتنا انیائے نہ کر کہ ایک دن وہ کھڑے ہو جائیں گے۔“

”تت..... تم تم یہاں سے نکل جاؤ، تم میرے بیٹے کو کچھ نہیں کہہ سکتے، ارے انہیں آواز دو، یہ کیوں مر رہے ہیں، ان کے پاس کچھ نہیں ہے کیا، میں نوکروں کو بلاتی ہوں۔“ وہ واپسی کے لیے پلٹی اور اچانک ہی ویراسنگھ نے آگے بڑھ کر رتن چند کی ماں کو دو بوج لیا۔
 ”بہت ظلم کر رہے ہو تم سب مل کر، یہ تمہارا ہی خون ہے ناماتاجی، دیکھو کیا کچھ ہوتا ہے اس سنسار میں، اولاد کی وجہ سے ماں کا کیا حشر ہوتا ہے۔“

یہ حقیقت ہے کہ جئے تلک بہت مڈ جوش نوجوان تھا، لیکن ویراسنگھ کے اندر جو ایک ٹھنڈی آگ بھری ہوئی تھی اس نے اسے بہت سفاک بنا دیا تھا۔ نہ جانے اس آگ کا پس منظر کیا تھا۔ جئے تلک کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ ویراسنگھ کے لباس میں ہمیشہ ایک خوفناک لمبا چاقو پوشیدہ رہتا ہے۔ اس نے رتن چند کی ماں کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور اس کے منہ پر ہاتھ جما دیا۔ پھر سب کی آنکھوں میں چاقو کی تیز چمک ابھری اور اس کے ساتھ ہی تیز چاقو کی دھار نے رتن چند کی ماں کا زرخرہ کاٹ دیا۔ ایک خرخراتی آواز اس کے منہ سے نکلی۔

رتن چند کا پورا بدن لٹک گیا تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی موت واقع ہو گئی ہو، ماں کے تڑپتے ہوئے جسم کو ٹھنڈا ہوتے دیکھ کر وہ خود بھی ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

ویراسنگھ نے چاقو رتن چند کے لباس سے صاف کیا پھر بولا۔ ”ہاں تو رتن جی، ہو جائے حساب کتاب کیا کہتا ہے تو۔“

”معاف کر دے مجھے جئے، معاف کر دے ویرا، ایک بار معاف کر دے مجھے، بس ایک بار، مجھے نہ مارنا، ہائے تم نے میری ماتاجی کو کاٹ کر پھینک دیا۔“

”ارے تیری ماتاجی کیا آکاش سے اتری تھی اور وہ جن کے سینوں میں گولیاں اتری

نہیں وہ کیا اس دھرتی کی رہنے والی نہیں تھیں۔“

”بھگوان کی سوگند اپنے پتا جی کی سوگند، اپنی ماما جی کی لاش کی سوگند، انہیں گولیاں میں نے نہیں رام لعل نے ماری تھیں۔“

”رام لعل، رام لعل کہاں ہے رے، ذرا بتا تو سہی۔“

”پہلے تو وہ بھاگ گیا تھا شانتی کھ سے لیکن جب جے تلک یہاں سے چلا گیا تو وہ

میرے پاس آ گیا، اسے اپنا اور اپنے پر یوار کا بڑا ڈر تھا۔“

”کہاں ہے اب وہ؟“ وزیر اسٹھ نے پوچھا۔ ”اور اس نے تیرے کہنے کے مطابق ماما

جی، اور جگ دتی کو گولیاں کیوں ماری تھیں؟“

”وہ یہ بات جانتا تھا کہ جے تلک نے میرا کھیتوں میں اپمان کیا تھا، میں غصے میں تھا،

اس نے مجھے خوش کرنے کے لیے جگ دتی کو کھیتوں سے اغوا کیا اور میرے پاس لے آیا۔ میں

تو ان دونوں کو چھوڑنا چاہتا تھا، ان سے معافی تلافی کر کے، پر اس نے یہ سوچا کہ یہ اپنی کہانی

جے کو سنائیں گی تو جے اسے نہیں چھوڑے گا، اس لیے اس نے ان دونوں کو خود اپنے ہاتھوں

سے گولیاں مار دیں۔“

”کہاں ہے وہ؟“ وزیر اسٹھ کی سرد آواز ابھری۔ جے تلک کے بدن میں اب کچھ تاری

ہو گئی تھی۔

”بھگوان کی سوگند مجھے نہیں معلوم کہاں ہے، ویسے شانتی کھ میں ہی ہے۔ پر اپنے گھر

میں نہیں ہوتا اس کے پر یوار کے بہت سے لوگ ہیں، وہیں کسی کے گھر سو جاتا ہوگا۔“

”ہوں، یہ کون ہیں؟“

”دلی سے آئے ہیں، سرکاری افسر ہیں، مجھ سے دوستی ہے ان کی۔“

”یہ مر گئے ہیں یا جی رہے ہیں، اٹھتے کیوں نہیں ہیں، اتنی باتیں سن کر۔“ وزیر اسٹھ نے

طنز یہ لہجے میں کہا۔

”نفسے میں دھت ہیں۔“ رتن چند نے بتایا۔

”بڑا ایتنا کر رکھا ہے تم لوگوں نے، بے گناہ انسانوں کی چٹائیں جلا کر مڑے کئے

جار ہے ہیں۔ یاد رکھو حساب کا سہ ضرور آتا ہے اور ہم حساب چکانے یہاں پہنچے ہیں کیا

سمجھتے؟“

”دیکھو میں پھر تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہہ رہا ہوں مجھے شاکر دو، بھگوان کی سوگند جنے تلک میں نے تیری مانتا اور بہن کا خون نہیں کیا، ٹو خود رام لعل سے پوچھ لے۔“

”اس سے بھی پوچھیں گے، سارے لوگوں سے حساب کتاب چکنا کرنے کے لیے ہی تو ہم نے اپنے کھیتوں میں اپنی چٹائیں جلا دی ہیں۔“

”تم جو کچھ مانگو کے میں تمہیں دوں گا، میرا کیا دھرا کچھ بھی نہیں ہے، کیا دوسروں نے ہے، مصیبت مجھ پر پڑی رہی ہے۔“

”اچھا، کیا دے سکتے ہو تم ہمیں؟“ ویرا سنگھ نے بدلے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

”جو مانگو کے دوں گا۔“

”بات تو کچھ سمجھ میں آتی ہے، چلو پھر لے کر آؤ جلدی سے کدھر ہے تمہارا مال خانہ؟“

ویرا سنگھ نے کہا۔

جنے تلک خاموش تھا، رتن چند کے چہرے پر رونق آئی، دولت دے کر اگر جان بچ جائے یہ بُرا سودا تو نہیں ہے۔ چنانچہ وہ انہیں ساتھ لے کر چل پڑا اور پھر اس نے اپنے مال خانے سے ایک بڑی رقم نکال کر ان کے سامنے رکھ دی، اس کے علاوہ سونے کے زیورات وغیرہ بھی تھے۔

”چل بھی جنے تلک باندھ لے اس سارے مال کو۔“

جنے تلک صرف آنکھیں بند کر کے ویرا سنگھ کے کہنے پر عمل کر رہا تھا، اس نے یہ ساری رقم کپڑے میں باندھ لی۔ بے شک اس کے ساتھ جو بھی ہوا تھا، ماں اور بہن اس کی قتل ہوئی تھیں لیکن ویرا سنگھ جو کچھ کر رہا تھا وہ اس طرح کر رہا تھا جیسے یہ سب کچھ اس کے ساتھ ہوا ہو اور اس جیسی سنگدل جتنے تلک کے اندر نہیں تھی۔ اس نے کئی بار رتن چند کی ماں کے بدن سے بہنے والے خون کو دکھ بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

رقم کے ساتھ ساتھ دو پستول، دو اعلیٰ درجے کی بندوقیں اور بہت سے کارتوس بھی وصول کئے گئے۔ کارتوسوں کی پٹیاں ان دونوں نے اپنے کندھوں سے لٹکالیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسی کا ایک لٹھا بھی لیا اور پھر ویرا سنگھ نے ان دونوں نشے میں دھت مہمانوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیئے۔ اس کے دل میں کیا تھا خود جنے تلک کو نہیں معلوم تھا۔

اس کے بعد جب وہ فارغ ہوئے تو رتن چند نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”میرے ہاتھ پاؤں کی جان نکل رہی ہے مہاراج، مجھے شاکر کر دو میں بستر پر لیٹنا چاہتا ہوں۔“

”لٹاتے ہیں ابھی تجھے، پر بستر پر نہیں۔ چل بھی جئے تلک اس کی گردن میں رسی کا بھندہ ڈال دے اور اسے کتے کی طرح گھسیٹا ہوا باہر لے کر چل۔ ابھی تیری موت میں دیر ہے رتن چند، اگر ابھی مرنا چاہتا ہے تو دوسری بات ہے، ورنہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کر۔“

جئے تلک نے فوراً ویرا سنگھ کے کہنے پر عمل کیا۔ رتن چند کی گردن میں رسی باندھ دی گئی اور جئے تلک اسے گھسیٹتا ہوا حویلی سے باہر لے آیا۔ حویلی کے دروازے سے نکل کر تھوڑی دور تک آگے چلے اور پھر اس نے اسے ایک درخت کے نیچے بٹھادیا اور ویرا سنگھ نے جئے تلک سے کہا۔ ”جئے تلک میں نے تجھے بتا دیا ہے کہ آگے تجھے کیا کرنا ہے، چل اپنا کام کر۔“

جئے تلک دوبارہ حویلی کی طرف بڑھ گیا۔ رتن چند کے پورے بدن پر تھر تھری طاری تھی۔ جئے تلک کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ ویرا سنگھ کی آنکھیں حویلی پر لگی ہوئی تھیں کہ دفعتاً تاریک فضا روشن ہو گئی، حویلی کے مختلف حصوں سے شعلے بلند ہونے لگے۔ رتن چند نے درد بھری آواز میں کہا۔ ”ہے پر بھو، ہے رام، یہ کیا یہ کیا۔ آگ..... آگ“ اس کی آواز دہشت زدہ ہو گئی۔

”ارتھی جل رہی ہے رتن چند، تیرے گناہوں کی ارتھی جل رہی ہے۔ وہ کچھ کون کون اس چٹا میں ستی ہوتا ہے، دیکھ لے اپنی آنکھوں سے۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور بدوق سنبھال لی۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد حویلی سے چینی بلند ہونے لگی تھیں۔

رتن چند نے جلدی سے کہا۔ ”ارے وہ دونوں بھی..... وہ تو میرے پاس بہت ضروری کام سے آئے تھے۔“ رتن چند واویلا کرنے لگا، لیکن ویرا سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حویلی میں چیخ و پکار کی آوازیں تیز ہو گئی تھیں، پھر بڑے دروازے پر کچھ لوگ نمودار ہوئے تو ویرا سنگھ کی بدوق گولیاں اگلنے لگی۔ باہر نکلنے والے کئی افراد زمین پر ڈھیر ہو گئے تھے، جو دو تین بچے تھے وہ واپس اندر بھاگ گئے۔ کچھ لمحوں کے بعد جئے تلک بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آ گیا، حویلی میں اب چاروں طرف ہابا کار مچی ہوئی تھی۔ جو بھی باہر نکلتا ان دونوں کی گولیوں کا شکار ہو جاتا۔ گولیوں کی آوازوں سے بستی والے بھی جاگ گئے تھے۔ حویلی شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ کچھ افراد اس طرف بڑھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

جب باہر کے کچھ لوگوں نے حویلی کے قریب پہنچنے کی کوشش کی تو ویرا سنگھ نے دو تین فائر کر کے انہیں بھی روک دیا اور پھر اس کی ہولناک آواز ابھری۔

”بستی والو! قریب مت آنا، اگر کسی نے قریب آنے کی کوشش کی تو بھون کر رکھ دوں گا، جاؤ اپنے گھروں میں آرام کرو۔“ یہ کہہ کر اس نے کئی ہوائی فائر کئے اور مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ پوری بستی خوف و ہراس میں ڈوب گئی تھی، ویرا سنگھ کی آواز نہیں پہچانی جاسکتی تھی۔ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ رتن چند کی حویلی پر ڈاکا پڑا ہے اور ڈاکوؤں نے لوٹ مار کر کے حویلی کو آگ لگا دی ہے۔ لوگ بستی میں جگہ جگہ جمع ہو گئے تھے اور چیمگونیاں کر رہے تھے۔

جب یہ لوگ یہاں سے دور ہو گئے تو ویرا سنگھ نے جتنے تلک کو اشارہ کیا اور اس کے بعد یہ لوگ رتن چند کو بدستور گھسیٹتے ہوئے دھرمو کے گھر کے پاس پہنچ گئے۔ دھرمو تو اب اس گھر میں نہیں تھا وہ کہیں چلا گیا تھا۔ بنواری بے چارہ تیل کے کڑھاؤ کے نیچے آگ روشن کئے ہوئے تھا اور کڑھاؤ میں خوفناک تیل کھول رہا تھا۔ اس سے آگ کے پھلکے مسلسل اٹھ رہے تھے۔

ویرا سنگھ نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ رتن چند کو گھر کے سامنے ایک درخت سے باندھ دیا گیا اور صبح ہونے کا انتظار کیا جانے لگا۔ بستی والے جاگ رہے تھے، پھر بستی والوں کو اطلاع کی گئی کہ سارے کے سارے دھرمو کے گھر کے سامنے جمع ہو جائیں۔ یہ اطلاع بنواری کے ذریعے ہی کرائی گئی تھی، بنواری بے چارہ ہر وہ عمل کر رہا تھا جس کی اسے ہدایت مل رہی تھی۔ چنانچہ اس صبح کا آغاز ہو گیا جو بے حد بھیانک تھی۔

پوری بستی دھرمو کے گھر کے سامنے جمع تھی۔ کڑھاؤ میں تیل کھول رہا تھا اور تھوڑے ہی فاصلے پر رتن چند ایک درخت سے بندھا ہوا کھڑا تھا، اس سے کچھ دور ویرا سنگھ اور جتنے تلک منہ پر ڈھانے باندھے بندوقیں لیے کھڑے تھے۔

جب صبح کی روشنی پوری طرح نمودار ہو گئی تو ویرا سنگھ کی آواز ابھری۔ ”بستی والو! اپنے ٹھاکر، اپنی تقدیر کے مالک رتن چند جی مہاراج کو پہچانتے ہونا۔ مہاپدش ٹھاکر بھرم چند جی کے سپوت ہیں، رتن چند جی اس بستی کے اُن داتا ہیں اور تمہاری زندگیاں انہی کے رحم و کرم پر ہیں، لیکن تم ان سے پوچھو کہ شانتی کھ اور اس کے آس پاس کے باسی ان کی نگاہوں میں انسان کیوں نہیں! یہ ان کو جانور کیوں سمجھتے ہیں، پوچھو ذرا ان سے۔“

”تم کون ہو جوان اور یہ خونریزی کیوں کر رہے ہو؟“ بستی کے ایک بوڑھے آدمی نے

امت کر کے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

”چاچا جان سنگھ، میں تمہاری بستی کا سب سے بے غیرت آدمی ہوں۔ میرے سو رنگ ہاشی پتاجی درگا تک بھنڈاری تھے۔“ یہ کہہ کر جئے تلک نے اپنا ڈھانٹا کھول دیا۔ اسے دیکھ کر لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے کھلے رہ گئے تھے۔ ان کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ”ارے جئے، یہ تو اپنا جئے ہے۔“

پھر ان کی سوالیہ نگاہیں ویرا سنگھ کی طرف انھیں تو ویرا سنگھ نے بھی اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور بولا۔ ”اور میں جئے تلک کا سب سے بے غیرت دوست ہوں، جو اپنے کھیتوں کی رکھوالی کرتے کرتے اپنی ذمہ داریاں بھول گیا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ اس بستی میں رنگ چند بچ رہتا ہے جو اپنے آپ کو انسانوں کی تقدیر کا مالک سمجھتا ہے۔ اس نے ایک معمولی سی بات پر میرے دوست، میرے بھائی کو علاقے کے داروغہ کے ذریعے بند کر دیا تھا۔ جب مجھے یہ بات پتہ چلی تو میں نے داروغہ کے بیٹے کو اغوا کیا اور اس سے کہا کہ فوراً ہی جئے تلک کو چھوڑ دے نہیں تو بیٹے کی لاش اس کے پاس پہنچا دی جائے گی۔ جئے تلک چھوٹ گیا مگر میں بھول گیا تھا کہ ٹھا کر اپنے آپ کو دوسروں کی تقدیر کا مالک سمجھتے ہیں۔ رتن چند کے من میں تو اسی دن سے آگ سلگ اٹھی تھی۔ جس دن جئے تلک نے اس کی بہن رنجنا کو ہاتھی سے بچایا تھا، اس نے تو نیک کام کیا تھا پر رتن چند یہ سوچ کر کہ اس کی بہن ایک بھنڈاری کے سینے سے لگی رہی تھی، بدلے کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ ارے اصل بات یہی ہے کہ ان ٹھا کروں نے اپنے آپ کو آکاش سے اتر ا ہوا سمجھ لیا ہے، شانتی کھ والو! اس نے بنیاد ڈال دی ہے اور جب کوئی تم سے سوال کرے کہ آخر بھنڈا ارے اور جنورے ٹھا کروں کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے تو انہیں بتا دینا کہ اس کا سہرا بھرم چند ہاڑا کے سر ہے۔“

ویرا سنگھ خاموش ہوا تو جئے تلک نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”گنگا کی سوگند بستی والو! میں بے غیرت نہیں ہوں، میری رگوں میں میرے باپ دادا کا خون ہے جنہوں نے بچ کے لیے جان دے دی، لیکن جب بھرم چند نے میرے پتا کو مروایا تو میں نے بندوق اٹھانے کی کوشش کی۔ پر میری ماتا نے مجھ سے بندوق چھین لی اور مجھے سوگند دے دی کہ میں صبر کروں اور اپنے پتا کا بدلہ نہ لوں۔ میری ماتا نے کہا کہ میرے کندھوں پر اپنی جوان بہن اور بوڑھی ماں کا بوجھ ہے، میں ان کی رکھشا کروں، ماتا سے میں بندوق واپس نہیں لے سکا، یہاں تک کہ میری ماں اور

میری بہن کی جان چلی گئی۔ میں نہیں جانتا میں نے اچھا کیا یا بُرا۔ ماں کی سوگند نے مجھے بے غیرت بنادیا تھا اور پھر ماں اور بہن مجھ سے چھن گئیں، میں تو بے غیرت تھا لیکن تم سب بھی بے غیرت بن گئے۔ ماں نے میرے ہاتھ سے بندوق چھین لی تھی، لیکن تمہیں کس نے سوگند دی تھی، تمہاری غیرت کہاں سوگنی بستی والو! تم کہاں سو گئے تھے۔ تمہاری بستی کا ایک عزت دار رام لعل میری بہن کو کھیتوں سے اغوا کر کے لے گیا اور اس نے میری بہن کو تحفے کے طور پر رتن چند کے سامنے پیش کیا۔ یہ پانی اگر چاہتا تو میری بہن کو عزت آبرو کے ساتھ گھر پہنچا سکتا تھا، مگر اس نے اسے قید کر دیا۔ کسی نے ماں کو ٹھیک وقت پر خبر کر دی، ماں نے مجھے بندوق نہ اٹھانے کی سوگند بے شک دے دی تھی، لیکن خود بندوق لے کر رتن چند کی حویلی چلی گئی اور پھر اسے رتن چند کی حویلی میں مار دیا گیا۔ جگ وتی بھی اسی رام لعل کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئی۔ رتن چند ہمارا مجرم ہے، رام لعل تمہارا مجرم ہے، ایک مجرم کو میں ختم کر رہا ہوں، دوسرے کے بارے میں فیصلہ تم کرو، رام لعل کے بارے میں فیصلہ تم کرو۔“

بستی والوں کے سینے جوش غضب سے بھر گئے تھے، ان سب کے منہ سے غیظ بھری آوازیں نکل رہی تھیں اور رتن چند کا خون اس کے بدن میں خشک ہوا جا رہا تھا۔

پھرے ہوئے کچھ نوجوان آگے بڑھے ان میں سے ایک نے کہا۔ ”تُو نے ہماری عزت لوٹی ہے رتن چند، ٹھا کروں نے بڑے ظلم کئے ہیں، بستی والوں پر ہم تیرے ٹکڑے کر دیں گے، ہم ٹھا کروں کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہیں۔“

بستی کے پھرے ہوئے پُر جوش نوجوان آگے بڑھے تو جے تلک کی آواز ابھری۔ ”نہیں جو انورک جاؤ۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو، ورنہ بھون کر رکھ دوں گا تمہیں۔ تم شانتی کھ کے سب سے بے غیرت لوگ ہو، کل تک تمہاری نگاہوں میں میری ماں اور بہن بے غیرت تھیں اور یہ تمہارا باپ بنا ہوا تھا۔ آج غیرت آئی ہے تمہیں پیچھے ہٹو ورنہ۔“ جے تلک کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

”جے تلک، ہم سے غلطی ہوئی، ہمیں بہکا دیا گیا تھا، ہم اپنی ماں راگ وتی اور بہن جگ وتی کا بدلہ ضروری لیں گے۔“

”مر گیا سر اچھے تلک اپنے کھیتوں میں جل کر۔ اس کی بات مت کرو، اب تمہارے سامنے میں ہوں۔ شانتی کھ کے دلش بھگت خاندان نے ہمیشہ سچائی کے دیئے جلائے ہیں، سن لو

شانتی مکھ کے لوگو، میں اور ویرا سنگھ مل کر ہر رتن چند کو ختم کر دیں گے۔ جہاں بھی ہمیں کوئی رتن ملا بھگوان کی سوغند اسے جیتا نہیں چھوڑ دیں گے، کیوں ویرا سنگھ میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”درگاما کی سوغند، میرے جیون کا مقصد اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا کہ میں اپنی ماں اور بہن کی موت کا بدلہ لوں، ان کی موت کا بدلہ ٹھا کر سے لیا جائے گا۔ ہر اس ظلم کرنے والے سے لیا جائے گا جو سیدھے سادے معصوم لوگوں کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔“ پھر جئے تلک نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ”ہاں رتن چند اب بتا، کیا کہا تھا تُو نے بستی والوں سے، میری بہن بد چلن تھی؟“

”نن..... نہیں..... باب..... بالکل نہیں۔“

”تُو نے بھرے مجمع میں یہ بات کہی تھی، اور تُو نے جو کہانی بنائی تھی، تیرا کیا خیال تھا مجھے وہ کہانی کبھی معلوم نہیں ہوگی، بول میری ماں بدکار تھی؟“

”نہیں بھگوان کے لیے مجھے شام کر دو، میں نے جھوٹ بولا تھا۔“

”جو کچھ تُو نے ان کے بارے میں بستی والوں کو بتایا تھا اس میں کتنی سچائی تھی؟“

”بالکل نہیں، سب کچھ جھوٹ تھا، رام لعل مجھے خوش کرنے کے لیے جگرتی کو اٹھالایا

تھا۔ میں نے ڈر کے مارے اسے بند کر دیا تھا، بعد میں رام لعل نے ان دونوں کو مار دیا۔“

”رام رام تُو بھی ماں بہن والا ہے، رہنما تیری بہن تھی، دیکھ لے، کیا حال کیا تُو نے اپنی

ماں اور بہنوں کا، تُو کون سی نسل کا منٹ ہے رتن چند لعنت ہے تجھ پر۔“

”اس سے بڑا کام تُو اور کر بھی کیا سکتا تھا، چلو ٹھیک ہے بستی والو! اب رتن چند تیل میں

دفن ہوگا۔ دیکھو اس کڑھاؤ میں پورے گیارہ پیسے تیل موجود ہے، یہ ہے اس کی چتا اور چتانا

کر اس کے اور بھی دوست ہوں گے جو بعد میں اسی طرح موت کا شکار ہوں گے، نرکھ میں بھی

ان لوگوں کو منڈلی کی ضرورت ہوگی۔ کیا سمجھا رتن چند تُو اکیلا نہیں ہوگا نرکھ میں، چل اب ہمت

کر میں تجھے کھول رہا ہوں۔ آگے بڑھ اور کود جا تیل کے اس کڑھاؤ میں۔“ یہ کہہ کر ویرا سنگھ

نے پستول نکال لیا۔

”تمہیں بھگوان کا واسطہ، نہیں ویرے تجھے بھگوان کا واسطہ۔ تجھے درگاما کی سوغند ایسا

نہ کر، ایسا نہ کر۔“ رتن چند دھاڑیں مار مار کر رو پڑا۔

”آگے بڑھ آگے..... جئے تلک تجھ پر رحم کھا سکتا ہے کیونکہ اس نے پریوار کے مزے

کھجے ہیں، ارے میں اکیلا رہا ہوں، میرا پر یار تو ان دو کے ساتھ ہی تھا، وہ بھی ٹوٹنے ختم کر دیا، تیرا بیڑا غرق رتن چند تیرا بیڑا غرق۔“ ویرا سنگھ نے آگے بڑھ کر رتن چند کے ہاتھ درخت سے کھول دیئے اور پھر اسے گردن سے پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا۔

رتن چند نے گرنے سے بچنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ سامنے کئے۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھا جئے تلک کی ایک زوردار لات اس کی کمر پر پڑی اور رتن چند اچھل کر کڑھاؤ کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے کنارے پکڑ کر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن تیسری لات نے اسے فضا میں اچھال دیا اور اس کے بعد اس کی بھیانک چیخ کچھ لمحے تک فضا میں گونجتی رہی۔ تیل سے ایک لمحے کے لیے دھواں اٹھا اور بس۔

لیکن کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کچھ لوگ اچانک ہی پیچھے سے کہیں چلے گئے ہیں۔ ابھی یہ لوگ رتن چند کی خوفناک موت پر غور ہی کر رہے تھے کہ اچانک ہی عقب سے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ جئے تلک اور ویرا سنگھ نے بند و قیں سنبھال کر پلٹ کر دیکھا تو کچھ جوان رام لعل کو پکڑ کر گھسیٹنے ہوئے لارہے تھے۔

ویرا سنگھ ہنس پڑا اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔ ”چلو ٹھیک ہے، ان لوگوں نے بھی اپنا کام جلد ہی کر لیا، چلو۔“ یہ کہہ کر وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے اور اس بار شانتی مکھ کے جوانوں نے رام لعل کو اٹھا کر تیل کے کڑھاؤ میں پھینک دیا۔ رام لعل تیل کے کڑھاؤ میں گرا، اس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ ایک بار اس کے ہاتھوں نے جلتے ہوئے کڑھاؤ کا کنارہ قمام کر باہر نکلنے کی کوشش کی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

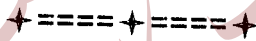
بستی کے تمام لوگ تیل کے کڑھاؤ سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھ رہے تھے اور ان کے دل دہشت سے کانپ رہے تھے۔ زبانیں گنگ تھیں، جس طرح سے یہ انتقام لیا گیا تھا اس کی توقع شاید کسی کو نہیں تھی۔ بہت سے لوگ اس خوفناک منظر سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ شانتی مکھ میں چار سو خوف کا بیڑا تھا۔

بستی کے لوگ بونے سے بھی گھبرا رہے تھے، جئے تلک تو ان کا اپنا تھا لیکن ویرا سنگھ کے تیر بہت خطرناک تھے۔ اس نے کہا۔ ”شانتی مکھ کے باسیو۔ میرے ماما تا تو پہلے ہی مر گئے تھے۔ تمہاری بستی کے لوگوں نے جئے تلک کا گھر بھی ختم کر دیا۔ اب ہمارا اس بستی سے کوئی سمبندھ نہیں رہا۔ نہ ہم اس کے دوست ہیں نہ دشمن۔ ہمیں اطمینان ہے کہ ہم نے اپنی ماما تا اور

بہن کا بدلہ لے لیا ہے اور اب ہم ایک نیا کھیل شروع کر رہے ہیں۔ انیائے کرنے والوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ وہ کیا بورہے ہیں۔ اب جب وہ اپنا بویا کاٹیں گے تو انہیں پتہ چلے گا کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں۔ آؤ چلیں جئے تلک۔ ”ویرا سنگھ نے کہا۔
اور دونوں دھرمو کے گھر سے چل پڑے۔ شانتی مکھ کے لوگ کھڑے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

رتن چند کی حویلی کا دھواں سارے شانتی مکھ پر چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر ابر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، بہت بڑا مجمع حویلی کے سامنے جمع تھا۔ آس پاس ان کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، جو بھاگنے کے لیے حویل کے دروازے سے باہر نکلے تھے اور ویرا سنگھ اور جئے تلک کی گولیوں کا شکار ہو گئے تھے جو حویلی کے چور راستوں سے بھاگ نکلے تھے، انہوں نے رات کی تاریکی میں ہی شانتی مکھ چھوڑ دیا تھا اور جنگلوں میں جا چھپے تھے۔

حویلی کے اصطبل سے نکل بھاگنے والے گھوڑے بستی میں گھبرائے گھبرائے بھاگ رہے تھے۔ ویرا اور جئے تلک نے ان میں سے دو گھوڑے پکڑے اور ان پر سواری گانٹھ لی۔ بندوقیں اور گولیاں کافی تعداد میں موجود تھیں۔ پھر دونوں شانتی مکھ میں ایک خونی داستان رقم کر کے اس سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑے۔



رشتے کبھی ٹوٹتے نہیں۔ جو کھو جاتے ہیں، انہیں بھولنے کے لیے صبر کا حوالہ دیا جاتا ہے، لیکن مجبوری کو کوئی اور نام دے لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ راگ وتی اور جگ وتی کو بھولنا کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن کم از کم یہ اطمینان ضرور تھا کہ ان کا بدلہ بھر پور طریقے سے لیا گیا ہے۔ وہ خود تو شاید اس قدر سفاکی کا مظاہرہ نہ کر سکتا لیکن ویرا سنگھ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، جس طرح اس نے رتن چند کے سامنے اس کی ماں کو جانور کی طرح ذبح کر دیا تھا، وہ معمولی بات نہیں تھی۔

خود جئے تلک نے رتن چند کی حویلی کو آگ لگا دی تھی۔ اس حویلی میں عورتیں اور مرد سبھی تھے۔ اسے رنجنا بھی یاد تھی جسے اس نے گڑے ہاتھی کی پیٹھ سے اٹھا لیا تھا۔ ظاہر ہے رنجنا بھی حویلی میں جل کر راکھ ہو گئی ہوگی۔ ویرا سنگھ نے جو کچھ کیا تھا، اس کے بارے میں جئے تلک نے کئی بار سوچا تھا۔ پتہ نہیں ویرا سنگھ کے سینے میں کیا آگ چھپی تھی جو ایک دم آتش فشاں کے

لاوے کی طرح اہل پڑی تھی اور اس نے رتن چند اور رام لعل کو جلتے تیل میں ڈال دیا تھا۔
 بہر حال دونوں کے گھوڑے سفر طے کرتے رہے۔ جئے تلک کو اس بات کا بھرپور
 طریقے سے ادراک تھا کہ دبے پتلے بدن کا مالک ویرا سنگھ اپنے اندر ایک کھولتا ہوا آتش فشاں
 سوئے ہوئے ہے، وہ زیرک بھی ہے، سفاک بھی ہے اور ایک محافظ بھی.....! وہ کہیں راستے
 میں نہیں رکا تھا بلکہ ایسے راستے اختیار کر رہا تھا جو عام گزرگاہ نہیں تھے اور یہ ایک سمجھداری کی
 بات تھی۔

سارا دن اور ساری رات سفر کیا گیا تھا۔ تندرست و توانا گھوڑوں نے کہیں بھی سُستی یا
 کاہلی نہیں دکھائی تھی لیکن اب جوں جوں صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ ان کے انداز میں تھکن
 پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ آخر کار ایک جگہ ویرا سنگھ نے گھوڑوں کی رفتار سُست کی۔ یہ پنہاڑی کا
 جنگل تھا۔ جئے تلک کا ادھر کبھی آنا نہیں ہوا تھا لیکن پنہاڑی کے جنگل کے بارے میں اس نے
 سنا تھا۔ یہ جنگل درندوں سے پاک تھا، لیکن باقی دوسرے جانور یہاں نظر آجایا کرتے تھے۔ دو
 آبادیوں کے درمیان یہ ایک مختصر گزرگاہ بھی تھی اور اکثر کبھی کبھی لوگ راستہ کاٹ کر ادھر سے
 نکل آیا کرتے تھے لیکن یہ وہی لُگ ہوا کرتے تھے جو جنگل کی دشواریوں کو جھیلنے کی سکت رکھتے
 تھے۔

جئے تلک نے بھی گھوڑا ردک لیا تو ویرا سنگھ نے کہا۔ ”گھوڑوں کو چرنے چھوڑ دو، اچھی
 جگہ ہے، پانی بھی نظر آ رہا ہے مجھے۔“ اس نے سامنے ایک جوہڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
 کہا اور گھر خود اپنے گھوڑے سے کود گیا۔

جئے تلک نے بھی اس کی تقلید کی۔ دونوں چلتے ہوئے پیپل کے ایک بڑے گھنے درخت
 کے نیچے جا پہنچے۔ ویرا سنگھ نے بندوق اتار کر درخت کے تنے سے لگائی اور پاؤں پھیلا کر بیٹھ
 گیا۔ جئے تلک بھی اس کے پاس ہی آ بیٹھا تھا۔

ویرا سنگھ نے مسکراتے ہوئے جئے کو دیکھا اور بولا۔ ”دیکھ جئے تلک! ماتا جی اور جگ
 وتی کے قاتلوں کو ہم نے صبح جگہ پہنچا دیا ہے، جب انسان کے من کی آگ ٹھنڈی ہو جائے تو پھر
 آنسوؤں کو آنکھوں میں جگہ نہیں دینی چاہئے، یہ ٹھا کر جو اپنی برادریوں سے باہر کے لوگوں کو بیچ
 ذات کہہ کر ان کی بے عزتی کرتے ہیں اور ان پر مظالم ڈھاتے ہیں، ہمارے ہی منتظر تھے، اب
 ہمارا فرض ہے کہ ان کے لیے مرنا بھی مشکل کر دیں مگر ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے ہمیں طاقت

چاہئے ہوگی، راستے بھر میں اس بارے میں سوچتا رہا ہوں کہ اب جب ہم نے اپنا سب کچھ جلا کر ان راستوں کو اپنا لیا ہے تو اب ہمیں کافی کام کرنا ہوگا، اس کے لیے کچھ ساتھی ضروری ہوتے ہیں، پتہ نہیں دھر مو کہاں چلا گیا لیکن جب بھی وہ ملا ہم اسے ضرور اپنے ساتھ رکھیں گے اور میں نے کچھ نام بھی سوچے ہیں، ان لوگوں سے ملتے ہیں، ان میں رام کشن، ہری لعل، مٹھو پٹھان اور صابر شاہ جیسے لوگ ہیں جنہیں ہم نے اپنا ساتھی بنانا ہے۔“

”مہاگنی کے میلے میں یہ سب ہمیں ملے تھے نا.....؟“ جئے تلک نے کہا اور اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی کیونکہ مہاگنی کے اس میلے میں جگہ جگہ قوتی بھی اس کے ساتھ تھی اور وہ اسے میلہ گھماتا رہا تھا۔ دیر اسٹگھ اس ہوک کو محسوس کر سکا یا نہیں.....! لیکن وہ ان لوگوں کو یاد کنڈ رہا تھا جو بڑے جیا لے تھے اور ٹھا کروں کے ہاتھوں کافی تکلیفیں اٹھاتے رہتے تھے۔

اچانک ہی جئے تلک نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ارے دیکھو، شاید پولیس ہماری تلاش میں نکلی ہے۔“ بہت دور انہیں پولیس کی وردیاں نظر آئی تھیں۔ پولیس والے گھوڑوں پر سوار اسی طرف آرہے تھے۔

”سروں نے بڑی جلدی ہمارا پیچھا کیا، حیرت کی بات ہے۔“ دیر اسٹگھ نے فوراً چوکس ہو کر سنہیلے ہوئے کہا۔

دونوں گھوڑوں کو ایک چٹان کی آڑ میں لے گئے اور ان پولیس والوں کا جائزہ لینے لگے جن کے گھوڑوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ وہ بالکل سیدھ میں آرہے تھے۔

پھر اچانک ہی جئے تلک نے حیرانی سے کہا۔ ”ارے یہ تو وہ داروغہ جی ہیں جو چوکی سے بھاگ گئے تھے، انہوں نے ہی تو مجھے گرفتار کیا تھا اور تم نے اس دن یہ انکشاف کیا تھا کہ مجھے چھوڑنے میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں تھا بلکہ تم ان کے بیٹے کو اٹھا کر لے گئے تھے۔“

”ہاں اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ تھا مگر داروغہ جی اس کے بعد وہاں سے بھاگ گئے تھے۔“

”تب تو پھر ان سے ملنا بڑا ضروری ہے لیکن کیا انہیں ہماری تلاش میں بھیجا گیا ہے؟“

”تم رکو، میں ان سے مل لوں۔“ جئے تلک نے کہا۔

”جئے تلک نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں سے پولیس والوں کی نگاہ اس پر پڑ سکتی تھی۔ داروغہ جی سب سے آگے تھے اور شاید وہ جئے تلک کو پہچان نہیں سکے تھے۔

ان کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور پھر انہوں نے گھوڑا ردک لیا اور جے تلک کو دیکھتے ہوئے بولے۔ ”کون ہے تُو اور یہاں اس طرح میرے سامنے کیوں آکر کھڑا ہو گیا ہے؟“

”کیا آپ کو میری تلاش نہیں تھی داروغہ جی.....“

”میں کہتا ہوں..... ارے تُو..... وہی ہے شانتی مکھ میں رہنے والا..... کیا نام تھا، تیرا، مجھے یاد نہیں آ رہا، رتن چند سے تیرا جھگڑا چلا تھا، وہی ہے نا تُو.....؟“

”ہاں داروغہ جی! وہی ہیں ہم اور آپ نے ہمیں رتن چند کے کہنے پر گرفتار کیا تھا۔“

”پھر چھوڑ دیا تھا تجھے، اب کیسے یہاں آیا ہے اور یہ تیرے پاس اتنا سارا اسلحہ کیسے اور کون کون ہے تیرے ساتھ.....؟“ داروغہ جی گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگے مگر انہیں آس پاس کوئی نظر نہیں آیا۔ دیرانگھ چٹان کی اوٹ میں موجود تھا اور اس نے بندوق سنبھالی ہوئی تھی۔ داروغہ جی اسے اکیلا پا کر اکڑ گئے۔

”یاد آ گیا مجھے سب کچھ یاد آ گیا تُو درگا تلک بھنڈاری کا بیٹا ہے نا، وہ جوٹھا کروں کے ہاتھوں مارا گیا تھا؟“

”بڑی معلومات ہیں آپ کو داروغہ جی میرے بارے میں..... اپنے بارے میں کیا معلوم ہے آپ کو؟“

”تُو کیا سمجھتا ہے، ہم نے شانتی مکھ کی چوکی چھوڑ دی تو کیا تھانیداری بھی چھوڑ دی اور یہ جوٹو بک بک کر رہا ہے، اس کی بڑی قیمت دینی ہوگی تجھے، چلو پکڑو اسے، میں دیکھتا ہوں یہ کتنے پانی میں ہے۔“

”نانا داروغہ جی! میری بات تو سنیں، اب آپ مجھے کس جرم کے الزام میں پکڑ رہے ہیں، ذرا مجھے یہ بتا دیجئے؟“

”پہلے چھوڑ دیا تھا تجھے، وہ جوٹھانا کیا نام تھا اس کا گونا گڑھی کار بننے والا تھا وہ..... نام اتر گیا ہے اس کا میرے دماغ سے، اس نے اٹھالیا تھا میرے بیٹے کو، بس سمجھ لے اس لیے جان بچ گئی تیری ورنہ تجھے تو مزہ چکھا دیتے، آج بھی تیرا پرچہ موجود ہے ہمارے پاس..... چلو اسے گرفتار کر لو۔“

”میری بات تو سن لیجئے داروغہ جی!“ جے تلک نے نرمی سے کہا اور چند قدم پیچھے ہٹ

گیا۔

سپاہی گھوڑوں سے اتر کر جئے تلک کی طرف بڑھے تھے کہ اسی وقت دو فائر ہوئے اور دو سپاہی زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

وہ سپاہی زمین پر گرے تو باقی سپاہی بدحواس ہو گئے اور انہوں نے اپنی بندوقیں سیدھی کر لیں مگر بد نصیب تھے۔ دوسری طرف سے تڑا تڑا گولیاں چلنے لگیں اور نشانہ ایک بھی خالی نہیں گیا۔ سپاہیوں کے جسموں میں سوراخ ہو گئے، داروغہ جی کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں کے تڑپتے ہوئے اور خون اگلنے ہوئے جسم ان کے سامنے تھے۔

اسی وقت جئے تلک نے ان پر بندوق تان لی اور داروغہ جی نے خوف زدہ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ مردہ سپاہیوں کے گھوڑے بھڑک کر بھاگ اٹھے تھے اور جو سپاہی زندہ بچ گئے تھے، انہوں نے خود اپنی بندوقیں پھینک کر ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

ویرانگہ نے وہی کیا تھا جو اس سے توقع کی جاسکتی تھی۔ وہ اسی قماش کا انسان تھا۔ اس کے دل میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی، وہ جئے تلک کی آگ سے کہیں زیادہ شدید تھی اور اس نے آگ کا عملی مظاہرہ بھی کر دیا تھا۔ اس کے اندر کی کیفیت کو پڑھانہیں جاسکتا تھا۔ جس لڑکی سے وہ محبت کرتا تھا، شاید آج تک اسے بھی اس کے اندر کی کیفیت کا کوئی علم نہیں ہوا تھا۔

”ہاں داروغہ جی ہم نے آپ کے رتن چند مہاراج کے ساتھ دوسر کاری افسروں کو بھی جیتا جلا دیا، رتن چند جی تو کھولتے تیل میں جل کر مرے، ویسے آپ بڑے بے مروت ہیں، آپ کو کم از کم اپنے دھرم کا خیال تو رکھنا چاہئے تھا، تمک کھایا تھا آپ نے ان کا!“

”کک..... کیا رتن چند مارا گیا؟“

”ہاں وہ چلا گیا اور ساتھ ہی ہم نے اس کا پورا گھرانہ بھی پھونک دیا مگر آپ رہ گئے، آپ نے بھی اس کے ساتھ مل کر کیا کچھ نہیں کیا، آپ سے ملنا بھی بہت ضروری تھا ہمارے لیے!“

”رتن چند مارا گیا۔ یہ کب کی بات ہے؟“ داروغہ جی نے بدحواس لہجے میں پوچھا اور جئے تلک کو یہ اندازہ ہو گیا کہ داروغہ جی کم از کم ان دونوں کی تلاش میں نہیں نکلے ہیں۔ انہیں تو اس پورے واقعے کی خبر بھی نہیں ہے۔

اس نے کہا۔ ”میں نے کہا تا داروغہ جی! آپ کو خبر رکھنی چاہئے تھی، اپنے دوست کی، وہ

جل کر کباب ہو گیا سررا، چلو ٹھیک ہے۔“ دفعتاً ہی دو فائر اور ہوئے اور دو سپاہی اوندھے منہ نیچے آ رہے۔ انہوں نے جتنے تھک کو گفتگو میں مصروف دیکھ کر بندوقیں سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی۔

داروغہ جی کی خوف زدہ آواز ابھری۔ ”یہ فائرنگ کون کر رہا ہے؟“
 ”وہی آپ کا یا رویرا سنگھ..... بلکہ اب تو ڈاکو ویرا سنگھ کہیں اسے، ہم نے آپ کی سرکار کے خلاف بندوق اٹھالی ہے اور آپ کی سرکار ہم سر اٹھانے والے کو ڈاکو کہہ کر مار دیتی ہے ٹھاکروں کے کہنے پر، لیکن سے بدل گیا ہے داروغہ جی! سے بدل گیا، بے غیرتوں کو ٹھکانے لگانا اب ہمارا دھرم ایمان ہے۔ خاص طور سے یہ بے غیرت جاگیردار جو من مانی کر رہے ہیں، سمجھے..... اب یہ بتائیے آپ کو سپاہی تو اتنے سارے مارے گئے، یہ دھوکا کئے ہیں، کیا کریں، آپ کے ساتھ انہیں بھی انہی کی جگہ پہنچا دیں؟“
 ”دیکھو تم لوگوں نے، تم نے میرا مطلب ہے، تم نے بہت بُرا کیا ہے، ہم تو اس راستے سے گزر رہے تھے، ہمیں کاہنہ ہستی جانا تھا۔“

”چلے ٹھیک ہے، فیصلہ میں کئے دیتا ہوں، آپ جائیے اور اپنے نقلی ہاؤس کو بتا دیں کہ زمین کا سینہ چیر کر اناج اگانے والے کسانوں نے بندوق اٹھالی ہے اور جب مل چلانے والا کسان بندوق پکڑ لیتا ہے تو طوفان آ جاتے ہیں، بڑی محنت کی ہے آپ لوگوں نے ہمیں جگانے میں، اب ان جاگیرداروں کی خیر نہیں ہے جو ہم جیسے لوگوں پر ظلم کرنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں، پر اب کیا کریں، ہم جاگ گئے، اب آپ ہمیں روکئے، چلیں داروغہ جی! بندوق پھینک دیں۔“
 ”یہ سرکاری بندوق ہے جتنے تھک!“ داروغہ جی ہکلائے۔

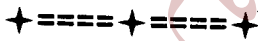
”پھینک دیں داروغہ جی! اسے پھینک دیں، کہیں یہ سرکاری بندوق آپ کی جان ہی نہ لے لے، آ جاؤ ویرا سنگھ، باہر آ جاؤ، ان کا کھیل ختم ہو گیا ہے۔“
 ویرا سنگھ چٹان کے پیچھے سے باہر آ گیا تھا۔ ”یہ سپاہی تو کافی مارے گئے ہیں، ایک دو بچے ہیں انہیں داروغہ جی اٹھا کر لے جائیں گے، میرا خیال ہے داروغہ جی ہمارے بارے میں دنیا کو بتانے کے لیے اچھے رہیں گے، کیا کہتے ہو؟“
 ”ٹھیک ہے۔“

”ٹھیک ہے داروغہ جی! اب تم جاؤ، ہم تمہیں صرف اس لیے چھوڑ دے رہے ہیں

کہ تم اپنی سرکار کو ہمارے بارے میں بتا دو لیکن ایک بات دماغ میں رکھنا، تمہارا یہ جیون عارضی ہے، کوشش کرنا کہ دوبارہ ہمارے سامنے کبھی نہ آؤ، اس کے بعد اگر کبھی ہمارا اور تمہارا سامنا ہو گیا تو پھر تم جیتے نہیں جاسکو گے۔“

داروغہ جی کو اس کی اُمید نہیں تھی کہ ان کی جان بچ جائے گی۔ وہ تو صحیح معنوں میں یہ اندازہ بھی نہیں لگا پارہے تھے کہ جو سپاہی گولیوں سے زخمی ہوئے ہیں، ان میں سے کوئی زندہ بھی ہے یا سب مر چکے ہیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گئے اور پھر اتنی پھرتی سے انہوں نے گھوڑے پر چڑھ کر اس کو دوڑایا کہ جتنے تک اور دیر اسٹگھ کے قہقہے بھی پچھے رہ گئے۔ کچھ سپاہی بھی بدحواسی سے اپنے گھوڑوں کی طرف دوڑے تھے۔ انہیں اُمید نہیں تھی کہ ان کی جان بچ جائے گی، انہوں نے کی طرف توجہ نہیں دی تھی جو آہستہ ہاتھ پاؤں ہلا کر زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے زندگی کی آخری سانس نے رہے تھے۔

”میں نے غلط تو نہیں کیا دیر اسٹگھ؟“ ان لوگوں کے جانے کے بعد جتنے تک نے کہا۔
 ”میرے یار نے جو کیا، وہ سب ٹھیک کیا، نہ گھوڑا دور ہے نہ میدان..... وہ سارا ہمارے ہاتھوں سے بچ کر جائے گا کہاں، ویسے میرا خیال ہے یہ بندوقیس ہماری ضرورت ہیں، ہمارے ساتھیوں کو ان سے بڑا فائدہ ہوگا، اسلحہ تو ہمیں ایسے ہی جمع کرنا پڑے گا۔“
 سپاہیوں کے جسموں سے جو کچھ برآمد ہوا، اسے قبضے میں لے لیا گیا، بندوقیس بھی سنبال لی گئیں اور سرکاری کار توں بھی..... یہ دیر اسٹگھ ڈاکو کی پہلی ڈکیتی تھی۔



داروغہ جی کے سپرد جو کام کیا گیا تھا، انہوں نے اسے بخوبی انجام دیا۔ ایک طرف تو رتن چند کی موت اور اس کے ساتھ دوسرے کاری افسر جو زندہ جل گئے تھے، کی خبر نے تہلکہ مچا دیا تھا، تو دوسری طرف داروغہ جی نے خوب آگ لگائی اور اعلیٰ حکام کو جتنے تک اور دیر اسٹگھ کے بارے میں بڑی سنسنی خیز رپورٹیں دیں، نتیجے میں چاروں طرف احکامات جاری کئے جانے لگے اور ایک طوفان سا برپا ہو گیا۔

پولیس نے بے شمار لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا۔ یہ وہ تھے جن کا دیر اسٹگھ سے کہیں دور کا بھی کوئی رشتہ نہ لگتا تھا۔ ان پر تشدد کیا جانے لگا اور ان سے دیر اسٹگھ اور جتنے تک کے بارے میں معلومات حاصل کی جانے لگیں، لیکن تفتیش کرنے والے حکام کو دیر اسٹگھ یا جتنے

تلک کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی۔

البتہ اس دوران یہ دونوں بڑی تیزی سے اس علاقے سے دور نکل آئے تھے، ویرا سنگھ نے اپنا حلیہ بدل لیا۔ اس نے ایک پنڈت کا روپ دھار لیا تھا۔ دبے پتلے بدن کا مالک تھا اور پنڈت کے روپ میں اصل پنڈت معلوم ہوتا تھا، ویرا سنگھ کو اس بات کا یقین تھا کہ داروغہ جی نے ان کے بارے میں خوب کہانیاں گھڑی ہوں گی اور پولیس شدت سے انہیں تلاش کر رہی ہوگی، بہر حال دونوں مطمئن تھے۔ ماں اور بہن کا بھرپور انتقام لینے کے بعد جنے تلک کو بھی قرار آ گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر رخ و غم کی لکیریں نظر نہیں آتی تھیں۔

جنے تلک نے کہا۔ ”میرا خیال ہے ویرے ہمیں ہری لعل کے پاس چلنا چاہئے، ہمیں اب چار پانچ بندے اکٹھے کر لینے چاہئیں، ہری لعل ہے، اس کے بعد مٹھو پٹھان کو دیکھیں گے، رام کشن بھی ہمارے کام کا ثابت ہوگا، پہلے ہم اسلحہ کو چھپائے دیتے ہیں، ضرورت پڑنے پر حاصل کر لیں گے۔“

”اس کے علاوہ ایک اور بات ہے، ہری لعل نے دسویں پاس کر لی ہے اور ہمیں بہر حال ایک پڑھے لکھے آدمی ضرورت ہے۔“

”تمہارے خیال میں ہری لعل ہمارے ساتھ شامل ہونے کو راضی ہو جائے گا۔“

”سو فیصد ہو جائے گا۔ اس کے اندر بغاوت بھری ہوئی ہے، سماج کے ٹھیکے داروں نے

اور ان کے سر پرستوں نے بڑے ظلم ڈھائے ہیں۔ ہری لعل کے بارے میں تمہیں بتاؤں وہ ایک زمیندار کے ہاں نوکری کرتا تھا۔ زمیندار بے شک اچھا آدمی تھا لیکن ایک اور بڑے زمیندار سے اس زمیندار کی ٹھن گئی۔ ایک بار دونوں کی بھینٹ ہو گئی۔ گولیاں چلیں اور دونوں طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے لیکن دوسرے زمیندار نے ہری لعل کے پتا ہر چندی کو خواہ مخواہ گرفتار کر دیا، جبکہ اس بے چارے کا اس ہنگامے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بڑا زمیندار جس کا نام دھورج لعل تھا، نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہری لعل کے پتا کو موت کی سزا دلوا دی اور ہری لعل کو ایک ذکیمتی کے الزام میں گرفتار کر دیا اور جیل میں ڈال دیا۔ ہری لعل جس زمیندار کے ہاں نوکری کرتا تھا وہ ہری لعل کے بے گناہ باپ کو پھانسی کے پھندے سے تو نہیں بچا سکا، البتہ اس نے ہری لعل کو ذکیمتی کے الزام سے بچا کر رہا کر لیا، ہری لعل اب بھی اسی زمیندار کے ہاں نوکر ہے، لیکن وہ انتقام کی آگ میں جل رہا ہے اور مجھ سے ایک دو بار اس کی ملاقات ہوئی

تو اس نے کہا کہ یہ بڑے لوگ ہمیں پس کر رکھ دیں گے ہمیں، ان کے خلاف مجاہد بنانا چاہئے۔“
 ”تو پھر چلو دیر کس بات کی؟“ اور اس کے بعد ان کے گھوڑے شام کے جھپٹے میں تیز رفتاری سے بلند شہر کی جانب دوڑنے لگے۔

انہیں ہر طرف کا خیال رکھنا تھا۔ ان دنوں ہندوستانی سپاہیوں کی ٹولیاں کسی نہ کسی بڑے افسر کی سرکردگی میں راتوں کو گھوڑوں پر گشت کرتی رہتی تھیں، ہر مشکوک آدمی روکا جاتا تھا اس لیے دونوں کو کوشش کر رہے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے ویران راستوں کا انتخاب کریں۔

آخر کار آدھی رات کو وہ بلند شہر میں اس جگہ پہنچے جہاں ہری لعل رہتا تھا۔ اس وقت پوری بستی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، گلیوں کے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں کہیں کہیں سنائی دے جاتی تھیں، ہری لعل کے دروازے کی زنجیر کافی دیر تک بجانی پڑی تو اس کا دروازہ کھلا اور ہاتھ میں لائٹن لیے اور چادر اوڑھے ایک شخص ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔

اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ ”کون ہو بھائی تم لوگ؟“ وہ شاید گھوڑوں کے ساتھ کھڑے سواروں کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔

”ہری لعل میں جئے تلک ہوں، جئے تلک بھنڈاری؟“ جئے تلک نے کہا۔ ہری لعل کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ ”ایس.....“ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر لائٹن زمین پر رکھی اور پھر جئے تلک سے لپٹ گیا۔ دیر تک وہ اس سے لپٹا رہا پھر بولا۔ ”ماتا جی اور بہن جی کیسی ہیں۔ تم تو ٹھیک ہو، تمہارے اس طرح یہاں آنے پر مجھے حیرانی ہوئی ہے، یہ کون ہیں؟“
 ”یہ ویرا سنگھ ہے میرا دوست۔“

”ارے ہاں ان سے تو ایک مرتبہ شانتی کھ میں ملاقات ہوئی تھی۔ آؤ بھیا اندر آ جاؤ۔“
 اس نے ویرا سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”ہری لعل! تم ہمارے گھوڑے باندھ دو۔ ہم یہیں کھڑے ہوتے ہیں۔ پہلے ہمارے گھوڑوں کا بندوبست کرو، اس کے بعد.....“ جئے تلک نے کہا۔

”ہاں ہاں جئے تلک بھیا کیوں نہیں۔“ ہری لعل بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کی آواز سے ہی خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ ویرا سنگھ اس کا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔

ہری لعل دونوں گھوڑے لے کر چلا گیا تو ویرا سنگھ نے مدبرانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کام آدمی ہے۔“

جئے تلک بولا۔ ”تم نے لائین کی روشنی میں ہی اس کا اندازہ لگالیا کہ یہ کام کا آدمی ہے۔“

دیر اسٹکھ نے اپنی عادت کے مطابق کوئی جواب نہیں دیا، کچھ لمحوں کے بعد ہری لعل گھر کے پچھواڑے گھوڑے باندھ کر واپس آ گیا۔ اس نے نیاز مندی سے دونوں ہاتھوں جوڑے اور انہیں لے کر اندر داخل ہو گیا، چھوٹی سی ڈیوڑھی میں دو چار پائیاں بچھی ہوئی تھی۔

ہری لعل نے لائین کی بتی نیچے کی، اسے ایک اونچی جگہ رکھا اور پھر محبت سے بولا۔ ”دھنوا دجئے تلک جی تم دونوں نے میرے گھر کو عزت دی ہے میں بہت خوش ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے جانا چاہتا ہوں تاکہ کھانے پینے کے لیے جو دال دلیہ ہے لے کر آ جاؤں۔“

”نہیں ہری لعل ہم کھانا کھا چکے ہیں، اس سے کچھ نہیں۔ صبح ناشتہ تمہارے ساتھ ہی کریں گے۔ بیٹھو تم سے باتیں کرنی ہیں۔“

ہری لعل نیچے بیٹھنے لگا تو جئے تلک نے جلدی سے کہا۔ ”یار یہ تم کیا کر رہے ہو، تم دوست ہو میرے۔“

”سو تو ٹھیک ہے پر دیر اسٹکھ مہاراج پہلی بار میرے گھر آئے ہیں۔ غریب کے گھر دیوتا پدھارے ہیں، ان کی عزت کر رہا ہوں۔“

”تم میرے بھائی ہو ہری لعل آؤ بیٹھو میرے ساتھ۔“ دیر اسٹکھ نے ہری لعل کو اپنے پاس بٹھایا تو ہری لعل بہت خوش ہوا۔

”ہری لعل تم نے ماتا جی اور جگ دتی کے بارے میں پوچھا تھا، دونوں، دونوں اب اس سنسار میں نہیں ہیں، شانتی کھ کے تھا کرتن چند نے ان دونوں کو گولی مار دی۔“

ہری لعل اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا، اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور اس کے اندر ایک عجیب سا ہیجان برپا ہو گیا تھا، جئے تلک نے کہا۔ ”ہم ان کا سوگ منا چکے ہیں، ہری لعل اور ہم نے رتن چند اور اس کے سارے پر یوار کی ارقھی جلا دی ہے۔ رتن چند کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال دیا ہے اور اس کے بعد اب ہم سیدھے تمہارے پاس آئے ہیں، کیونکہ ہمیں معلوم ہے تمہارے پتا جی کے ساتھ بھی کیا ہوا ہے۔“

ہری لعل پر تھوڑی دیر تک یہ ہیجانی کیفیت طاری رہی، پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ سرے اسی قابل ہیں، تم نے تو بدلہ چکا دیا ہے جئے تلک پر میری آتما کو آج تک شانتی

نہیں ملی۔ میں اپنے ہتا کے قاتلوں سے آج تک بدلہ نہیں لے سکا اور میں نہیں جانتا، کہ کبھی ہیون میں، میں اپنے ہتاچی کے قاتلوں سے بدلہ لے سکوں گا یا نہیں۔“

”تو میں کس لیے آیا ہوں تیرے پاس میں جو ہوں، بات تو میرے علم میں پہلے سے تھی لیکن اپنے من میں آگ لگی تو تیرے من کی آگ کا پتہ چلا، ہمیں بہت کچھ کرنا ہے، ہری لعل بہت کچھ کرنا ہے۔“ جنے تلک بولا۔

”ٹھیک ہے جیسا تو کہے۔“ چنانچہ دس دن تک ویرا سنگھ اور جنے تلک ہری لعل کے گھر رہے، ہری لعل کا مالک زمیندار بہت اچھا آدمی تھا، ہری لعل نے اس سے چھٹی لے لی تھی، لیکن اسے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ چھٹی کیوں لے رہا ہے، تیسرا گھوڑا ہری لعل اپنے زمیندار ہی کا لے کر آیا تھا اور پھر اس کے بعد یہ تینوں اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر نکل آئے۔

ہری لعل کو بھی بندوق دے دی گئی تھی اور اس کے بعد وہ ہاتھرس کی سمت چل پڑے تھے۔ دھورج لعل، ہاتھرس کے پاس ایک گاؤں بھوج گڑھی کا زمیندار تھا، بھوج گڑھی کے علاوہ اس کی زمینیں دور دور پھیلی ہوئی تھیں، یہ بھی دوسرے ٹھاکروں کی طرح بہت بااثر آدمی تھا اور حکومت میں اس کے کئی رشتہ دار اچھے اچھے عہدوں پر فائز تھے۔

پولیس اس کے ہاتھوں میں کھلونا تھی اور اس کی وجہ سے اس کا غرور آسمان کو پہنچا ہوا تھا، وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، لوگ اس کے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس کے علاوہ تھا بھی وہ لبا ترنگا۔ بڑی بڑی مونچھیں چہرے کے دونوں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں ہر وقت سرخی لہراتی رہتی تھی۔ یہ تینوں پہلے ہاتھرس پہنچے اور وہاں شہر کے آخری سرے پر ایک سرائے میں جا کر ٹھہرے، انہوں نے خود کو مسافر بتایا تھا اور اپنا اسلحہ چھپا کر رکھ لیا تھا۔ سرائے کے مالک نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ یہاں تو روز دور دراز کی بستیوں سے مسافر آتے ہی رہتے تھے۔ رات کو تینوں دوست مل کر بیٹھے، ویرا سنگھ اپنی عادت کے مطابق کوئی ایسا ہی کھیل کھیلنا چاہتا تھا جو ہاتھرس اور بھوج گڑھی کے علاقوں میں فراموش نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اس نے ایک تجویز پیش کی اور اس پر غور کیا جانے لگا، البتہ اس تجویز پر ہری لعل تھوڑا سا جربز ہو گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ دھورج لعل پر اس طرح قابو پایا جاسکتا ہے، لیکن ویرا سنگھ ہمیشہ انوکھے کھیل کھیلتا تھا۔

ہری لعل نے جھجکتے ہوئے کئی بار اس سے اس بارے میں سوالات کئے اور ویرا سنگھ اور

جئے تلک نے اسے یقین دلایا کہ وہ یہ کام آسانی سے کر لیں گے، سرائے میں تین دن رہ کر انہوں نے آس پاس کی نگرانی کی۔ انہوں نے بھوج گڑھی کے آس پاس چکر لگا کر یہ اندازہ بھی لگایا کہ دھورج لعل کے معمولات کیا ہیں۔ پھر چوتھے دن وہ صبح ہی صبح اپنے پروگرام پر عمل کرنے کو تیار ہو گئے۔

دھورج لعل کی عمر حالانکہ اچھی خاصی تھی، لیکن اس کی شاندار صحت اسے جوان بنائے ہوئے تھی اور اس کی جوانی کا راز یہ تھا کہ اس نے اپنے معمولات بہت اچھے رکھے تھے، وہ صبح کو گھوڑے کی سواری کرتا تھا اور بستی سے بہت دور کھیتوں کی طرف نکل جاتا تھا، اس کے ساتھ صرف ایک سائیکس ہوتا تھا جو دوسرے گھوڑے پر سوار اس کے پیچھے چلتا تھا۔

ان تمام معمولات کو ان لوگوں نے اچھی طرح نوٹ کیا تھا۔ پھر یہ تینوں ایک کھیت میں جا کر اس کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ سورج ابھی درختوں کے پیچھے تھا اور آسمان پر پرندوں کی ڈاریں محو پرواز تھیں۔ انہوں نے دور سے دھورج لعل کو گھوڑے پر آتے ہوئے دیکھا، جونہی دھورج لعل اپنے سائیکس کے ساتھ ان کے پاس پہنچا، تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے چل پڑے، دھورج لعل نے انہیں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اس سے پہلے اسے اس طرح کے لوگ کبھی نظر نہیں آئے تھے۔ ویسے اس کا غرور کبھی کسی کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ اس کے معمولات میں کسی طرح کی کوئی مداخلت ہو اور بھوج گڑھی کے آس پاس کے لوگ یہ بات جانتے تھے کہ دھورج لعل مہاراج کس سے سیر کے لیے نکلتے ہیں۔ ان کے راستے میں آنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

دھورج لعل نے اپنا گھوڑا روک لیا اور غصیلی نگاہوں سے ان سواروں کو دیکھنے لگا، اسے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اتنی جرأت کی ہے۔ یہ تینوں کچھ لحوں کے بعد اس کے قریب پہنچ گئے، دیرا سنگھ اور ہری لعل تو کچھ گڑ پیچھے رہے تھے لیکن جئے تلک نے اپنا گھوڑا دھورج لعل کے گھوڑے کے برابر لے جا کر کھڑا کر دیا اور دھورج لعل خونی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کون ہے رے ٹو کہیں باہر سے آیا ہے، کیا تجھے کسی نے یہ بات نہیں بتائی کہ اس سے ان علاقوں میں کون سواری کے لیے نکلتا ہے؟“

”باہر سے آئے ہیں مہاراج، ویسے ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ ساری دھرتی آپ کے پتا

جی کی ہے۔“ جئے تلک کی بات سن کر دھورج لعل نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا ہوا چابک گھما دیا جو جئے تلک کے بازو پر لگا اور جئے تلک کا خون کھول اٹھا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے گھوڑے سے کود کر دھورج لعل کے گھوڑے پر چھلانگ لگا دی اور اس کے پیچھے پہنچ گیا۔ پھر اس نے لگا تار کئی چابک گھوڑے کو سید کئے اور گھوڑا ہوا ہو گیا، لیکن جئے تلک نے دھورج لعل کو گھوڑے سے گرنے نہیں دیا تھا، ادھر دھورج لعل کے سائیس نے یہ صورت حال دیکھ کر اپنے گھوڑے کو چابک لگایا اور ان دونوں کے پیچھے اپنا گھوڑا لگا دیا۔

”آؤ ہری لعل۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور ان دونوں کے گھوڑے بھی آگے جانے والے گھوڑوں کے پیچھے دوڑ پڑے۔ منصوبے کے مطابق جئے تلک دھورج لعل کو قابو میں کئے کافی دور نکل آیا۔

کچھ فاصلے پر آم کا ایک باغ نظر آ رہا تھا، جو بڑا شاندار تھا، آموں کے درخت کافی گھنے تھے۔ جئے تلک نے گھوڑے کا رخ اس طرف موڑ دیا، ادھر پیچھے پیچھے دھورج لعل کا سائیس بھی اپنا گھوڑا دوڑائے آ رہا تھا اور اس کے پیچھے ہری لعل اور ویرا سنگھ، ویرا سنگھ نے اس دوران جئے تلک کے خالی گھوڑے کی لگا میں پکڑ لی تھیں۔

سائیس کا گھوڑا جئے تلک کے گھوڑے کے برابر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ تو ویرا سنگھ نے بندوق سیدھی کی اور بڑے اطمینان سے سائیس کا نشانہ لے کر گولی چلا دی، گولی نے سائیس کے سر کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے، وہ تو گھوڑے سے گرا ہی تھا لیکن ساتھ ہی گھوڑے نے بھی قلابازی کھائی تھی اور سائیس پر جا گرا تھا، ویرا سنگھ نے ایک گولی گھوڑے پر چلائی۔

گھوڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گولی نے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اس دوران جئے تلک دھورج لعل کے ساتھ آم کے باغ میں داخل ہو گیا تھا اور گھوڑے کو روکے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ گھوڑے کو روکنے میں کامیاب ہو گیا، دھورج لعل اس دوران کہنی اور گھونے مار مار کر جئے تلک کو گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن خوب تندرست اور طاقتور ہونے کے باوجود جئے تلک کو نیچے نہیں گرا سکا۔

پھر کچھ بھی لمحوں کے بعد ویرا سنگھ اور ہری لعل بھی ان کے سروں پر پہنچ گئے، تب جئے تلک، دھورج لعل کی گردن میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے سے نیچے کود گیا، نیچے پہنچتے ہی اس نے اس

کی گردن چھوڑ دی تو دھورج لعل زمین پر چپت جا گرا۔ اب اس کی ساری اکڑفوں غائب ہو گئی تھی اور وہ زمین پر لیٹا خوف زدہ لگا ہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

”ہاں دھورج لعل مہاراج، اب پوچھیں آپ ہم سے کہ ہم تینوں کون ہیں۔“ دیرا سنگھ نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سینے پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔ ”اور تُو نے میرے یار کو چابک مارا تھا کیئنہ۔“

”کک..... کون؟“

”اگر تُو ہری لعل کا شکار نہ ہوتا تو میں یہ پاؤں تیری گردن پر رکھ کر اس وقت تک دباتا رہتا۔ جب تک کہ تیری آنکھیں اور زبان باہر نہ نکل آتیں۔“

”مم..... مگر تم ہو کون، کیا بات ہے، میری تم سے کیا دشمنی ہے؟“

”دشمنی تو تیری ان سارے غریب کسانوں سے ہے جنہیں تُو نے اپنے ظلم کا شکار بنا رکھا ہے، ذرا اسے دیکھ یہ کون ہے اور اسے پہچان۔“ یہ کہہ کر دیرا سنگھ نے ہری لعل کو آگے کر دیا اور دھورج لعل اسے غور سے دیکھنے لگا۔

”نہیں پہچانتا تُو نے دھورج لعل مجھے، پھر دیکھ غور سے دیکھ کون ہوں۔“

”دھورج لعل نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا پھر اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔“

”تت..... تُو ہر چندی کا بیٹا ہری لعل ہے کیا؟“

”ٹھیک پہچانتا تُو نے دھورج لعل، وہی ہر چندی جسے تُو نے موت کی سزا دلوائی تھی اور میں اس کا بیٹا ہری لعل جسے تُو نے ذمیتی کے الزام میں جیل میں پہنچا دیا تھا، تیرا کیا خیال تھا کہ تُو سارا جیون لوگوں کے جیون سے کھیلتا رہے گا اور تیری گردن میں کبھی پھندا نہیں پڑے گا۔“

”مم..... میں تم سب کو، میں تم سب کو۔“ دھورج لعل نے اپنی عادت کے مطابق کوئی دھمکی دینا چاہی لیکن پھر اچانک ہی خاموش ہو گیا۔

”ہاں کیا کرو گے تم ہم سب کو دھورج لعل؟“ دیرا سنگھ نے پوچھا۔

”مجھے چھوڑ دو تو بتاؤں گا۔“ دھورج لعل ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔

”اگر تم تمہیں چھوڑ دیں دھورج لعل تو تم صرف ایک کام کرو گے اور وہ کام یہ ہوگا کہ تم

جیون بھر کے لیے چوہے کی طرح کسی بل میں جا گھسے کیا سمجھے۔“

”نہیں میں ایسا نہیں کروں گا بلکہ تم تینوں اگر میری جان چھوڑ دو تو میں تمہیں ایک ایسی

”کیب بتاؤں گا کہ تمہارا جیون بن جائے گا۔“

”اچھا ذرا بتانا ایسی کون سی ترکیب ہے وہ؟“

”ان دنوں سارے ہندوستان کی پولیس صرف ایک آدمی کو تلاش کر رہی ہے اور وہ ہے ڈاکو ویراسنگھ۔ اگر تم ویراسنگھ کو تلاش کرنے میں میری مدد کرو تو میں تمہیں اتنا انعام دلاؤں گا کہ تم جیون بھریا درکھو گے۔“

”ارے واہ یہ تو بڑے مزے کی بات بتائی تم نے۔ کیا ویراسنگھ کو پکڑنے کا ٹھیکہ تم نے لے لیا ہے۔“ ہری لعل نے پوچھا۔

”میں نے نہیں لیا ہے لیکن ہے میں نے تمہیں بتایا کہ ہندوستان کی پولیس ڈاکو ویراسنگھ کو تلاش کر رہی ہے اور سرکار نے اعلان کیا ہے کہ اگر ویراسنگھ اور اس کے ساتھی کو کوئی گرفتار کر دے گا تو اسے منہ مانگا انعام ملے گا۔ دیکھ ہری لعل جو بیت گئی سوکل۔ آج کی بات کر، میرے ان ہاتھوں سے تجھے نقصان پہنچا ہے، میں اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

”مگر تم ویراسنگھ کو پکڑو گے کیسے دھورج لعل؟“ جنے تلک نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میرا دامغ بہت تیز ہے، مجھے اس کام کے لیے صحیح آدمی نہیں ملے ورنہ اب تک تو ویراسنگھ میری مٹھی میں ہوتا۔ ویسے تم لوگ مجھے کافی سمجھ دار اور تیز معلوم ہوتے ہو۔ اگر میرا ساتھ دو گے تو میں اسے آسانی سے پکڑ لوں گا۔ میرے پاس ایک ایسی ترکیب ہے۔“ دھورج لعل نے راز دارانہ انداز میں کہا۔

”مگر ایک بات بتاؤ دھورج لعل، یہ ویراسنگھ اتنی جلدی مشہور کیسے ہو گیا۔ کیا کیا ہے اس

نے؟“

”اس نے بہت کچھ کیا ہے، اصل میں جو کہانی میرے علم میں آئی وہ یہ ہے کہ اس کا کوئی دوست جنے تلک نامی تھا جس سے شانتی کھ کے بہت بڑے زمیندار رتن چند کا بھگڑا چل رہا تھا۔ جنے تلک کی ماما اور بہن رتن چند کی حویلی میں ماری گئیں تو جنے تلک نے اپن دوست ویراسنگھ سے مدد حاصل کر لی اور ویراسنگھ نے رتن چند کو تیل کے کڑھاؤ میں جلادیا۔ یہی نہیں اس نے رتن کے پر یوار کے بہت سے لوگوں کو رتن چند کی حویلی میں جلا کر مار دیا اور بس اس کے بعد خبر پھیلی چلی گئی، اس نے پولیس کے بہت سے جوان مارے اور ہندوستان بھر کی پولیس اس کے پیچھے

لگ گئی۔ بڑے بڑے اعلیٰ سرکاری افسر اور وزیر یہ سوچ کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ دیراسنگھ اب بڑے بڑے لوگوں کو نقصان پہنچائے گا۔ اسی لیے ہندوستان بھر کی پولیس کو اور خاص طور سے ان علاقوں کی پولیس کی چوکس کر دیا گیا ہے اور سرکار نے ان کے پکڑنے پر بڑا انعام رکھا ہے۔“

”تو اس سے یہ کہنا چاہئے کہ عام لوگ بھی دیراسنگھ کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔“ جنے تلک مسکرا مسکرا کر پوچھے جارہا تھا۔

”لے بہت سے علاقوں میں یہی باتیں ہو رہی ہیں، اب تم باتیں بنائے جاؤ گے یا یہ بتاؤ گے کہ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“

”یہی تو افسوس کی بات ہے کہ پولیس نے دیراسنگھ کے پکڑنے پر انعام تو رکھ دیا پر دیراسنگھ کو کوئی پہچانے گا کیسے؟“

”سرکار کوشش کر رہے کہ اس کی تصویریں حاصل کر لے، بہر حال اب تم بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟“

”افسوس تیری تقدیر پر دھورج لعل، من کی من ہی میں رہ گئی تیرے، تجھے یہ سن کر خوشی ہوگی کہ دیراسنگھ تیری آنکھوں کے سامنے ہے۔“ جنے تلک نے دیراسنگھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور دھورج لعل کا پورا بدن کانپ گیا۔

”کک..... کیا کیا، یہ ہے دیراسنگھ؟“

”ہاں، یہ دیراسنگھ ہے اور دھورج لعل اسے تو تم پہچانتے ہی ہو، یہ تمہارا پرانا دوست ہے۔“ جنے تلک، ہری لعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”اور تُو نے ہری لعل کے پتا کو

موت کی سزا دلوائی ہے، کیا سمجھا۔“ دھورج لعل تھوڑی دیر تک خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ نہ جانے کیوں اسے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ غلط نہیں کر رہے۔ ان کا حلیہ، ان کا انداز، ان کے پاس

موجود ہتھیار، اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ یہ ڈاکو ضرور ہیں۔ وہ تھوڑی دیر تک حیرت سے منہ پھاڑے ان تینوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے اور میں تمہیں ایک بات اور بتاؤں،

تمہیں اب بھی مجھ سے فائدہ ہوگا، اگر یہ واقعی دیراسنگھ ہے تو اس کی جان میں بچاؤں کا صرف میں، میری سرکار میں بڑی جان پہچان ہے، بڑے کام کئے ہیں میں نے ان کے لیے اگر میں

چاہوں تو یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ دیراسنگھ کو خواہ مخواہ بدنام کیا گیا ہے، وہ اتنا آدمی نہیں ہے،

ارے میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری مدد سے.....“
 ابھی دھورج لعل نے اتنا ہی کہا تھا کہ ویرا سنگھ کا زور دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہری لعل آگے بڑھا اور دھورج لعل کے منہ پر دوسری طرف تھپڑ لگا دیا اور دھورج لعل کا منہ سیدھا ہو گیا۔ لمحہ لمحہ دھورج لعل کے اوسان خطا ہو رہے تھے، لیکن وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، اس کا ذہن کام کر رہا تھا وہ سنبھل کر بولا۔ ”دیکھو، جو کچھ تم کر رہے ہو، وہ اچھا نہیں کر رہے، میرے ساتھ یہ سلوک مت کرو اگر تم میرے ساتھی بن جاؤ تو میں تمہارے ہر مقصد میں تمہیں کامیابی دلا سکتا ہوں۔“ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سمجھا جو دھورج لعل کی باتوں میں آجاتا۔ نہ جانے دھورج لعل کا دن کیسا گزرا یا رات کیسی جیتی لیکن دوسری صبح وہ بھونج گڑھی کے ایک بھرے پُرے چوک پرستون سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر صرف لنگوٹی تھی اور اس کے سامنے بڑے سے گتے پر لکھی ایک تحریر رکھی تھی، جس پر لکھا تھا۔

”بھونج گڑھی کے پاسیوایہ ٹھا کر دھورج لعل ہے، ہر کاری بکرا، یہی ہے جس نے ایک شریف آدمی ہری چندی کو پھانسی دلوائی تھی۔ اپنے وزیر رشتے داروں کے بل پر ناپنے والا۔ یہ پیغام ویرا سنگھ کی طرف سے اس جیسے تمام لوگوں کے لیے ہے کہ ہم تمہاری موت بن چکے ہیں۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں تمہیں تلاش کر کے چن چن کر مارا جائے گا۔ تم جو طاقت کے بل پر انسان کے لیے زندگی مشکل بنا چکے ہو اب حساب کتاب کے لیے تیار ہو جاؤ، موت تمہاری گردنوں کو پکڑے گی، یہ ویرا سنگھ کی چیتاؤنی ہے اور جہاں تک رہی بات دھورج لعل کی تو یہ اس کا آخری سے ہے، اس کے درشن کر لو۔“

بھونج گڑھی کے لوگوں نے دھورج لعل کو پہچان لیا تھا اور تحریر بھی پڑھ لی تھی۔ سب کے سانس دہشت سے بند تھے۔ ادھر دھورج لعل کی تمام اکڑفون غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایک ایک سے رو کر کہہ رہا تھا۔ ”بچالو مجھے بچالو، مجھے بچالو۔“ لیکن صورت حال کچھ ایسی تھی کہ دھورج لعل کے قریب ترین لوگ بھی اسے کھولنے کی ہمت نہیں کر پارہے تھے، البتہ پھر اس کے خاندان والوں کو اس بارے میں پتہ چلا۔ وہ لوگ سائیس کی لاش اور دھورج لعل کی گمشدگی سے حواس باختہ تھے، جب یہ بات ان کے علم میں آئی کہ دھورج لعل چوک پر ایک ستون سے بندھا ہوا ہے تو وہ سب اس طرف دوڑ پڑے، لیکن اس وقت ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ دھورج لعل کے دو بیٹے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر پاگلوں کی طرح

دوڑے، وہ اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن اسی وقت کہیں سے گولیاں چلیں اور دونوں کے جسم چھلنی ہو گئے۔ ان کے خون اگلنے بدن دھورج لعل کے قدموں میں لوٹنے لگے اور دھورج لعل دہشت سے پاگل ہو گیا۔

بیٹوں کی لاشیں اس کے قدموں میں پڑی تھیں اور وہ لوگ بڑی طرح دہشت زدہ ہو گئے تھے جو اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اسے بچانے آئے تھے، کسی کو پتہ نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے، بھونج گڑھی کے لوگ بھی اب وہاں سے ہٹ گئے تھے اور اپنے اپنے گھروں کے دروازوں یا محفوظ جگہوں سے ان مناظر کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

پھر پولیس کا ایک دستہ کہیں سے آ پہنچا تو اچانک تین سمت سے گولیاں برسنے لگیں اور بے شمار پولیس والے گولیوں کا شکار ہو گئے۔ چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی تھی اور اس کے بعد کئی گولیاں دھورج لعل کے بدن میں پیوست ہو گئیں۔ تین سواریوں کو ایک ٹوٹی عمارت سے باہر آتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے دو نے بیک زبان نعرہ لگایا تھا۔

”ڈاکو ویرا سنگھ کی جئے، ڈاکو ویرا سنگھ کی جئے۔“

پھر یہ تینوں جوان اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر گولیاں برساتے ہوئے ہوا ہو گئے اور بھونج گڑھی میں طوفان سا آ گیا۔

ایک ٹھا کر کی موت معمولی بات نہیں تھی اور ٹھا کر بھی دھورج لعل جیسا جس کے نام کا ڈنکا بجاتا تھا اور جس کے بہت سے عزیز اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ دھورج لعل کا رعب پورے علاقے پر طاری تھا اور اس سے بے شمار لوگ خوفزدہ تھے۔ لاقعدا غریبوں پر اس نے ظلم کیا تھا اور یہی غریب اس وقت ڈاکو ویرا سنگھ کے نام کی۔ ”جئے جئے کار“ کر رہے تھے۔ ویرا سنگھ کی سفاکی کا یہ ایک بڑا مظاہرہ تھا۔ پولیس کے بہت سے جوان یہاں بھی ان کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور یہ بات محکمہ پولیس کے لیے بڑی دہشت کا باعث تھی۔

ایسے سفاک ڈاکو سے قرب و جوار کی پولیس تھر تھر کا پٹنے لگی اور دور دور تک ایک دہشت کی فضا قائم ہو گئی۔ اب ہر طرف ویرا سنگھ کے نام کی دہشت پھیلی چلی جا رہی تھی، تین افراد کا یہ گروپ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

کئی زمیندار ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے تھے، جبکہ ان کی پولیس سے بھی مذہبیٹر ہو رہی تھی۔ ڈاکو ویرا سنگھ کبھی کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتا تھا۔ اس نے لاشوں کے انبار

لگا دیئے تھے، پولیس ہر طرف ان کا سراغ لگاتی پھر رہی تھی۔

اسی دوران ہری لعل نے اپنی برادری کے ایک اور شخص کی نشاندہی کی، اس علاقے کے ایک جوان دھرم سنگھ نے اپنے گاؤں کے ایک چوہدری کا خون کر دیا تھا اور چھپا چھپا پھر رہا تھا، اسے تلاش کیا گیا بالآخر دھرم سنگھ مل گیا۔ اس کے پاس اچھی جائے پناہ تھی۔

یہ چھوٹا گروہ آہستہ آہستہ طاقت پکڑتا جا رہا تھا اور قرب و جوار میں ویرا سنگھ نے اپنی جی داری کے جھنڈ گاڑ دیئے تھے۔ اس کے بعد یہ لوگ یہاں سے نکلنے کا سوچنے لگے اور کچھ دنوں کے بعد آگرے کی طرف چل پڑے۔

ویرا سنگھ ان کا سردار تھا، وہ بڑی سمجھداری سے کام لے رہا تھا، چنانچہ اس نے دھرم سنگھ اور ہری لعل کو پہلے آگرے بھیج دیا تاکہ صورت حال کا اندازہ لگائے اور خود ان کے پیچھے چل پڑا۔ اس نے ایک خاص حکمت عملی اپنائی تھی۔ وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد اپنا حلیہ بدلتا رہتا تھا۔ پچھلے دنوں اس نے پنڈت کا روپ دھارا ہوا تھا، لیکن اب وہ شکل صورت سے کوئی مسلمان نظر آتا تھا۔ جنے تک اس کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔

ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک کسان کے گھر ویرا سنگھ نے قیام کیا اور کسان کے گھر کے حالات جاننے کے بعد اس نے کسان کو کافی رقم دی۔ یہ کام وہ کرتا چلا آ رہا تھا۔ وہ جدھر سے بھی گزرتا وہاں امنٹ نقوش چھوڑ جاتا تھا، ٹھاکروں اور رئیسوں سے لوٹی ہوئی بے شمار دولت غریب خاندانوں میں تقسیم ہونے لگی تھی۔ ویرا سنگھ جو ایک معصوم کسان سے قاتل، ڈاکو اور جلا دین چکا تھا اپنے نام کو آگے بڑھاتا جا رہا تھا اور اس کی کہانیاں دور دور تک پھیلتی جا رہی تھیں۔ اس رات وہ آگرے کے نزدیک ایک گاؤں ٹھہرا تھا اور وہاں جس کسان نے اس کی بے لوث پذیرائی کی تھی اور محض مسافر سمجھ کر اسے اپنی جھونپڑی کے احاطے میں جگہ دی تھی، اس نے اس کسان کو بہت کچھ دیا۔ کسان نے احاطے ہی میں ایک گھنے درخت کے نیچے ان کی چار پائیاں بچھا دی تھیں۔ جنے تک اور ویرا سنگھ آرام سے ان چار پائیوں پر سو رہے تھے۔ بہت ہی خوشگوار موسم تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ خوب گہری نیند سو رہے تھے کہ ویرا سنگھ نے ایک خواب دیکھا اور صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے ذہن پر عجیب سے اثرات مرتب تھے۔ اس نے جنے تک سے کہا۔ ”عجیب و غریب خواب دیکھا ہے جنے تک، یہاں سے تھوڑے فاصلے پر فتح پور سیکری ہے۔ فتح پور سیکری میں ایک جگہ بلند دروازے کے نام

سے مشہور ہے۔ وہاں ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں جانا ہے۔“

”وہاں جا کر کیا کرتا ہے؟“ جئے تلک نے پوچھا۔

”فتح پور کے نواح میں ایک قبرستان ہے، اس قبرستان میں اٹھارہ سو ستاون کے عدر میں

جو لوگ شہید ہوئے تھے وہ وہاں دفن ہیں، دراصل انہیں توپ کے منہ پر باندھ کر اڑا دیا گیا

تھا۔ ان شہیدوں کی قبروں پر پھول چڑھانے ہیں۔“ ویرا سنگھ نے بتایا۔

”ٹھیک ہے۔“ جئے تلک نے عقیدت سے گردن ہلادی۔

بہر حال بلند یوں کا سفر طے کیا گیا، لیکن وہاں انہیں بہت سے لوگ نے بڑے عجیب

سے انداز میں دیکھا تھا۔

✦=====✦=====✦

پاکستانی
ڈاٹ کام

ان میں سب سے زیادہ متجسس آنکھیں چمن خان کی تھیں۔ چمن خان شہیدوں کے قبرستان کا گورکن تھا۔ پردے سے زیادہ چالاک اور گہری نگاہ رکھنے والا..... اس دن کسی حکام سے درگاہ شریف پہنچا تھا اور یہیں اس نے دیر اسٹکھ اور جے تلک کو دیکھا تھا۔

ہندوستان بھر کی پولیس جگہ جگہ دیر اسٹکھ کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ عام لوگوں کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر انہیں کوئی مشکوک شخص نظر آئے تو سرکار کو اطلاع دی جائے۔ اطلاع دینے والے کو انعام ملے گا۔ ادھر ٹھاکروں نے بھی اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ بھی آس پاس میں دیر اسٹکھ کی تلاش میں سرگرداں رہیں۔

چمن خان کا باپ نیاز خان، ٹھاکر گھوڑا داس کے ہاں بھینسوں کے باڑے پر کام کرتا تھا۔ وہ سبب بھی قبرستان آتا، گھوڑا داس اس کے بارے میں باتیں کرتا رہتا۔ اسی کے کہنے کے مطابق گھوڑا داس ان دنوں کافی پریشان تھا اور سن گن لیتا رہتا تھا کہ دیر اسٹکھ آگرے کے آس پاس تو نہیں دیکھا گیا۔ چمن خان نے دو افراد کو درگاہ شریف میں دیکھا تو نہ جانے کیوں اس کا دماغ کلنک اٹھا۔ دونوں کے چہرے دیکھ کر نہ جانے کیوں دل کو یہ احساس ہوا کہ وہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔ تو کیا انہی میں سے کوئی ڈاکو دیر اسٹکھ ہے؟ مگر دیر اسٹکھ تو ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی، لاتعداد ہندو بھی بزرگان دین کے بے پناہ عقیدت مند تھے، اس لیے اگر ڈاکو دیر اسٹکھ یہاں آیا تو یہ کوئی ایسی انوکھی بات نہیں ہے۔

چمن خان ان کا پیچھا کرتا رہا۔ دیر اسٹکھ عقیدت بھرے انداز میں مزار کے سامنے گردن جھکائے آنکھیں بند کئے اور ہاتھ جوڑے دیر تک کھڑا رہا اور اس کے بعد اس نے مجاوروں کو جو کچھ دیا۔ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر درگاہ شریف کے روایتی کنویں پر جا کر اس نے اوک سے پانی پیا اور وہاں بھی پانی پلانے والے کو ایک بڑی رقم دی چمن خان کو یقین

ہو گیا کہ وہ ویرا سنگھ ہی ہے، لوٹ کا مال اسی طرح لٹایا جاتا ہے۔

پھر وہ ان دونوں کا بڑی ہوشیاری سے پیچھا کرتا ہوا شہیدوں کے مزار تک آیا۔ یہیں قبرستان کے کنارے اس کی جھوپڑی تھی، یہ دونوں پھولوں کے انبار لے کر قبرستان میں داخل ہوئے اور چمن خان یہاں بھی انہیں دیکھتا رہا، پھر جب وہاں سے ہٹ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچے تو چمن خان نے گردن ہلائی اور وہاں سے واپس چل پڑا۔ اس کے دل میں سچے لگے ہوئے تھے۔ اگر اس کی وجہ سے ڈاکو ویرا سنگھ گرفتار ہو گیا تو ایک طرف تو سرکار اسے انعام دے گی اور دوسری طرف ٹھاکر گھوڑا اس بھی اسے ضرور کچھ نہ کچھ دے گا۔ چنانچہ وہ گھر دیکھ کر جہاں یہ دونوں موجود تھے، برق رفتاری سے واپس پلٹا۔ اس نے ہر چرن لعل سے گھوڑی مانگی اور اس پر زین کس کر گھوڑی دوڑادی اور آن کی آن میں فتح پور پہنچ گیا اور پھر سیدھا اپنے باپ کے پاس بھینسوں کے باڑے میں گیا اور اسے پوری تفصیل بتادی۔

”ابے ویرا سنگھ کیا تیرا چاچا تھا جو ٹوٹنے سے فوراً ہی پہچان لیا، ہو سکتا ہے وہ کوئی اور ہو؟“

”میرا دل کہتا ہے ابا وہ ویرا سنگھ ہی ہے، بس ٹو جلدی کر اور ٹھاکر گھوڑا اس کو بارے میں بتادے۔“

”پر ٹو مجھے ایک بات بتا، ہمیں اس سے کیا ملے گا، اگر انہیں پتہ چل گیا تو دشمنی الگ ہو جائے گی، ٹو سوچ لے!“

”ابا میں اتنی دور سے بلا وجہ تھوڑی آیا ہوں، کیا ویرا سنگھ کی خبر دینے کا کچھ انعام نہیں ملے گا؟“

”ہونہہ..... انعام ملے گا، سرکار بھی ایسی ہے اور یہ ٹھاکر بھی ایسے ہی ہیں اور پھر خاص طور پر ٹھاکر گھوڑا اس وہ اتنا کجس آدمی ہے کہ آج تک اس نے کسی کو کچھ دیا نہیں، پر ٹھیک ہے، ٹو کہتا تو چلتا ہوں ہیں!“ یہ کہہ کر نیا خان بیٹے کو لے کر ٹھاکر گھوڑا اس کے پاس پہنچ گیا۔

رگھو داس بڑا عیش کوش آدمی تھا۔ دولت کی کوئی کمی نہیں تھی اس کے پاس، دور دور تک زمینیں پھیلی ہوئی تھیں جو غریبوں کے سپینے سے سیراب ہو کر سونا اگلتی تھیں اور یہ سونا رگھو داس کی تجوریوں کی زینت بن جاتا تھا۔ نیا خان کو دیکھ کر اس نے حقے کی ”ٹے“ منہ سے نکالی اور پاؤں دبانے والے نوکر کو رکنے اشارہ کیا، نوکر الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا تو اس نے کہا۔

”کیا بات ہے نیازے! کیا بھینسوں میں پھر بیماری پھیل گئی ہے؟“
 ”نہیں مالک! ہم ایک دوسرے کام سے آئے ہیں۔“ نیاز خان نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔
 ”یہ تیرا بیٹا ہے تا تیرے ساتھ.....؟“
 ”ہاں سرکار! ہمارا ہی چھوڑا ہے، شہیدوں کے قبرستان سے آیا ہے۔“
 ”کیوں قبر میں نہیں کھودی جا رہی ہیں، اس سے کیا؟ نوکری دلانے لایا ہے اسے!“
 ”نہیں مائی باپ! قبر کھودنے کا دھندا تو اپنا پرانا ہے، یہ نوکری نہیں کرنے آیا۔“
 ”تو پھر کیوں آیا ہے اور اسے کیوں لایا ہے یہاں، جلدی بول؟“ قبر میں کھودنے کے
 ذکر پر ٹھا کر کو سخت کوفت ہوئی تھی۔

”چمن خان ایک بڑی خبر لایا ہے، یہ کہتا ہے کہ ویرا سنگھ آس پاس موجود ہے۔“ نیاز
 خان نے کہا۔

”ٹھا کر اچھل کر سیدھا ہو گیا۔“ کون..... کون؟“
 ”ویرا سنگھ ڈکیت، اس نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے سرکار اور دیکھتے ہی سارا
 کام چھوڑ کر بھاگ بھاگ سرکار کو اطلاع دینے چلا آیا ہے۔“
 ”تت..... تو کیا اس کے ساتھ گروہ ہے پورا اس کا.....؟“ ٹھا کر ہکلاتے ہوئے بولا۔
 ”جی سرکار! گروہ بھی کہیں آس پاس ہی ہوگا، ابھی تو اس کے ساتھ ایک ہی آدمی
 ہے۔“

ٹھا کر جی حقہ اور پیروں کا درد بھول گئے تھے۔ ان کے پرسکون چہرے پر تردد کی لہریں
 پھیل گئی تھیں۔ وہ پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگے پھر بولے۔ ”کہیں وہ اس طرف چل نہ پڑا
 ہو، تو نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟“
 ”بستی کے ایک گھر میں سرکار!“ چمن خان نے کہا اور اس بارے میں پوری تفصیل بتا

دی۔

ٹھا کرنے پاؤں دبانے والے ملازم سے کسی کو بلانے کے لیے کہا اور ملازم چلا گیا۔
 تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک اور آدمی کے ساتھ داخل ہوا تو ٹھا کرنے کہا۔ ”جلدی جا اور تھانے
 سے تھانیدار کلاسین کو بلا کر لے آ، گھوڑا لے جا، کلاسین سے کہنا کہ سارے کام چھوڑ کر میرے
 پاس آ جائے۔“

”جی مالک!“ اس شخص نے ہاتھ جوڑے اور وہاں سے نکل گیا۔
 ”اس کے لیے کیا حکم ہے سرکار! اسے واپس بھیج دوں، دوسرے کی گھوڑی مانگ کر لایا ہے، آپ سے ایسی محبت کرتا ہے سارے کام چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آیا۔“ نیاز خان نے بات آگے بڑھائی۔

”بٹھادو اسے، بٹھادو ابھی..... کملا سین آجائے، اس سے پوچھ چکھ کر لے، اس کے بعد اس جانے دینا۔“

کچھ دیر کے بعد تھانیدار کملا سین، ٹھا کر کے بلاوے پر دوڑا چلا آیا اور ٹھا کر کے سامنے آ کر ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”کیا حکم ہے ٹھا کر جی مہاراج.....؟“
 ٹھا کرنے اسے پوری تفصیل بتادی اور کہا۔ ”اب تم خود فیصلہ کرو کملا سین! ویسے اگر ویرا سنگھ اپنے گروہ کے ساتھ نہیں ہے تو پھر اسے گرفتار کرنے کا اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں ملے گا لیکن ایک بات کا خیال کرنا کملا سین! وہ بے حد چالاک ہے، اسے بھٹک مل گئی تو بھاگ جائے گا۔“

”میں اسے بھاگنے نہیں دوں گا سرکار! میرا نام بھی کملا سین ہے، ابھی تک۔ ویرا سنگھ کو کملا سین جیسے جیالے سے واسطہ نہیں پڑا ہے، اگر وہ میرے علاقے میں آئی گیا ہے تو پھر میں اسے وہ مزہ چکھاؤں گا کہ دنیا دیکھے گی، آپ چھتا نہ کریں، میں اسے بہت جلد زندہ یا مردہ لے کر آ جاؤں گا۔“ کملا سین نے بڑھکیں مارتے ہوئے کہا۔

”تو پھر جا کملا سین! دیر مت کر، اس آدمی کی ضرورت تو نہیں ہے تجھے؟“ ٹھا کرنے چمن خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں سے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں، یہ مجھے اس گھر کا پتہ بتائے گا، آگیا دیں!“
 تھانیدار اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہوشیاری سے کملا سین! خیال رکھنا، وہ بہت چالاک ہے۔“

”مجھ سے زیادہ چالاک نہیں ہے مہاراج! آپ بالکل چھتا نہ کریں، چل بے اٹھ میرے ساتھ آجا!“ کملا سین نے حقارت بھرے لہجے میں کہا اور چمن خان کی جان نکل گئی۔

نیاز خان بھی ہکا بکارہ گیا تھا۔ انعام تو بھاڑ میں گیا، جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اب چمن خان تھانیدار کے ساتھ جائے گا اور ویرا سنگھ کے ٹھکانے کی نشاندہی کرے گا، اگر ویرا سنگھ

تھانیدار کلاسن کے ہاتھوں مارا گیا تب تو خیریت تھی اور اگر فوج گیا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ چمن خان نے بخبری کی ہے، اس کے بعد کیا ہوگا؟ بالکل یہی خیالات چمن خان کے دل میں بھی تھے اور اس کی جان نکلی جا رہی تھی لیکن بُرے وقت آ گیا تھا، لالچ کی سزا فوراً ہی مل گئی تھی۔ اس کے ہاتھ، پاؤں میں شدید سنسنی ہو رہی تھی لیکن چارونا چاراسے تھانیدار کے ساتھ تھانے جانا پڑا۔ کلاسن نے تھانے واپس جا کر جلدی جلدی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ دیرانگھ سے ابھی تک اس کی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی تھی، ہاں اس نے دیرانگھ کے چرچے ضرور سنے تھے اور یہ جانتا تھا کہ سرکار دیرانگھ کی گرفتاری میں بہت دلچسپی رکھتی ہے۔ تھانیدار کلاسن چھوٹے چھوٹے بہت سے چوروں اور بد معاشوں کو پکڑ چکا تھا اور اس سلسلے میں کافی شہرت بھی رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس بار ایک بڑے ڈاکو کو بھی وہ آسانی سے گرفتار کر لے گا اور ممکن ہے اس کا رتا سے اس کا عہدہ کچھ اور بڑھ جائے۔

دوسری طرف ٹھاکر گھوڑا سخت خوف زدہ تھا۔ کلاسن کی روانگی کے بعد اس نے اپنے تین خاص آدمیوں کو گھوڑوں پر سوار کر کے آگرہ بھجوا دیا تھا تاکہ وہ ہاں جا کر پولیس ہیڈ کوارٹر میں دیرانگھ کی موجودگی کی خبر کر دیں۔ لالچ سب کے دلوں میں تھا۔ چمن خان اس چکر میں آیا تھا کہ اس اطلاع پر اسے ٹھاکر گھوڑا اس سے بھی انعام ملے گا۔ کلاسن، دیرانگھ کو اس لیے گرفتار کرنا چاہتا تھا کہ اس کا عہدہ بڑھے اور اسے انعامات ملیں اور ٹھاکر گھوڑا اس لیے اس کی گرفتاری کے لیے کوششیں کر رہا تھا کہ سارے علاقے میں اس کی دھاک بیٹھ جائے کہ دیرانگھ جیسے خطرناک آدمی کو گرفتار کرادیا۔ سب کے سب کسی نہ کسی لالچ کے زیر اثر کام کر رہے تھے۔

تھانیدار کلاسن نے آٹھ دس سپاہیوں کا دستہ تیار کیا اور انہیں ساتھ لے کر بہتی کی طرف چل پڑا۔ چمن خان کی جان پر بنی تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا وہ تھانیدار کلاسن کے پیچھے چل رہا تھا، جس کی گھوڑی مانگ کر لایا تھا، وہ بھی اسے گالیاں دے رہا ہو گا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

کلاسن کا تیار کیا ہوا دستہ برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور پھر وہ آبادی میں داخل ہو گئے۔ فتح پور سے کچھ فاصلے پر دھرم شالہ کے پاس کلاسن رک گیا۔ اس نے جمعہ راج کھنہ کو چمن خان کے ساتھ بھیجا اور اسے ہدایت کر دی کہ معلوم کرے کہ دیرانگھ اپنی جگہ موجود ہے یا نکل گیا۔ چمن خان نے ان دونوں کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہاں سے گراموفون بجنے

کی آواز آرہی تھی، فلمی گانوں کے ریکارڈنگ رہے تھے۔ جمعدار نے اندازہ لگالیا کہ مکان میں لوگ موجود ہیں، اس کے علاوہ اس نے پیپل کے درخت سے بندھے دو قد آور گھوڑے بھی دیکھ لیے تھے، ان کے سامنے گھاس پڑی ہوئی تھی۔ اس نے چمن خان کو واپس بھیج دیا کہ جا کر کملا سین کو اطلاع دے کہ وہ دونوں اندر موجود ہیں۔

چمن خان کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ جائے لیکن بزدل آدمی تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس حرکت پر پولیس اسے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ قبرستان کے کنارے بنے ہوئے گھر میں اس کے بیوی، بچے موجود تھے، اگر وہ بھاگ گیا تو پولیس اس کے بیوی، بچوں کو پکڑ لے گی۔ اس لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے، اسے پورا کرے اور جا کر کملا سین کو یہ اطلاع دے دے۔ چنانچہ چمن خان نے کملا سین کو یہ اطلاع دی اور کملا سین نہایت خاموشی سے اس مکان کی جانب چل پڑا۔

اس نے سپاہیوں کو بند مکان کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ انہیں یہ بھی ہدایت کر دی کہ بستی کے لوگوں کو اس طرف نہ آنے دیا جائے۔ بستی والے بے چارے پولیس کو دیکھ کر ویسے ہی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ کملا سین جن سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا تھا، ان میں ایک سپاہی کرن دیو بھی تھا جو ایک بے وقوف سا انسان تھا۔ وہ ہمیشہ خیالی پلاڈیکا تارہتا تھا۔ اکثر خیالوں میں وہ خطرناک مجرموں سے مقابلہ کرتا اور مقابلے کے بعد انہیں گرفتار کر لیتا تھا۔ اس کے بعد وہ خود کو حوالدار یا انسپکٹر کے عہدے پر ترقی کرتے دیکھتا اور اس کی گردن فخر سے اڑ جاتی تھی۔ اس وقت تھانیدار کملا سین نے اس کی ڈیوٹی مکان کے پچھلے حصے میں لگائی تھی اور وہ بندوق سنبھالے ایک ٹوٹی دیوار کی آڑ میں بیٹھا تھا۔

اس کی نگاہیں مکان کی عقبی دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور پھر وہ اپنی عادت کے مطابق خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔ اس نے دیکھا کہ زبردست فائرنگ ہو رہی ہے، کملا سین، ڈاکو ویرا سنگھ کے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہے اور ویرا سنگھ فخر سے بندوق اونچی کئے مسکراتا ہوا عقبی دیوار پر چڑھ رہا ہے، پھر وہ کودنے کے لیے تیار ہو رہا ہے کہ کرن دیو مسکراتا ہوا اس کے سامنے آ جاتا ہے اور فخر سے سینہ تان کر کہتا ہے۔ ”ڈاکو ویرا سنگھ! تم نے کملا سین کو بے شک شکست دے دی لیکن اب تمہارے سامنے کرن دیو ہے، اس سے جیتنا تمہارے لیے ممکن نہیں ہے۔“ اس نے بندوق کی نال ویرا سنگھ کے سینے پر رکھ دی اور ٹریگر دبا دیا۔ باقی تو ساری خیال باتیں تھیں لیکن

ٹریکراصل میں دب گیا تھا اور بندوق چل گئی تھی۔

فائر کی آواز ابھری اور کملا سین جو ابھی اپنے لوگوں کو پوری طرح چوکس بھی نہیں کر پایا تھا، اچھل پڑا۔ جسے تلک اور دیرانگھ مزے سے فلمی گانے سن رہے تھے، فائر کی آواز پر دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے، گراموفون بند کر دیا گیا۔

ادھر سپاہی آس پاس کے لوگوں کو دہاں سے بھگا رہے تھے۔ ارد گرد کے سارے گھر خالی ہو چکے تھے۔ بے چارے دیہاتی پہلے ہی پولیس کو دیکھ کر بدحواس ہو گئے تھے، اس لیے ایک اشارے پر گھروں سے نکل بھاگے، جس گھر میں دیرانگھ موجود تھا، اس سے نزدیکی گھر ایک بیوہ عورت کا تھا جس کا نام بھان متی تھا۔ اس کی سولہ سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی، سترہ سال کی عمر میں شوہر کو سانپ نے کاٹ لیا اور وہ مر گیا، تب سے اسی گھر میں رہ رہی تھی۔

تھانیدار کملا سین نے پہلے بھان متی کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور بھان متی نے دروازہ کھول

دیا۔

”گھر سے نکل کر بھاگ جاؤ ورنہ گولی لگ جائے گی تمہارے!“

”ارے حوالدار جی! گولی کھود لگ جائے گی کا، کون چلا رہا ہے گولیاں؟“

”فضول باتیں مت کر، جو میں نے کہا، اس پر عمل کر!“

”ارے واہ! میرا گھر ہے، میں کیوں نکل کر بھاگوں، پہلے مجھے بتاؤ کہ گولی کون چلا رہا

ہے؟“

”تُو مجھے بتا کہ اس سامنے والے گھر میں باجا کون بجا رہا ہے؟“

”بھوت ہوں گے، گھر تو خالی پڑا ہے حوالدار جی!“ وہ ہنس کر بولی۔

”ٹھیک سے بتا اس گھر میں کون رہتا ہے؟“ تھانیدار نے کہا۔

”او نچا سنو ہو کا، ہمیں کا معلوم، اندر جا کر دیکھ لو، اگر وہاں بھوت ہو، جلدی سے بھاگ

آئیو۔“ بھان متی نے کہا اور قبضہ لگا کر ہنس پڑی۔

تھانیدار کملا سین کو غصہ تو بہت آیا تھا لیکن اس وقت غصہ کرنے کا موقع نہیں تھا، اس نے

برداشت کر لیا۔ اس وقت اس بے باک دیہاتن سے بھڑانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے

حوالدار اور ایک دوسرے ساتھی کو آواز دی اور پھر اس بند گھر کے دروازے پر پہنچ گیا پھر اس

کے اشارے پر سپاہی نے دروازہ پیٹا اور انتظار کرنے لگا لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

”اوپر چڑھ کر دیوار سے جھانکو۔“ کملا سین نے سپاہی کو حکم دیا اور وہ دیوار میں رخنے تلاش کرتا ہوا اوپر چڑھا۔ جونہی اس کا سر دیوار پر ابھرا، ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور سر میں سوراخ کر کے گھس گئی، فوراً ہی دوسری گولی چلی اور حوالدار ڈھیر ہو گیا۔ یہ دوسری گولی حوالدار کے جڑے پر لگی تھی اور دانتوں کے پرچے اڑاتی ہوئی نکل گئی تھی۔ سپاہیوں نے جو یہ خوفناک منظر دیکھا تو اپنے مورچوں سے نکل بھاگے۔

دیرانگھ کا نام اب اچھی طرح پھیل گیا تھا اور اس کے بارے میں یہ بات سب کو معلوم تھی کہ وہ صرف گولی کی زبان سے بات کرتا ہے، دوسرا کوئی لفظ نہیں سنتا۔ یہ منظر ظاہر کر رہا تھا کہ اندر دیرانگھ ہی ہے لیکن اس وقت معاملہ کملا سین کی عزت اور آبرو کا تھا۔

سپاہیوں کو تو بھاگنے سے نہ روک سکا لیکن خود اپنی جگہ جما رہا۔ جعدار راج کھنہ بھی اس کے ساتھ تھا، وہ دونوں اپنے ساتھی کی طرف متوجہ تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور دیرانگھ نے شیر کی طرح جست لگائی اور سامنے والے مکان میں گھس گیا۔ تھانیدار اور جعدار راج کھنہ منہ کھول کر رہ گئے تھے۔ دیرانگھ نے مکان کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور صحن میں لگی بانس کی سیڑھی سے مکان کی چھت پر پہنچ گیا۔ جنے تلک نے کھلا ہوا دروازہ پھر بند کر دیا تھا۔

چھت سے دیرانگھ نے جعدار راج کھنہ پر نشانہ باندھا، لیکن اس کی نقدیر اچھی تھی کہ گولی اس کے جوتے کی نوک پر لگی۔ اس سے زیادہ جی داری وہ نہیں دکھا سکتا تھا، اس لیے اس نے بھی بھاگ کر جان بچائی۔ اب صرف کملا سین رہ گیا تھا لیکن اب دشمن دونوں طرف تھا اس لیے اس نے بھاگ کر ایک مکان کی دیوار کے پیچھے پناہ لے لی اور پستول سے فائرنگ کرنے لگا۔ اب وہ دونوں طرف سے چلنے والی گولیوں کی زد سے محفوظ تھا لیکن اس کی کوئی بھی کوشش کارگر نہیں ہو پا رہی تھی۔

تبھی اسے ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ ”جنے تلک! ارے او جنے تلک!.....!“

”ہاں، کیا بات ہے دیرانگھ!.....؟“

”بائیں طرف طرف سرک جا، ذرا میں تھانیدار کی خبر لے لوں۔“

جنے تلک سے زیادہ دیرانگھ کو اور کون سمجھتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دیرانگھ کوئی چال چل رہا ہے۔ چنانچہ اس نے زور سے چیخ کر کہا۔ ”میں بائیں طرف سے دوسرے گھر کا نشانہ لے رہا ہوں، دیرانگھ! تم خیال رکھنا، تھانیدار بچ کر نہ جانے پائے۔“ پھر وہ دونوں رک گئے۔ گولیاں

برسبند ہو گئیں اور اس خاموشی سے کملا سین کے حوصلے پست ہونے لگے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

اس نے دونوں کی گفتگو سن لی تھی۔ اس خاموشی کا مطلب اس نے یہ لیا کہ وہ دونوں اس پر صبح نشانے لگانے کے لیے پینترے بدل رہے ہیں، جبکہ وہ ان کی صحیح سمت سے ناواقف تھا۔ اس خاموشی کو وہ برداشت نہیں کر سکا اور مکان کے عقب سے نکل بھاگا۔ جے تلک اور ویرا سنگھ اسی تاک میں اپنی جگہ خاموش کھڑے تھے۔

جونہی کملا سین کھلی جگہ میں آیا، دونوں کی گولیاں اس کی پشت پر پڑیں اور سینے کے پار ہو گئیں تھانیدار اچھل کر گرا اور فوراً ہی سرد ہو گیا۔ ویرا سنگھ مکان کی چھت سے نیچے کود آیا تھا۔ دوسری طرف سے جے تلک بھی دروازہ کھول کر باہر آ گیا تھا۔ ویرا سنگھ بلند آہنگ قہقہے لگا رہا تھا اور دونوں اپنی فتح کی خوشیاں منا رہے تھے۔

پھر ویرا سنگھ نے کہا۔ ”یہ بستی والے سارے بھاگ گئے کیا؟“
 ”ہاں گاؤں والے گولیوں کی آواز کے سامنے کہاں رکتے، آؤ ویرا سنگھ! چلو زار دیکھیں انہوں نے اپنے اپنے گھروں میں ہمارے لیے کیا چھوڑا ہے؟“

”نہیں جے تلک! نہیں، یہ ہم نے پہلے کبھی نہیں کیا، بہت بُری بات ہوگی، ہم نے غریبوں کو کب لوٹا ہے اور پھر جو جان کے ڈر سے بھاگے ہوں، ان کا مال لوٹنا پاپ ہے، پھر ان بے چاروں کے پاس ہوگا ہی کیا؟ ایسا مت کرو، آؤ۔“

نہ جانے کیوں جے تلک نے یہ بات کہہ دی تھی جبکہ وہ ویرا سنگھ کی نسبت بہت زیادہ نرم دل تھا۔ خاموشی سے وہ پیپل کے درخت کے نیچے بندھے ہوئے گھوڑے کھولنے چلا گیا، اسی دوران اس گھر کا دروازہ کھلا جس میں بھان متی رہتی تھی، دروازے کھلنے کی آواز پر دونوں چونک کر پلٹے تھے اور ان کی بند دقیں سیدھی ہو گئی تھیں۔

تب انہوں نے ایک جوان عورت کو دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ رکھتی کھڑی تھی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔

”ہائے رے سرکٹو! خوب گولیاں چلائی ہیں تم نے، جعدار کو مار ڈالا، پاپی کھراب آدمی معلوم ہوتا تھا۔“ بھان متی نے کہا۔

”جے تلک اور ویرا سنگھ نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور آگے بڑھ آئے۔ ویرا سنگھ

بڑے غور سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”تُو نے ہمیں سرکنا کیوں کہا ری.....“

”لو.....! اکیلے گھر میں باجے بجا رہے تھے اور پھر پانی پولیس والوں کو پٹ سے مار ڈالا تم لوگوں نے۔ پھر تم آدمی ہوئے یا سرکے؟“ بھان متی ہنس کر بولی اور ویرا سنگھ اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ کافی حد تک حسن پرست تھا۔ جب کھیتوں میں کام کرتا تھا، اس وقت اس نے محبت بھی کی تھی لیکن پھر اپنی محبت کو اپنے دل میں سلا ڈالا۔ ڈاکو بننے کے بعد وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی ہر لمحے بندوق کے نشانے پر رہتی ہے، بس ہنس بول لیا جائے، اتنا ہی کافی ہے۔ یہ نڈر عورت اسے کافی اچھی لگی تھی۔ اس نے ہنس کر کہا۔ ”بڑی جی دار ہے ری تُو! سارا گاؤں بھاگ گیا اور تُو اپنے گھر سے نہیں نکلی؟“

”ارے ہمارا نام بھان متی ہے، پوری بستی جانے ہے مجھے کہ میں کیسی ہوں۔“

”بھان متی! کون رہتا ہے تیرے ساتھ؟“ ویرا سنگھ نے پوچھا۔

بھان متی پھر ہنس پڑی۔ کجخت کی ہنسی بڑی دلکش تھی اور ویرا سنگھ کو پسند آ رہی تھی۔

”لو ہمارے ساتھ کون رہے گا، ودھو! میں ہم، ودھو!.....!“

”اوہو اچھا کب مرا تیرا پتی؟“ ویرا سنگھ نے پوچھا۔

”پونے نو سال ہو گئے، ہمارے بیاہ کے بعد ایک سال ہی تو جیتا رہا تھا وہ!“ بھان متی

نے جواب دیا۔

”تُو اکیلی رہتی ہے یہاں.....؟“

”اکیلی ہی بھاری ہوں سب پر، سنسار میں اپنا کوئی ہے ہی نا!“

”ہوں..... ٹھیک!“ ویرا سنگھ نے مسکرا کر کہا۔ ”جئے تلک سے بولا۔“ ”ہاں جے! کیا کہتے

ہو؟“

”چلو، اب یہاں رکنا بیکار ہے۔“

”ایک بات تو بتاؤ مجھے؟“ بھان متی نے کہا۔

”ہاں بول.....!“

”تھانیدار سے تمہاری کیا دشمنی تھی، آؤ بیٹھو، تھوڑی دیر باتیں کرتے ہیں، میں تمہارے

لیے کھانا تیار کروں، نو سال ہو گئے کبھی من سے چولہا نہیں جلایا۔“

”اب تیرا من کیوں چاہنے لگا؟“

”بس..... بوڑھی تھوڑی ہوئی ہوں ابھی..... کبھی کبھی کسی کو دیکھ کر من چاہتا ہے کہ اس

سے دو باتیں کی جائیں۔“

”چل اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے، کیا کھلائے گی بول؟“

”آلو کی پوریاں اور چنے کے ساگ کی بھاجی۔“ وہ جیسے خوش ہو کر بولی۔

”تو پھر ٹھیک ہے بھان متی! ہم دونوں رات کو آئیں گے، تُو آنا گوندھ کر رکھ لینا۔“

دیر اسٹگھ نے کہا اور مزید کچھ کہے بغیر واپسی کے لیے قدم اٹھا دیئے۔

بستی سے کافی دور نکل آنے کے بعد جئے تلک نے پوچھا۔ ”کیا واقعی ہمیں اس بستی میں

واپس آنا ہوگا، تم نے اسے کھانا پکانے کے لیے کہا ہے، یہاں آنا خطرناک نہیں ہوگا ہمارے

لیے؟“

جئے تلک! خطروں کی ہم نے پروا کب کی ہے۔ دو ہی کام ہوتے ہیں یا منش زندہ رہتا

ہے یا مر جاتا ہے نہ ہمیں جینے سے دلچسپی ہے نہ مرنے سے، تو پھر ان باتوں پر غور کیوں کیا

جائے۔“

جئے تلک مسکرانے لگا پھر بولا۔ ”لگتا ہے بھان متی تجھے پسند آگئی ہے؟“

دیر اسٹگھ عجیب سے انداز میں مسکرانے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ”جیون کے ساتھ ساتھ

تھوڑی سی خوشی ضروری ہے، ہم واپس ضرور آئیں گے، اس سے وعدہ کر کے آئے ہیں، تُو نے

دیکھا کہ کتنی ٹڈتھی وہ، پولیس والوں کی لاشیں اس کے سامنے پڑی ہوئی تھیں مگر وہ ایسے بات

کر رہی تھی جیسے اسے اس کی کوئی پروا ہی نہیں ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے، میں نے سچ بچہ نہیں سوچا تھا، ویسے دیر اسٹگھ! کیا ہمارے گردہ میں کسی

عورت کی منجائش نہیں نکل سکتی؟“

دیر اسٹگھ ہتھ مار کر ہنس پڑا پھر بولا۔ ”ابھی اس بارے میں سوچا نہیں.....! دیکھیں گے،

سوچیں گے۔“

”میں بھان متی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ چنچل بھی ہے، خوش مزاج بھی ہے،

بہادر بھی ہے۔“

”اب تُو بہت زیادہ جذباتی ہو گیا ہے جئے تلک! ابھی تو ہم نے آغاز کیا ہے، ہمارے

گروہ میں آدی ہی کتے ہیں اور ہمارے سامنے ایک لمبا حساب پڑا ہوا ہے، ٹھا کر نہ جانے کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں، ہم ابھی سے ان چکروں میں پڑ گئے تو ٹھا کر دوں کے لیے اس سے زیادہ خوش کی خبر اور کیا ہوگی۔“

”ویسے تھوڑی دیر کے بعد بستی بہت خطرناک ہو جائے گی، بستی والے واپس آ کر یہ لاشیں دیکھیں گے اور اس کے بعد چاروں طرف دیرا سنگھ کے نام کا شور مچ جائے گا تھانیدار کے قتل کی تفتیش شروع ہو جائے گی، ممکن ہے فتح پور کی ناکہ بندی بھی ہو جائے۔“

”پہلی بات تو یہ کہ کسی نہ کسی نے ہمارے گھوڑے یہاں سے نکلے ہوئے دیکھے ہوں گے، اگر پولیس آ بھی گئی تو بے چارے بستی والے اسے یہی بتائیں گے کہ دیرا سنگھ خون کر کے بھاگ گیا، اس وقت وہ ہمیں جنگلوں میں تو ڈھونڈیں گے، پر یہ کوئی نہیں سوچے گا کہ واردات کرنے کے بعد بھی ہم بستی میں آلو کی پوریاں اور چنے کے ساگ کی ترکاری اڑا رہے ہیں۔“ دیرا سنگھ ہنس کر بولا۔

”بات تو ٹھیک ہے، پر بستی میں داخل کیسے ہوں گے؟“

”بس ابھی چلتے ہیں، ہم تو یہ دیکھنے آئے ہیں کہ بھاگنے والے پولیس والے کہاں چھپے ہیں، ایسا کرتے ہیں جتنے گھوڑے قبرستان کی دیوار کی ساتھ باندھ دیتے ہیں، اچھی جگہ ہے پھر رات تک وہیں رہیں گے اور رات کو بھان متی کے پاس پہنچ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی!“ جتنے ملک نے محبت سے دیرا سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بھلا دیرا سنگھ کے علاوہ اب اس کا اس دنیا میں کیا رہ گیا تھا۔

وہ لوگ خاموشی سے قبرستان کی دیوار کی جھاڑیوں کے جھنڈ میں جا کھڑے ہوئے گھوڑے سے اتر کر گھوڑوں کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے لگے۔

”ایک بات تو سوچی ہی نہیں ہم نے بے! پولیس کو ہماری خبر کس نے دی۔“ دفعتاً ہی دیرا سنگھ نے کہا۔

”ہاں بخبری ضرور ہوئی ہے، پر کیا کہا جاسکتا ہے، ممکن ہے کسی نے ہمیں دیکھ لیا ہو۔“

”پتہ چل جائے تو اس سے بھی نمٹ لیا جائے۔“ دیرا سنگھ دانت پیس کر بولا۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے وہ قبرستان سے نکل آئے۔ بستی سنان تھی۔ اس خونی واردات کے بعد بستی کی فضا کچھ اور بھیانک ہو گئی تھی اور لوگ سرشام ہی گھروں میں جا دیکے

تھے۔ آدھے سے زیادہ بستی کے گھروں کے چراغ بجھے ہوئے تھے، بس کہیں کہیں کتوں کے ہونکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

دونوں خاموشی سے بھان متی کے گھر کے پاس پہنچ گئے۔ یہ جگہ بھی سنسان پڑی ہوئی تھی، دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ویرا سنگھ کو اڑدھکیل کر اندر داخل ہو گیا، سامنے ہی سروس کے تیل کا چراغ جل رہا تھا اور اس کے نزدیک بھان متی بیٹھی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑی، پھر بھاگ کر دروازے کے قریب گئی اور اسے بند کر دیا پلٹ کر تیزی سے اندر گئی اور کوٹھے سے کوئی چیز اٹھا لائی۔

پھر اس نے اچک کر دونوں ہاتھ اوپر کئے اور کالے ڈورے کا ایک حلقہ پہلے دیرا سنگھ کے گلے میں ڈالا اور دوسری بار جتنے تلک کی گردن میں.....! پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے اور بولی۔ ”تم دونوں رسوئی میں آ جاؤ، گرم گرم پوریاں اتار تی جاؤں گی، ان میں مزہ آ جائے گا۔“

”آ جا جئے!“ ویرا سنگھ نے کہا اور دونوں رسوئی کے ایک کونے میں بچھے ہوئے بورے پر جا بیٹھے۔ بھان متی نے بڑی چاہ سے پوریوں میں آلو بھر کر تلنا شروع کر دیا۔ اس نے دو پیالیوں میں سرکہ ڈوبی مرچیں اور دی بھی رکھ دیا اور گرم گرم پوریاں اتار کر ان کے سامنے پروسنے لگی۔

”لاشیں کس نے اٹھائی تھیں بھان متی؟“ جتنے تلک نے پوچھا۔

”آگرہ سے پولیس کی دولاریاں آئی تھیں، ساری بستی میں وہ لوگوں سے پوچھ گچھ

کرتے پھرے تھے پھر وہی لاشیں اٹھا کر لے گئے۔“

”تجھ سے بھی پوچھ گچھ کی ہوگی؟“

”ہاں دوسرکاری بھالو بڑے اکڑتے ہوئے آئے تھے، پوچھنے لگے گولیاں چلتے سے میں

کیوں گھر سے نہیں بھاگی تھی، پھر وہ مجھ سے تم دونوں کا حلیہ پوچھنے لگے، میں نے ان سرروں کو

ایک موٹے بینے کا حلیہ بتا دیا۔“ بھان متی نے کہا اور فس پڑی۔

”کوئی سختی تو نہیں کی انہوں نے تجھ پر؟“ ویرا سنگھ نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

”ارے مجھے پر سختی کرتے تو مزہ بھی چکھ لیتے، میں کسی سے کم نہیں ہوں۔“ بھان متی اکڑ

کر بولی پھر کہنے لگی۔ ”جانتے ہو بخبری کس نے کی تھی؟“

”کیا ٹو نے معلوم کر لیا؟“ جنے تلک نے چونک کر پوچھا۔ ویرا سنگھ کا ہاتھ بھی رک گیا۔
 ”کیوں نہ معلوم کرتی، میں نے کھوج لگا لیا۔“ بھان متی نے کہا۔
 ”کون تھا وہ؟“

”چمن خان، نیاز خان کا پوتہ..... نیاز خان، ٹھا کر رگھو داس کے ہاں نوکری کرے
 ہے، چمن خان اسی کا بیٹا ہے، تمہیں دیکھ کر بھاگا بھاگا وہیں پہنچ گیا اور ٹھا کر کو تہارے بارے
 میں بتایا، ٹھا کرنے تھانیدار کو بلایا۔“
 ”ہوں.....! تجھے اچھی طرح معلوم ہے؟“ ویرا سنگھ نے پوچھا۔
 ”ہاں کیوں نہیں!“

”چمن خان قبرستان میں رہتا ہے۔“
 ”ہاں۔“ بھان متی نے جواب دیا۔
 ”چلو ٹھیک ہے، اس سے بھی حساب چکاتے چلیں گے۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور پھر
 پوریاں کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے۔
 ”اب ہمیں اجازت دے بھان متی! ہم تجھے کبھی نہیں بھولیں گے، یہاں آئے تو تجھے
 سے مل کر ضرور جائیں گے، پروامت کرنا، خیال بھی رکھیں گے تیرا، لے ہماری طرف سے یہ
 تحفہ رکھ لے۔“ ویرا سنگھ نے رد مال میں کچھ رقم باندھ کر بھان متی کو دی تو بھان متی غصے سے بھنا
 اٹھی۔

”پوریوں کے پیسے دے رہا ہے رے..... من کے اندر جو چھپا ہوا ہے، اس تک تیری
 آنکھیں نہیں پہنچیں؟“ بھان متی نے کہا۔
 ”مگر بھان متی.....!“

”دل مت توڑ، یہ دے گا تو ہم یہ سمجھیں گے کہ ٹو نے ہماری دوستی نہیں مانی، بس کھایا اور
 پیسے دے کر چل پڑا۔“

”نہیں بھان متی! ایسی بات نہیں ہے، یہ پیسے تیرے کام آئیں گے۔“
 ”بھگوان کا دیا بہت کچھ ہے ہمارے پاس اور نہ بھی ہوتا تو بھگوان کی سوغند تجھ سے کچھ
 نہ لیتی۔“

”بھان متی! ہم تجھ سے دور نہیں رہیں گے اور ٹو فکر مت کرنا، کسی بات کی کوئی تکلیف

ہل تو ہم تجھ سے ضرور آکر ملیں گے۔“

بھان متی نے عجیب سی نگاہوں سے ویرا سنگھ کو دیکھا اور دیر تک دیکھتی رہی، ویرا سنگھ نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی تھیں۔

”بس یہی تو بھگوان کی لیلیا ہے، کوئی ملے اور مل کر اس طرح پھمڑ جائے تو پتہ نہیں منش کا کیا بنتا ہے؟“

ویرا سنگھ نے اسے غور سے دیکھا اور اس کے بعد واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔ رات کی تاریکی میں دونوں بندوقیں ہاتھ میں پکڑے باہر نکل آئے۔

جئے تلک، ویرا سنگھ کو کچھ خاموش خاموش دکھائی دے رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر اس نے پوچھا۔ ”ویرے! کیا تیرے من میں یہ عورت بس گئی ہے؟“

”دیکھو، من تو ہمیشہ وہی کا وہی رہتا ہے نا، کبھی کبھی کوئی ایسا ضرور سامنے آ جاتا ہے جو تھوڑی دیر کے لیے ہمیں اپنے آپ سے دور لے جاتا ہے، پر یہ ٹھیک نہیں ہے، البتہ اس عورت کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہے، اسے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔“

”ہم کون سا ولایت جا رہے ہیں، خیال رکھیں گے اس کا، ڈیوٹی لگا دیں گے کسی کی۔“

”ہاں آؤ ذرا اس چمن خان کو دیکھ لیں، اس کے بعد سوچیں گے آگے کے بارے میں۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور دونوں قبرستان میں اس طرف چل پڑے جہاں دور سے گورکن کی جھونپڑی کا چراغ نظر آرہا تھا۔

ویرا سنگھ اس چراغ کو گھورتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور دونوں جھونپڑی کے پاس پہنچ گئے۔ چراغ کی دھندلی روشنی میں اندر کا منظر نظر آیا۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے، نیچے چٹائی بچھی ہوئی جس پر ایک جوان عورت دونوں ہاتھ پھیلائے سرڈھکے بیٹھی تھی، اس سے چند گز کے فاصلے پر ایک مرد ٹوپی پہنے مجدد رہتا تھا۔

عورت نے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے پھر بچوں کی طرف دیکھا اور بولی۔ ”ارے تم دونوں کیوں اٹھ گئے؟“

”ماں! تم اور بابا کیا کر رہے ہو؟“ ایک بچے نے پوچھا۔

”اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں، اللہ ہمیں ویرا سنگھ ڈاکو سے بچالے۔“

”تو صبح کو دعا مانگ لیتیں، رات میں کیا ضرورت تھی۔“

”تم لوگ سو جاؤ، فوراً لیٹ کر آنکھیں بند کر لو۔“ عورت نے کہا۔
 ”ہمیں نیند نہیں آرہی اماں! ہم بھی تیرے ساتھ دعا مانگیں گے۔“ دونوں بچوں نے کہا۔

”تو مانگو ضرور مانگو تم معصوم ہو، اللہ تمہاری ضرورت سنے گا۔“
 ”کیا مانگیں ماں.....؟“ بڑے بچے نے پوچھا۔
 ”بولو اے اللہ! ہمیں اور بابا کو ڈاکو دیر اسٹگھ سے بچالے۔“
 ”ڈاکو دیر اسٹگھ کہاں ہے ماں.....؟“
 ”اللہ ہی جانے۔“ عورت ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔
 ”تو پھر ٹوکیوں ڈر رہی ہے اس سے؟“
 ”باتیں بتائے جارہے ہو، دعا مانگو!“
 ”کیا دیر اسٹگھ ہمیں مار ڈالے گا اماں؟“
 ”ہاں اگر تم نے دعا نہ مانگی تو ضرور مار ڈالے گا۔“
 ”جو اللہ سے دعا نہیں مانگتا، اسے دیر اسٹگھ مار ڈالتا ہے؟“ بچے نے معصومیت سے پوچھا۔
 ”نہیں رے، یہ سب تمہارے بابا کا کیا دھرا ہے۔“ عورت نے کسی قدر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”بابا نے کیا، کیا ہے ماں؟“
 ”انعام کے لالچ میں دوڑ گیا تھا تھا کر رہو داس کے پاس کہ دیر اسٹگھ کو پولیس سے پکڑوا دے گا، لالچی کہیں، کا جان کے لالے پڑ گئے اور دیر اسٹگھ کو ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ کس نے مخبری کی ہے، اب وہ کہاں چھوڑے گا ہمیں، دعا مانگو رے تمہارے بابا نے جو کیا ہے، اللہ اسے معاف کر دے۔“

دیر اسٹگھ کے بدن کا تناؤ ڈھیل پڑ گیا، اس کا چہرہ لٹک گیا، بندوق کی نال نیچے ہو گئی۔ کچھ دیر وہ خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے ایک اچھی خاصی رقم نکالی اور جھوپڑی کے عقب سے نکل کر دروازے کے سامنے آ گیا۔ اس نے نوٹوں کو مٹی کے ایک ڈھیلے سے دبا کر جھوپڑی کے سامنے رکھ دیا اور جے تلک کا بازو پکڑ کر بولا۔ ”چل یار! جو بھگوان کی اچھا!“

”کہاں ویرے! چمن خان اندر موجود ہے۔“ جئے تلک نے یاد دلایا۔
 ”ہاں معلوم ہے، پر اندر اس کے بیوی، بچوں کی دعائیں بھی تو ہیں۔ غلطی اس سرے
 نے کی ہے، سب کو سزا نہیں دینی اور پھر وہ اللہ سے اس کا جیون مانگ رہے ہیں، ویرا سنگھ کی کیا
 مجال ہے کہ ان کے اور ان کے اللہ کے بیچ آجائے، آجا میرے یا را بڑا قرض ہے، مالک کا ہم
 کہاں دے سکتے ہیں، جو نکل جائے، سوا چھا ہے۔“ اس نے جئے تلک کا بازو پکڑا اور واپس
 قبرستان کی دیوار کی طرف چل پڑا، جہاں ان کے گھوڑے موجود تھے اور اس کے بعد وہ
 گھوڑوں پر بیٹھ کر وہاں سے چل پڑے۔

ویرا سنگھ اور جئے تلک گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر وہ کافی
 دور نکل جانا چاہتے تھے۔ بھان متی سے جو خبر ملی تھی، اس کا لب لباب یہ تھا کہ آگرہ پولیس کے
 افسر جنگلوں میں ویرا سنگھ کی تلاش میں ابھی تک بھٹک رہے ہوں گے۔ راستوں کے بارے میں
 انہیں خبر نہیں تھی کہ کون سا راستہ کہاں نکلتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے، تاہم وہ رات بھر گھوڑے
 دوڑاتے رہے۔ خیال یہی تھا کہ کسی طرح پولیس کی دسترس سے دو ہو جائیں۔ قرب و جوار میں
 ٹیلے پھیلے ہوئے تھے، ان کے درمیان گھاس کے قطعے بھی تھے۔ ویرا سنگھ نے راستیں کھینچ لیں اور
 جئے تلک نے بھی گھوڑا روک لیا۔

”بس اب آرام کریں گے جئے!“ ویرا سنگھ گھوڑے سے نیچے کود گیا۔

”گھوڑوں کو باندھ لیں۔“ جئے تلک نے پوچھا۔

”ارے نہیں جئے! یہ بے چارے بھی تھک گئے ہوں گے، چھوڑ دو انہیں، کچھ کھالیں

گے۔“

”اگر بھاگ گئے تو.....؟“

”بھاگ گئے تو بھاگ جانے دو یا را! ان کا بھی تو حق ہے، کہیں اور سے پکڑ لیں گے۔“
 ویرا سنگھ نے کہا اور جئے تلک نے دونوں گھوڑوں سے زین اتار لی۔ دونوں بُری طرح تھک
 چکے تھے، انہوں نے آرام کے لیے ایک جگہ تلاش کی اور مطلوبہ جگہ انہیں جلد ہی مل گئی۔

یہ ایک ٹیلہ تھا، ٹیلے کی بلندی پر انہوں نے اپنا ٹھکانہ بنایا تھا، یہاں سے دور تک دیکھا جا
 سکتا تھا۔ ابھی جھپٹا ہی تھا اور روشنی آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی۔ وہ دونوں گھوڑے کی زینیں
 سرہانے رکھ کر لیٹ گئے۔ کافی فاصلے پر کہیں دھواں نظر آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کوئی بستی

قریب ہے لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور ستانے کے لیے لیٹ گئے، البتہ سورج کی تیز کرنوں نے ذرا دیر کے بعد ہی انہیں جگا دیا تھا اور جب وہ جاگے تو سورج اچھا خاصا بلند ہو گیا تھا اور ان کے بدن پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جسموں پر دھول جم چکی تھی، حلے کافی خراب ہو گئے تھے۔

اگر سورج کی کرنیں انہیں تکلیف کا احساس نہ دلاتیں تو شاید ابھی ان میں سے کوئی نہ جاگتا لیکن پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ویسے نیند کافی حد تک پوری ہو گئی تھی اور دماغ پر کوئی خاص بوجھ نہیں تھا۔ جنے تلک نے مسکرا کر ویرا سنگھ کو دیکھا اور ہنس پڑا۔

”اپنا حلیہ دیکھا ہے تم نے ویرے؟“

”کیا ہوا ہے میرے حلے کو!“ جنے تلک مسکرا کر بولا۔

”بھوت بنے ہوئے ہو۔“

”اپنے آپ کو بھی دیکھ جے کے بچے! تُو بھوتوں کا باپ بنا ہوا ہے، یار بڑا دل چاہ رہا ہے کہیں نہا نے کی جگہ مل جائے تو مزہ آجائے۔“

”کیوں نہ اس بستی میں چلیں؟“ جنے تلک نے کہا۔

ویرا سنگھ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے گردن ہلا دی۔ ”ٹھیک ہے، آؤ۔“

وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ کافی دور تک چلتے رہنے کے بعد وہ بستی کے نزدیک پہنچ گئے۔ بستی کا پہلا مکان کھیت کے آخری سرے پر نظر آیا تھا چنانچہ وہ دونوں اسی کی طرف بڑھ گئے بھوک پیاس ستا رہی تھی۔ انہوں نے اطمینان سے مکان کے دروازے کے نزدیک پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک موٹا سا گنجا شخص دروازے پر آگیا۔ اس نے ان دونوں کو حیرت سے دیکھا اور پھر ان کے گلوں میں پڑی ہوئی کارتوسوں کی پیٹیاں اور ہاتھ میں دبی ہوئی راتقلیں دیکھ کر وہ کسی قدر ڈر سا گیا۔ اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”جے رام جی کی مہاراج! جے رام جی کی!“

”کیا نام ہے رے تیرا؟“ جنے تلک نے سوال کیا۔

”دھنی داس..... کسان ہوں، اپنی زمینیں ہیں، انہی پر کام کرتا ہوں۔“

”دیکھو دھنی داس! یہ پولیس کے بہت بڑے افسر ہیں، ہم لوگ ایک خاص کام سے نکلے ہیں اور رات بھر پریشان پھرتے رہے ہیں، اس لیے اس بستی کی طرف آگئے ہیں، تھوڑی دیر

تمہارے ہاں ٹھہریں گے پھر یہاں سے آگے بڑھ جائیں گے۔“
 ”ٹھیک ہے مہاراج! ابھی ہم ساری تیاریاں کر دیتے ہیں۔“ دھنی داس نے کہا اور ان لوگوں کو بیٹھک میں بٹھا کر اندر چلا گیا، پھر کچھ ہی دیر میں باہر آیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔
 ”اشنان کا بندوبست کر دیا ہے مہاراج! آپ ایک ایک کر کے چلے جائیں، میں نے بالٹیوں میں پانی رکھوا دیا ہے۔“

جے تلک نے گردن ہلائی، پھر اس نے ویرا سنگھ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”چلے سر! پہلے آپ اشنان کریں، اس کے بعد میں نہانے چلا جاؤں گا، اس دوران دھنی داس ناشتے کا بندوبست کریں گے۔“ ویرا سنگھ خاموشی سے اٹھ گیا تھا۔

ناشتے کے دوران جے تلک نے پوچھا۔ ”یہ کون سی بستی ہے دھنی داس جی؟“
 ”مرسی گاؤں ہے یہ مہاراج!“

”ہمارے دوسرے پولیس والے ساتھی اس طرف تو نہیں آئے، اصل میں وہ لوگ وردیاں پہنے ہوئے ہیں، ہم لوگ ایسے لباس میں ہیں کہ ہمیں کوئی پولیس والا نہ سمجھے، بات یہ ہے کہ ان دنوں ڈاکو ویرا سنگھ ان علاقوں میں گھومتا پھر رہا ہے، ہمیں اسی کی تلاش ہے۔“
 ”ویرا سنگھ ڈاکو کی تلاش ہے؟“ دھنی داس نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں..... جانتے ہو اسے؟“

”بڑا نام ہے اس کا، بھگوان کی دیا سے اس بستی میں کبھی نہیں آیا۔“

”اور پولیس والے.....؟“

”وہ بھی اس طرف نہیں آئے، پھر آپ لوگ ادھر کیسے نکل آئے مہاراج! کیا اسے اس

طرف آتے ہوئے دیکھا گیا ہے؟“

”ہاں، ادھر اس کی موجودگی کی خبر ملی ہے۔“ جے تلک نے جواب دیا اور پھر دھنی داس

سے بولا۔ ”ذرا باہر جا کر ہمارے گھوڑوں کو دیکھو دھنی داس!“

دھنی داس دروازے سے باہر نکل گیا اور کچھ ہی دیر کے بعد اندر آ گیا۔ ”گھوڑے تو

ادھر ناہیں ملے سرکار! ہم نے دور دور تک کھونٹا لیا ہے۔“

”اوہ.....! شاید بھاگ گئے ہوں گے، ہمارے اور ساتھی پولیس والے تو نہیں ملے

تمہیں؟“

”ناہیں سرکار! بستی سے چا چارام پر ساد آئے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ آگے کی بستی میں بہت سے پولیس والے ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

”ویرا سنگھ کی تلاش ہو رہی ہوگی۔“

”یہ تو ناہیں پتہ مہاراج!“

”اچھا چلو ٹھیک ہے، اب ہم چلتے ہیں دھنی داس! ذرا ہمیں اس دوسری بستی کا پتہ بتا دو تاکہ ہم اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ جائیں۔“

”بس سرکار! ناک کی سیدھ میں چلے جائیں، آگے دھرم شالہ ملے گی بس اس کی سیدھ میں چلتے ہوئے بستی تک پہنچ جائیں گے، ڈھائی کوس ہے دوسری بستی یہاں سے!“

”ٹھیک ہے دھنی داس! دھنواد۔“ جنے تلک نے کہا اور پھر وہ ہم لہجے میں بولا۔ ”دھنی داس بے چارہ ہمیں پولیس والوں کے پاس پہنچانا چاہتا ہے۔“ ویرا سنگھ بھی ہنسنے لگا تھا۔ ”اب دوسری طرف نکل چلو، کہیں پولیس ادھر نہ آجائے۔“ اور انہوں نے رخ بدل کر سفر شروع کر دیا۔ بندوقیں ہاتھ میں لیے وہ کھیتوں کی منڈیر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے گھوڑے پتہ نہیں کہاں گم ہو گئے تھے، دور دور تک ان کا ناوشان نہیں تھا لیکن ویرا سنگھ نے ان کی ذرا بھی پروا نہیں کی تھی۔ کافی دور جا کر انہیں ایک نہر نظر آئی، جس کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت باغ پھیلا ہوا تھا۔

شفق کی سرخیاں زمین پر اترنے لگیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ سرخیاں اندھیروں میں گم ہوتی گئیں۔ انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ تھوڑے سے آگے بڑھے تو انہیں ایک چرواہا بکریوں کا ریوڑ ہانکتا نظر آیا۔ دونوں نے آگے بڑھ کر اسے روک لیا۔

”ہمیں بھوک لگ رہی ہے، کیا تم ہمیں بکریوں کا تھوڑا سا دودھ دے سکتے ہو؟“

”ضرور مائی باپ! ہمارے پاس گڑ، روٹی اور پیاز بھی ہے۔“ چرواہے نے کہا اور پھر یہ چیزیں نکال کر انہیں دیں اور گڑوی میں دودھ نکالنے بیٹھ گیا۔ یہ دونوں شوق سے اللہ کی اس نعمت کو کھانے لگے۔ چرواہے نے دودھ بھری گڑوی انہیں دی اور دودھ پی کر وہ شکم سیر ہو گئے۔

تمہارا مہربانی دوست! یہ کچھ پیسے رکھ لو۔“

”ایں.....!“ چرواہے کے چہرے پر اچانک اداسی پھیل گئی۔ وہ افسردگی سے بولا۔

”تم نے تو ایک دم ہم سے ہمارا مان چھین لیا مہاراج! ہم غریب آدمی ہیں، کبھی کسی کی سیوا کرنے کے قابل نہیں ہوئے، آج بھگوان نے تھوڑی سی سی تو، تم نے ہماری سیوا کے بدلے پیسے سامنے کر دیئے، ٹھیک ہے غریب کو غریب نہ سمجھے گا تو کیا کوئی سا ہوگا سمجھے گا!“

دیرانگھ نے جلدی سے پیسوں والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ کچھ دیر چرواہے کو دیکھتا رہا پھر جئے سر تک کو اشارہ کر کے وہاں آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی سے چلتا رہا پھر اچانک جئے تلک بولا۔ ”اب تم بتاؤ جئے! یہ لوگ کتنے ظرف والے ہیں، انہیں ٹھا کروں کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ دوں جو انہیں جانور سمجھتے ہیں؟“

جئے تلک نے گردن ہلا دی۔

رات گہری ہونے لگی۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کے لیے پسند کر لی۔ دونوں باتیں کرنے لگے۔ جئے تلک نے کہا۔ ”سچ پور میں جو کچھ ہوا ہے، اس کا ردِ عمل جلدی سامنے آجائے گا۔“

”آجائے..... ہمیں کیا پروا ہو سکتی ہے، جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے ہم نے، اسے تو جاری رکھنا ہے۔“ دیرانگھ بولا۔

آدمی رات گزر چکی تھی۔ وہ تقریباً نیم غنودگی کی حالت میں تھے کہ اچانک جئے تلک کی آنکھ کھل گئی۔ اسے کچھ سرسراہٹیں سنائی دی تھیں۔ کچھ لمحے وہ ان آہٹوں پر کان لگائے رہا پھر اس نے دیرانگھ کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

+++++

دیر اسٹگھ گہری نیند سونے کا عادی نہیں تھا، وہ ہر لمحہ چوکس رہتا تھا جیسے ہی جے تک نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔

”آس پاس کچھ سرسراہٹیں سنائی دے رہی ہیں، لگتا ہے انسانی قدموں کی آوازیں ہیں۔“ یہ کہہ کر جے تک اٹھنے لگا۔

دیر اسٹگھ نے جلدی سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا پھر سرگوٹی میں بولا۔ ”لیٹے رہو، جو کوئی بھی ہیں ہو سکتا ہے ان کی نگاہیں ہم پر نہ پڑی ہوں اور وہ ایسے ہی آگے بڑھ رہے ہوں۔“ بات جے تک کی سمجھ میں فوراً آ گئی اور وہ دم سادھ کر لیٹ گیا۔ البتہ دونوں نے بندوقیں سنبھال لی تھیں۔ دیر اسٹگھ کی نگاہیں ادھر سے اُدھر گھوم رہی تھیں، وہ دور دور تک دیکھ رہا تھا۔

فتح پور میں ہونے والا واقعہ، مکلا سین کی موت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اگرہ، ہاتھرس کندولی اور فتح پور کے پولیس اسٹیشنوں سے بے شمار سپاہی مسلح ہو کر دیر اسٹگھ کو زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ پولیس اپنی دانست میں چاروں طرف سے دیر اسٹگھ کے گرد گھیرا جگ کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور چونکہ وہ مختلف بستیوں سے ایک ساتھ چلے تھے اس لیے ان کا یہ اقدام خاصی حد تک کامیاب تھا، لیکن مقابل میں ایک ایسا بے جگر انسان تھا جو زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔

دیر اسٹگھ نے کچھ لمبے انتظار کیا اور پھر گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔ پولیس بے شک آ رہی تھی لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ اسے ان تک پہنچنے میں کافی دیر لگتی۔ دیر اسٹگھ کی نگاہیں ان پہاڑیوں کی جانب اٹھ گئیں جو زیادہ فاصلے پر نہیں تھیں۔ یہ تلواری کی پہاڑیاں تھیں اور خاصی دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

ویرا سنگھ نے آہستہ سے کہا۔ ”جئے ہمیں پہاڑیوں تک پہنچ جانا چاہئے۔ اس وقت یہ ہمارے لیے اچھی پناہ گاہ ثابت ہوں گی، لیکن ہمیں جھکے جھکے وہاں تک پہنچنا ہے، کھڑے ہوئے تو دیکھ لیے جائیں گے۔“

جئے تلک نے اس بات کی تائید میں گردن ہلا دی اور پھر انتہائی مہارت کے ساتھ وہ دونوں پہاڑی تک پہنچ گئے۔ آدھی پہاڑی پر پہنچے تھے کہ دور سے پولیس نظر آگئی اور شاید ادھر سے بھی انہیں دیکھ لیا گیا۔

ویرا سنگھ نے بلند یوں کی جانب دیکھا اور پھر ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔ ”یہ جگہ بہت مناسب ہے ہمارے لیے۔ یہیں رک جاؤ، تم ڈرتو نہیں رہے۔“ ویرا سنگھ نے جئے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

جئے نے نیکی نگاہوں سے اسے دیکھ کر جواب دیا۔ ”کیسا ڈرنا، پولیس سے تو اب ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے، اس سے تک جب تک جیون ہے اور پھر ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے، کبھی ریل تو کبھی جیل۔“

وہ اپنے لیے صحیح مورچے تلاش کرنے لگے۔ ادھر پولیس پوری طرح تیار ہو کر آئی تھی، چنانچہ وہ دور بین سے دور دور تک کا جائزہ لے رہے تھے اور ان کی نگاہیں یقیناً ویرا سنگھ اور جئے تلک پر پڑ گئی تھیں، کیونکہ دوسرے لمحے چاروں طرف سے سیٹیاں بجن شروع ہو گئیں اور پھر ان سیٹیوں کا جواب بھی دیا جانے لگا۔ پولیس کے دستے بندوقیں تمام تمام کر منظم ہو گئے۔ پھر ایک دستے نے پہاڑی کی طرح رخ کیا اور اس سے کچھ دور آ کر رک گیا۔ پولیس کا پلان یہ تھا کہ چاروں طرف سے پہاڑی کا محاصرہ کر لیا جائے تاکہ ڈاکو بھاگ نہ سکیں۔

”کیا کہتے ہو دیرے؟“

”جب تک ادھر سے کوئی پہل نہ ہو ہمیں انتظار کرنا چاہئے، ہمیں یہ دن یہیں گزارنا ہے، اگر رات تک ہم نے انہیں روک لیا تو پھر ان کا باپ بھی ہمیں نہیں پاسکتا۔“ ویرا سنگھ نے اپنے کسی منصوبے کے تحت کیا اور پھر دونوں الگ الگ ہو گئے۔

پہاڑی کے ایک حصے پر جئے تلک نے اور دوسرے حصے پر ویرا سنگھ نے مورچہ ویرا سنگھ سنبھال لیا۔ نیچے پولیس کی گاڑیاں برابر آرہی تھیں اور سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دونوں بلندی سے ان کا بخوبی جائزہ لے رہے تھے۔

وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور پھر دس پندرہ سپاہیوں کا ایک دستہ پہاڑی کی طرف بڑھا اور تیزی سے فاصلہ طے کرنے لگا۔ ویراسنگھ نے ایک بڑے پتھر کی آڑ لی اور بندوق سنبال لی۔ پولیس والے فاصلے طے کرتے رہے اور جب وہ اس کی رینج میں آئے تو اس نے مسلسل دو تین فارے کئے۔

گولیوں کی آواز سننے ہی پولیس حرکت میں آگئی اور اس پہاڑی ٹیلے پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ گولیوں کا طوفان آگیا، پہاڑی آگ اُگل رہی تھی، ماحول تھرا رہا تھا اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

ویراسنگھ اور جے تلک اپنی زندگی کی بہترین جنگ لڑ رہے تھے، ہر دو منٹ کے بعد کوئی نہ کوئی سپاہی ان کی گولی کھا کر لڑھکتا ہوا نظر آتا۔ پہاڑی پر جا بجا خون بہنے لگا تھا اور سپاہیوں کی لاشیں جگہ جگہ پتھروں پر پڑی نظر آنے لگی تھیں، مقامی پولیس کا یہ پہلا معرکہ تھا جو ویراسنگھ ڈاکو سے ہو رہا تھا، جگہ جگہ ان دونوں کا نام تو سنا گیا تھا بلکہ جواڑوں کی پولیس تو کئی بار سامنے آچکی تھیں، لیکن یو پی کی پولیس کو یہ پہلا موقع ملا تھا کہ وہ ویراسنگھ کے مقابلے پر آئی تھی، اس کے بارے میں جو قصے انہوں نے سنے تھے وہ سچے ثابت ہو رہے تھے۔

اگر وہ ہوش میں ہوتے تو انہیں اندازہ ہو جاتا کہ گولیاں ایک یا دو بندوقوں سے نکل رہی ہیں اور دونوں حصوں میں گولیاں چلانے والے دو سے زیادہ نہیں ہیں، کیونکہ ایک وقت میں اک ہی فارے ہوتا ہے۔ اگر وہ حکمت عملی سے کام لیتے تو اس بات کو آسانی سے سمجھتے سکتے تھے، لیکن یہ چھوٹی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ صرف دو یا تین افراد یہ طوفان اٹھا رہے ہیں۔ ایسا طوفان جس نے اتنی بھاری پولیس کی جمعیت کو چت کر دیا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا تو انہوں نے مشین گنیں آگے بڑھائیں جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ مشین گنوں کی خوفناک آوازیوں نے پہاڑی کو ادھیڑنا شروع کر دیا۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے کچھ ہی دیر میں بڑے بڑے پتھر نیچے لڑھکنے لگیں گے، سپاہی دہشت زدہ انداز میں پہاڑی کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتے، لیکن ویراسنگھ اور جے تلک ان کی ہر کوشش ناکام بنا رہے تھے، ان دونوں کے پاس کارتوسوں کا کافی بڑا ذخیرہ تھا، اس کے علاوہ ہر کارتوس کو بڑی احتیاط کے ساتھ استعمال کر رہے تھے۔

ویراسنگھ کی تیز نگاہیں نیچے موجود سپاہیوں کا جائزہ لے رہی تھیں جو چٹانوں اور پتھروں

کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے لیکن اس کی نقل و حرکت صاف محسوس ہوتی تھی، بلاشبہ یہ ایک سخت مقابلہ تھا اور اس کا فیصلہ دو ہی صورتوں میں ممکن تھا۔ ان دونوں کی موت یا پھر پولیس والوں کی شکست، حالانکہ پولیس والوں کی تعداد کافی اور ان سب کی موت کے بارے میں سوچنا بھی حماقت کی بات تھی لیکن بعض اوقات بد وقتوں سے زیادہ حوصلہ کام کرتا ہے جبکہ پولیس والوں کی جو حالت ہوئی تھی اسی سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔

ویرا سنگھ حتی الامکان ان پر نگاہیں جمائے اپنا کام کر رہا تھا، لیکن کسی جہر کسی طرح دو تین پولیس والے پہاڑی کے اوپر پہنچ گئے اور ویرا سنگھ سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے اپنے لیے مورچہ بنالیا۔ ویرا سنگھ ان پولیس والوں سے بے خبر تھا اور پولیس والوں کو بھی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ویرا سنگھ کس طرف موجود ہے۔ پولیس والے ایک پتھر کی آڑ میں کھڑے ہو گئے، جب ان لوگوں نے خود کو محفوظ کر لیا تو ایک پولیس والے نے بلند آواز میں کہا۔ ”ویرا، تُو بہادر انسان ہے، اپنے گروہ سے کہہ کر ہتھیار پھینک دے۔ ہم تجھے معافی دلوادیں گے، اپنی ضد سے باز آ جا پولیس کو ہلاک مت کر اور اپنی جان کو مشکل میں مت ڈال۔“

”معافی، سرے کہیں کے، یہ معافی دیں گے۔“ ویرا سنگھ نے آہستہ سے کہا اور رائفل میں کارٹوس ڈالنے لگا۔ آگرے کا ڈی ایس پی موہن لعل اور ہاتھرس کا انسپکٹر سکسینہ ایک ہی جگہ تھے اور صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ پولیس والوں کی نفری بہت زیادہ تھی اور پہاڑ پر صرف دو آدمی تھے، لیکن سپاہیوں کے دل میں خوف بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ایک بڑا گروہ سرگرم عمل ہے، گولیاں چلاتے چلاتے ان دونوں کی انگلیاں دکھنے لگی تھیں، لیکن ان کے دل میں خوف کا نام و نشان نہیں تھا۔

ویرا نے ایک پولیس افسر کو دیکھا جو گولیوں کی بوچھاڑ میں چھپتا ہوا اوپر آ رہا تھا، کبھی وہ ایک چٹان کی آڑ میں ہو جاتا، کبھی دوسری چٹان کی آڑ میں، ویرا سنگھ دم سادھے اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا، پھر جونہی وہ اس کی ریخ میں آیا اس نے گولی چلا دی۔ افسر کی دلخراش چیخ ابھری اور وہ گہرائیوں میں لڑھکتا چلا گیا، لیکن اس کے فوراً بعد ہی سیٹیاں دوبارہ بجنے لگی تھیں۔

پولیس والوں نے ان سیٹیوں کی آوازیں سن کر اپنی اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور نیچے کھسکنے لگے، لیکن یہ واپسی بھی ان کے لیے موت کی واپسی ثابت ہوئی، ان میں سے کئی موت کا نشانہ بن گئے۔ ویرا سنگھ کے سچے نشانے کے وہ لوگ دل سے قائل ہو رہے تھے۔ اس کی ایک بھی گولی

بیکار نہیں جاتی تھی۔

سیٹوں کا مطلب تھا کہ ایڈوائس کرنے والی ساری پولیس نیچے آجائے اور پولیس والے اس حکم کو غنیمت سمجھ کر نیچے اتر آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سب پہاڑی کے دامن میں جمع ہو گئے۔

جب پولیس کی طرف سے گولیاں چلنا بند ہو گئیں تو ویرا سنگھ نے بھی فائرنگ بند کر دی، اس کے علاوہ کارتوس بھی کم رہ گئے تھے۔ اس لیے بھی وہ احتیاط کرنا چاہتا تھا۔ بہت دیر تک خاموش رہی۔

اب اندھیرا اچھی طرح پھیل گیا تھا، ویرا سنگھ نے دور سے گیس کے ہنڈے آتے ہوئے دیکھے۔ پولیس کے لیے شاید اور مدد آگئی تھی۔ اب پہاڑی سے نیچے اترنے کا مسئلہ تھا، ویرا سنگھ کو معلوم تھا کہ پولیس کی گاڑیاں اور جوان پہاڑی کے چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں اور ان کے بچ سے نکل جانا آسان نہ وہ گا۔

دوسری طرف پولیس والوں نے سرچ لائٹ کا بندوبست بھی کر لیا تھا، لمبے لمبے بانس گاڑھ کر سرچ لائٹوں کو ان پر روشن کیا جا رہا تھا اور ان کا رخ ایسا رکھا گیا تھا کہ وہ پہاڑی کے ہر حصے کو روشن کر دیں۔

ویرا سنگھ نے سوچا کہ ایسے خطرناک موقع پر جنے کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے، حالانکہ جنے تلک کافی مستعد تھا لیکن یہاں سے وہ اکیلا واپس نہیں جانا چاہتا تھا، اس نے لیٹے لیٹے کھسکا شروع کر دیا اور پھر اس کے منہ سے ایک مخصوص آواز نکلی۔ پہاڑی جانور کی آواز کا جواب بھی فوراً ہی دوسری طرف سے مل گیا، اشاروں کی زبان میں دونوں نے ایک دوسرے کے پاس آنے کی بات کی تھی اور جنے تلک پتھروں کی آڑ میں ہوتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

”مزہ آگیا ویرے، اب جو ہونا ہے ہو جائے اس کی پروا نہیں ہے، لیکن مزہ آگیا، کتنے مارے تم نے؟“ جنے تلک نے پوچھا۔

”اب کوئی گنتی تو نہیں کی پر بہت مرے ہیں، جیتے رہنے والے جیون بھر اس مقابلے کو یاد رکھیں گے۔“

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے دن میں ان سے لڑو گے؟“

”گولیاں کم رہ گئی ہیں اور اب زیادہ بہادری بھی اچھی نہیں۔ نکل چلنے کی کوشش کرتے

ہیں یہاں سے، ان سے ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔“

”نکلنا آسان تو نہیں ہوگا، وہ چاروں طرف موجود ہیں۔“

”کوئی ترکیب سوچتے ہیں۔“ ویراسنگھ نے کہا اور پھر اس کی نگاہیں چٹانوں کے پاس جگہ جگہ اُگی ہوئی جھاڑیوں پر پڑیں اور اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔ اس نے اندرونی لباس میں چاقو تلاش کیا اور اسے ایک لمبا شکاری چاقو مل گیا، پھر وہ ریگتتا ہوا ایک جھاڑی کی طرف بڑھا اور اس کے قریب زمین پر لیٹ گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اچانک اس کے حلق سے ایک مسرت بھری آواز ابھری۔ ”بن گیا کام رہے۔“

جنے تلک خود بھی اس کے پاس پہنچ گیا، اس کی سمجھ میں ویراسنگھ کی خوشی نہیں آئی تھی، لیکن ویراسنگھ نے انتظار کئے بغیر جھاڑی کی جڑ میں ہاتھ ڈالا اور چاقو کی مدد سے جھاڑی کی جڑ کاٹ دی، پھر اس نے وزنی جھاڑی اپنی سمت کھسکائی، جھاڑیاں اس قسم کی تھیں کہ ان کی موٹی جڑ تھیں، لیکن اوپر سے خوب کھنی اور پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے تھوڑی دور ہٹ کر دوسری جھاڑی کاٹی۔

اسی وقت جزیئر چلنے کی آواز سنائی دی، پولیس سرچ لائٹیں روشن کرنے کے انتظامات کر رہی تھیں۔ جزیئروں کی آواز پہاڑوں میں گونج اُٹھی تھی۔

”رائفل لوڈ ہے جنے؟“ ویراسنگھ نے پوچھا۔

”ہاں ابھی میرے پاس کافی گولیاں موجود ہیں۔“ جنے تلک نے جواب دیا۔

”تو لے یہ جھاڑی سنبھال لے اور مجھ سے تھوڑی دور ہٹ جا، ہم یہ جھاڑیاں سر پر پھیلانے نیچے اتریں گے۔ ان چٹانوں میں جگہ جگہ ایسی جھاڑیوں موجود ہیں، پولیس والوں کو یہ یاد نہیں ہوگا کہ یہ جھاڑیاں کہیں کہاں ہیں، وہ ہمیں جھاڑیاں ہی سمجھتے رہیں گے لیکن ہوشیاری سے پتہ نہ لگے۔“ ویراسنگھ نے کہا اور جنے تلک نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی۔

وہ ویراسنگھ کی بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا، جھاڑیاں سنبھال کر وہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہٹ گئے اور پھر انہوں نے نیچے اترنے کے لیے راستے منتخب کر لیے۔ ویراسنگھ ایک ہاتھ میں رائفل سنبھالے، دوسرے ہاتھ میں مضبوطی سے جھاڑی پکڑے پہاڑی سے اترنے لگا۔ ابھی وہ چند ہی گز نیچے اترتا تھا کہ سفید دودھیا روشنی پہاڑی کے اوپری حصے پر پڑی اور ویراسنگھ ساکت ہو گیا۔ وہ پوری طرح جھاڑی کی آڑ میں تھا۔ روشنی نے اسے پوری طرح اپنے

حصار میں لے لیا اور ویرا سنگھ تیار ہو گیا کہ اگر اسے دیکھ لیا جائے تو پھر بندوق کا استعمال آرام سے کیا جاسکے۔

سرج لائٹ تھوڑی دیر تک اس پر ساکت رہی اور اس کے بعد دوسری طرف گھوم گئی۔ پولیس والوں کے پاس روشنی کا انتظام ناکافی تھا، اس لیے انہوں نے سرج لائٹوں کو اس طرح فٹ کیا تھا کہ گھوم سکیں۔

جونہی سرج لائٹ کی تیز روشنی ویرا سنگھ سے ہٹی۔ وہ جھاڑی سنبھال کر پھر نیچے اترنے لگا اور اس بار اسے کافی نیچے جانے کا موقع مل گیا، ایک بار پھر اسے روشنی کا شکار ہونا پڑا، لیکن وہ جھاڑی سمیت پھر ساکت ہو گیا۔ چونکہ یہاں جگہ جگہ جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں، اس لیے پولیس کی تیز نگاہیں یہ نہ محسوس کر سکیں کہ یہ جھاڑی متحرک کیوں ہے۔

راستے میں جگہ جگہ سپاہیوں کی لاشیں پڑیں ہوئی تھیں۔ ایک جگہ جو ویرا سنگھ رکا تو اس کے پیروں کے نیچے ایک لاش آگئی۔ یہ اسی پولیس آفیسر کی لاش تھی جسے ویرا سنگھ نے نشانہ بنایا تھا، گولی نے اس کا سمجھ اڑا دیا تھا اور وہ اس طرح الٹ گیا تھا کہ سر سے بہا ہوا خون اس کی وردی نہیں خراب کر سکا تھا۔ ویرا سنگھ کو ایک ترکیب سوچھی وہ وہیں رک گیا، جھاڑی ایک طرف رکھی اور پولیس افسر کی وردی اتارنے لگا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ اس کی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ ایک چٹان کی آڑ میں جا کر اس نے پولیس افسر کی وردی پہنی، اپنے کپڑے تہہ کر کے اس نے ایک گٹھری سی بنائی اس کے بعد پولیس افسر کے پاس موجود پستول اور گولیاں اپنے قبضے میں کیں اور پھر اسی انداز میں نیچے اترنے لگا۔

پہاڑی کے دامن میں وہ اس جگہ اتر ا جہاں پولیس والوں کی تعداد کم تھی۔ اس کی تیز آنکھوں نے دوسری متحرک جھاڑی دیکھ لی تھی جو اس کے اترتے ہی چند قدم آگے بڑھ گئی تھی۔ بڑی کامیاب ترکیب ثابت ہو گئی تھی۔ وہ نیچے بھی پولیس والوں کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو گئے، کافی دیر تک وہ ان کے بالکل قریب چھپے رہے تھے۔

پولیس والوں نے یہ غور نہیں کیا کہ ابھی جہاں سطح زمین تھی، وہاں دو جھاڑیاں آن کی آن میں کیسے آگ آئیں۔ یہاں تک کہ وہ پولیس والوں کے عقب میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب وہ کافی دور نکل آئے تو انہوں نے جھاڑیاں پھینکیں اور بندوقیں سنبھال کر دوڑ پڑے۔ نہایت کامیابی سے وہ درجنوں پولیس والوں کو خجل دے کر نکل آئے تھے اور پھر انہوں

نے پولیس والوں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا مناسب سمجھا اور ناک کی سیدھ میں آگے بڑھتے رہے۔ روشنی میں جے تلک نے ویرا سنگھ کے بدن پر پولیس کی وردی دیکھی تو بہت حیران ہوا۔ ویرا سنگھ نے اسے وردی کی کہانی سنا دی۔

”اوہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔“ جے تلک کف افسوس ملنے لگا، پہاڑی سے خاصی دور نکل آنے کے بعد وہ سانس لینے کے لیے رک گئے، انہوں نے پولیس سے ایک یادگار مقابلہ کیا تھا اور اُمید تھی کہ ویرا سنگھ راجستھان کے بعد یوپی میں بھی زلزلہ بن جائے گا۔ کئی بار انہیں پولیس کی گاڑیاں نظر آئیں جو اسی علاقے کی جانب جا رہی تھیں، جہاں بھی اطلاع پہنچی تھی وہاں سے پولیس دوسری پولیس کی مدد کے لیے چل پڑی تھی۔ ایک بار انہیں کئی بار پولیس ان کے قریب سے گزری تھی، اس وقت دونوں کو ایک نالے میں چھپنا پڑا تھا۔

بہر حال وہ پولیس کے نرنے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن علاقے کے بارے میں انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ کون سے علاقے میں ہیں، بہر حال وہ چلتے رہے اور جب دن کی روشنی پھیلی تو ایک باغ میں پناہ حاصل کی۔ جہاں آم، شہتوت اور دوسرے پھلوں کے درخت لگے ہوئے تھے۔



ویرا سنگھ اپنی زندگی کی خونی داستان رقم کر رہا تھا، والدین سے نہ جانے کب سے محروم تھا اور نہ جانے اس کی اپنی زندگی میں کیسی کیسی حسرتوں کا دخل تھا اور شاید انہی حسرتوں نے اسے ایک غیر انسانی کیفیت بخش دی تھی۔ وہ جب جنونی ہوتا تو اس کی نگاہوں میں کوئی چیز قابلِ اعتناء نہ ہوتی اور وہ انسانی خون بے دریغ بہا دیتا۔

خود جے تلک کبھی کبھی اس کی وحشیانہ طبیعت پر غور کرنے لگتا تھا، حالانکہ وہ اس کا بچپن کا دوست تھا، لیکن اس کی زندگی کا یہ پہلو آج تک جے تلک کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا، جے تلک اس کی محبت کے بارے میں بھی جانتا تھا، لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ وہ زبان کھولنے کا عادی نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد یہ خونی داستان شروع ہو گئی، لیکن اس داستان کے کردار صرف یہ دو افراد یا رتن چند نہیں تھے۔ بلکہ بے شمار افراد اس داستان کا حصہ بننے جا رہے تھے، لیکن ایک شخصیت ایسی تھی جو اس داستان کا اہم کردار تھی اور یہ رتن چند کی بہن رنجنا تھی۔

نوخیز رنجنا زندگی کی خوشیوں سے بھرپور۔ ماما پتا مرچکے تھے لیکن رتن چند نے اسے بڑی

محبت سے پروان چڑھایا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے خود رتن چند کے جیون میں محبت کا مقام صرف رنجنا ہی کے لیے تھا، ورنہ فطرتاً وہ خالص ٹھا کر تھا۔ ظالم، سنگدل اور لالچی، بُرے لوگوں میں گھرا ہوا تھا، اس لیے کبھی اچھائی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اپنے باپ کی طرح اپنے آپ کو مہمان اور دوسروں کو نیچے سمجھتا تھا اور بھی رشتے ناتے وار تھے جو آس پاس کی بستیوں میں رہتے تھے۔ جو خود بھی زمیندار تھے۔

ان میں خاص طور پر ایک نام ٹھا کر ہر دیورائے کا تھا۔ ہر دیورائے کی زمینیں رتن چند زمینوں کے مقابلے میں برائے نام ہی تھیں اور جیسا کہ رشتے داری کا اصول ہے کہ غریب رشتے دار یا پھر غریب نہ سہی مالی حیثیت سے کم رشتے دار، مالی حیثیت سے بڑے رشتے داروں سے جملے بھنے رہتے تھے تو یہی کیفیت ہر دیورائے کی تھی۔

وہ رشتے میں رنجنا کا دور کا ماما لگتا تھا، لیکن رنجنا کی ماں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی کہ ہر دیورائے نے ٹھا کر بھرم چند کو اپنے بیٹے پر بھورائے کا رشتہ بھی دیا تھا، پر بھورائے اپنے باپ سے بھی زیادہ بد صورت اور بُرے دل کا مالک تھا۔ اس کا ایک ہاتھ بالکل سوکھا ہوا تھا۔ اس سے وہ اور بدنما نظر آتا تھا، بھرم چند نے ہر دیورائے کو بُرا بھلا کہہ کر حویلی سے نکال دیا تھا۔ اس وقت سے ہر دیورائے، بھرم چند سے ملا تو نہیں تھا لیکن اسے حویلی کے بارے میں پل بلی کی خبریں رہتی تھیں۔

بھرم چند کی موت، اس کے بعد رتن چند کا اقتدار اور پھر باقی معاملات، پر بھورائے بھی ان لوگوں کے لیے دل میں نفرت رکھتا تھا اور اس کے آدمی بھی شانتی کبھی میں رہ کر اسے یہاں کے بارے میں تفصیلات بتاتے رہتے تھے۔

دیوالی کی رات جو واقعہ پیش آیا تھا وہ ہر طرف پھیل چکا تھا اور ہر دیورائے کو بھی اس بارے میں ساری تفصیلات معلوم تھیں، پر بھورائے آگ میں جھلتا رہا تھا اور نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا تھا، بہر حال اس کے بعد رتن چند ویرانگہ کے ہاتھوں جس طرح حویلی را کھ کا ڈھیر بنی تھی اور ہر دیورائے نے خوب خوشیاں منائی تھیں۔ پھر ہوا یوں کہ حویلی میں آگ لگا دی گئی۔ رتن چند کو کچڑ کر لے جایا گیا، حویلی کے دروازے سے جس نے بھی باہر نکلنے کی کوشش ویرانگہ اور بے تک نے اسے بھون کر رکھ دیا۔

کچھ لوگوں کو چور دروازے معلوم تھے اور وہ ان چور دروازوں سے نکل کر راتوں رات

شانتی مکھ سے دور پہنچ گئے۔ ان میں رنجنا بھی تھی جسے حویلی کے ایک قدیم ملازم بانکے لعل نے حویلی کے چور دروازے سے باہر نکال دیا تھا۔ رنجنا پر نیم غشی کی کیفیت طاری تھی، جو کچھ ہوا تھا اس نے اسے بُری طرح غڈ حال کر دیا تھا۔

بانکے لعل اسے سہارا دے کر دور تک لایا تھا، رنجنا کے ہوش و حواس بالکل گم تھے، بس ایک دیوانگی کا سا عالم طاری تھا اس پر جس کے تحت وہ بانکے لعل کے ساتھ دور نکل آئی، بانکے لعل چھپتا چھپاتا جنگلوں میں دور نکل گیا تھا۔ رات بھر وہ رنجنا کو ساتھ لیے سفر کرتا رہا تھا اور رنجنا تھک کر چور ہو گئی تو بانکے لعل نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں چھپا جاسکے۔ درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ کر وہ خود بھی بھاری بھاری سانسیں لینے لگا۔

رنجنا نیم غشی کی کیفیت کا شکار تھی، اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئی تھیں، وہ بس کھلے آسمان کو دیکھے جا رہی تھی اور پھر اسی طرح دیکھتے دیکھتے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ بانکے لعل کو خدشہ ہوا کہ کہیں رنجنا مرنے نہیں گئی۔ اس نے رنجنا کے سانسوں کو محسوس کیا اور تھوڑا سا اطمینان ہوا کہ رنجنا جیتی ہے۔

بانکے لعل ایک انتہائی وفادار ملازم تھا اور بھرم چند کے دور سے اسی حویلی کا نمک کھاتا رہا تھا۔ رنجنا کو وہیں چھوڑ کر وہ پانی کی تلاش میں نکلا۔ پانی تو نہیں ملا لیکن ایک جگہ اسے سنگترے جیسے پھلوں کے کچھ درخت نظر آئے اور اس نے کافی سنگترے توڑ لیے۔ یہ بڑے کام کی چیز تھی۔ رنجنا کے منہ میں سنگتروں کا رس پکایا گیا اور اس کی حالت کسی حد تک بہتر ہونے لگی۔ پھر وہ گہری نیند سو گئی اور بانکے لعل اس کی نگرانی کرتا رہا۔

سورج نکل آیا اور آسمان پر چڑھتا گیا، لیکن خوش بختی یہ تھی کہ بادلوں نے ان کی مدد کی اور تھوڑی دیر کے بعد سورج کو چھپا لیا، ورنہ تیز دھوپ اور گرمی سے ان کا بُرا حال ہو جاتا۔ آدھا دن گزر گیا تو رنجنا جاگی۔ بانکے لعل نے بڑی منت سماجت کر کے وہ سنگترے جیسے پھل اسے کھلائے خود بھی وہ اس دوران تین چار پھل کھا چکا تھا اور اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ بے شک یہ پھل خود درختوں پر اُگے ہیں لیکن کسی طرح ضرر رساں نہیں ہیں۔ رنجنا کے ہوش و حواس اب کام کرنے لگے تھے۔ اس نے رونا شروع کر دیا اور بانکے لعل اسے سہارا دینے لگا۔

”پتہ نہیں بھیا جی کا کیا ہوا، حویلی میں آگ لگ گئی تھی، باہر گولیاں چل رہی تھی، ہائے رام پتہ نہیں میرے بھیا جی کا کیا ہوا؟“

بانکے لعل نے کوئی جواب نہیں دیا، جو کچھ وہ دیکھ چکا تھا اس کے بعد اسے اندازہ تھا کہ رتن چند کے ساتھ جو کچھ ہوا ہوگا وہ اچھا نہیں ہوگا۔ رنجنا اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اس نے بانکے لعل کو دیکھ کر روتے ہوئے کہا۔ ”بانکے لعل کیا تم حویلی جا کر میرے بھیا جی کے بارے میں معلوم نہیں کر سکتے۔“

بانکے لعل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ”رنجنا! بیٹی ہم حویلی سے بہت دور نکل آئے ہیں، شانتی کچھ بہت دور رہ گیا ہے، بھگوان جانے وہاں کیا کیا کچھ ہوا ہوگا، اور پھر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دشمنوں نے وہاں کیا کیا تباہی نہ پھیلائی ہو، بیٹا بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ رتن چند مہاراج کی رکھشا کرے۔“

رنجنا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری پھر بولی۔ ”ہوا بھی تو بہت بُرا تھا بانکے لعل، بہت بُرا ہوا تھا۔ پر بھیا جی کا کہنا تھا یہ انہوں نے نہیں کیا۔ یہ سب کچھ اس پاپی رام لعل نے کیا جس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑا اور بہت بُرا ہوا تھا ان لوگوں کے ساتھ بھی تو۔ راگ وتی اور جگ وتی، ہائے رام میں نے اپنی آنکھوں سے ان کے خون اگلنے بدن دیکھے تھے۔ کیا رام لعل نے تھا، مارے گئے میرے بھیا، بھگوان کرے۔“ بانکے لعل نے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن وہ جو کچھ دیکھ کر آیا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ کسی کی زندگی کی کوئی امید باقی رہ جائے۔ راگ وتی اور جگ وتی کی موت نے جسے تلک کو دیوانہ کر دیا تھا اور سب کو یہ اندازہ تھا کہ حویلی پر حملہ جسے تلک ہی نے کیا ہوگا۔ اسے جسے تلک کے دوست یا بھائیوں سے زیادہ دیر اسٹگھ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتی کہ دیر اسٹگھ اپنے ماتا پتا کی موت کے بعد راگ وتی اور جگ وتی کو وہ اپنا پر یوار سمجھتا تھا، وہ راگ وتی کو ماں کا درجہ دیتا تھا اور جگ وتی کو بہن کا۔“

وہ نہیں جانتی تھی کہ بھائی کی کلانیاں جب راکھی سے محروم ہو جاتی ہیں تو بھائیوں کے دل پر کیا بنتی ہے۔ دیر اسٹگھ اسی آگ کا شکار تھا اور اس آگ نے دور دور کے علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ خاموش طبیعت تھا۔ زندگی میں نہ جانے کیسے کیسے دکھ اٹھائے تھے جن کی وجہ سے اس کے سینے میں ایک آتش فشاں پک رہا تھا اور اب اس آتش فشاں کو ایلنے کا موقع ملا تھا تو وہ اس طرح ابلا تھا کہ لوگوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ مگر رنجنا کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا، وہ بے چاری تو اس وقت یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ ایک ڈاکو دیر اسٹگھ نے جہنم لے لیا

بہر حال دوپہر بھی ڈھلنے لگی، لمحہ لمحہ اسے جنے تلک کا خیال آنے لگتا۔ جنے تلک اپنی ماں اور بہن سے محروم ہوا تھا اور بڑے دکھ کے عالم میں وہاں سے گیا تھا، لیکن کسی غیرت مند بھائی اور غیرت مند بیٹے کو وہی سب کچھ کرنا چاہئے تھا جو جنے نے کیا۔ دو تین بار اسے جنے تلک کا خیال آیا تھا۔ بگڑے ہوئے ہاتھی سے اس کی جان بچانے کے لیے جنے تلک نے اپنی جان کی پروا نہیں کی تھی۔ آج تک وہ رنجنا کے دل میں کسکتا تھا، لیکن اب صورت حال بڑی عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ وہ یہ اندازہ نہیں لگا پارہی تھی کہ اگر جنے تلک کے ہاتھوں اس کے بھائی کو کوئی نقصان پہنچا تو کیا وہ جنے تلک کو معاف کر سکے گی یا نہیں۔

پھر دوپہر ڈھلی ہی تھی کہ دوسرے لمحے انہیں خشک پتوں کے چرچرانے کی آواز پس سنائی دیں اور بانکے لعل نے جلدی سے درختوں کے بیچ پناہ لے لی۔ اس نے ایک ایسی جگہ چھلایا جہاں سے باہر جھانکا جاسکتا تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی ان کی تلاش میں نکلا ہے یا پھر کسی اتفاقیہ یہاں سے گزر رہا ہے یا اگر کوئی انسان نہیں ہے اور کوئی جانور ہے تو کہیں کوئی خطرناک جانور تو نہیں، ویسے ان علاقوں میں کبھی کسی درندے کے بارے میں نہیں سنا گیا تھا، وہ دیکھتا رہا اور پھر دور سے اس نے آنے والے کو دیکھ لیا۔

یہ شانتی کھ کا باشندہ تھا اور حویلی ہی میں رہتا تھا، اس کا نام بنواری تھا، بنواری لعل بھی چمپا چمپا آرہا تھا، یوں لگتا تھا جیسے اسے کسی سے کوئی ڈر یا خطرہ ہو، بانکے لعل جلدی سے باہر نکل آیا اور اس نے آواز دی۔

”بنواری۔ او بنواری۔“

بنواری اس طرح اچھل پڑا جیسے اسے سانپ نے ڈس لیا ہو، پھر اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بانکے لعل کو دیکھا اور جب اسے پہچان لیا تو برق رفتاری سے اس کی جانب دوڑا اور بانکے لعل سے آکر لپٹ گیا۔

”بنواری کدھر سے آرہا ہے تو؟“

”شانتی کھ سے بھیا، شانتی کھ سے آرہا ہوں اور کہاں سے آرہا ہوں۔“

”کیا حال ہوا حویلی کا، کون کون بچا اور مہاراج رتن چند؟“ ابھی بانکے لعل نے اتنا ہی

کہا تھا کہ بنواری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اسی دوران رنجنا بھی جھنڈ سے باہر نکل آئی، بنواری لعل نے اسے دیکھا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

”رجنایا رتن چند مہاراج.....“

”کیا ہوا میرے بھیا کو، مجھے بتاؤ کیا ہوا میرے بھیا کو۔“

”ہائے رام وہ ہوا، جو بھگوان کرے سنسار میں کہیں کسی جگہ نہ ہو۔“

”بتاؤ تو سہی بنواری..... بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟“ رجنہ نے آگے بڑھ کر بنواری کی قمیص پکڑ

لی۔

”کس زبان سے بتاؤں رجنہ، کیسے کہوں؟“ بنواری لعل نے کہا اور رجنہ کا زوردار تھپڑ

اس کے منہ پر پڑا۔

”اسی زبان سے بتاؤ، تم سے پوچھے جاری ہوں اور تم پہنچ نہیں کیا کیا بکو اس کئے جارہے

ہو۔“

تھپڑ نے بنواری لعل کے ہوش حواس درست کر دیئے۔ ساری وفاداری ہوا ہو گئی، پھر آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ”انزخ ہوا ہے، جانتی ہو وہ کون لوگ تھے جنہوں نے حویلی پر حملہ کیا تھا؟“

”جئے تلک، اس کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”ہو سکتا ہے! اس کے علاوہ اس کا دوست ویرا سنگھ بھی تھا۔“

”یہ کون ہے؟“

”میں جانتا ہوں رجنہ وہ گونا گوستی کا رہنے والا ہے، پورن سنگھ کا بیٹا ویرا سنگھ جس کے

بارے میں بڑی بڑی کہانیاں مشہور ہیں۔“

”مجھے میرے بھیا کے بارے میں بتاؤ مجھے کہانیاں نہیں سنتیں۔“ رجنہ نے کہا اور بنواری

لعل جو رتن چند اور رام لعل کے ساتھ ہونے والے واقعے کا عینی گواہ تھا، پوری تفصیل سے رتن چند کی موت کے بارے میں بتانے لگا، رجنہ کا پورا بدن تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ خود بائکے لعل کی بھی بری حالت تھی۔

”میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے، مہاراج کو جلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا

گیا اور وہ اسی میں کونکہ ہو گئے۔ ہائے رام ایسی موت تو کسی نے سپنہ میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔“

رجنہ کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا اور دانت بھینچ گئے

تھے اور اس کا بدن بُری طرح کانپ رہا تھا۔

”یہ سلوک کیا ان پاپیوں نے میرے بھیا جی کے ساتھ۔“
 ”اور حویلی پوری کی پوری راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔ اس کے چاروں طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔“

رنجناب دستور کا نپے جاری تھی، پھر اس کے حلق سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔ ”شانتی کھ کا نام اب شانتی کھ نہیں رہے گا، میں اسے زکھ بنا دوں گی۔ گونا بستی کے رہنے والے، ویرا سنگھ کی نسلوں کو بد دعائیں دیں گے اور کہیں گے کہ ویرا سنگھ نے پوری بستی کے لیے کیسی بدترین موت لے لی۔ میں بستی کا ایک ایک گھر پھونک کر رکھ دوں گی اور شانتی کھ کا نام اب شانتی کھ نہیں رہے گا، سمجھے بانکے لعل، بنواری لعل اب شانتی کھ کا نام.....“ یہ کہہ کر اس کی آنکھیں چڑھنے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

بانکے لعل اور بنواری نے رنجناب کو ٹھیک سے لٹایا اور اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ بنواری نے کپکپاتے ہوئے کہا۔ ”بھگوان کی سوگند دونوں جو الاکھی بنے ہوئے تھے۔ جنے تلک سے زیادہ ویرا سنگھ جوش میں تھا۔ تمہیں معلوم ہے اس نے بھی اپنے کھیت جلا دیئے۔“
 ”ہاں دونوں کی دوستی بڑی ہکی ہے۔ اب یہ بتاؤ میں رنجناب کا کیا کروں؟ بچپن سے میرے سامنے پٹی پڑھی ہے۔ یہ بھی جل کر راکھ ہو جاتی۔ پر میرا من نہیں مانا اور جان پر کھیل کر اسے بچا لایا۔ ادھر لگتا ہے کہ جنے تلک اور ویرا سنگھ، رتن چند کے پرپوار کے ایک ایک آدمی کو جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر انہیں رنجناب کے بچ جانے کی خبر مل گئی تو وہ ضرور اسے تلاش کریں گے۔ اگر کہیں ہمارا نام آ گیا تو جس طرح رام لعل کو رتن چند کے ساتھ تیل کے کڑھاؤ میں جیتا جلا دیا گیا، اسی طرح کہیں ہم لوگ بھی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔ حالانکہ تھوڑے دن ہی پہلے کی بات ہے کہ جنے تلک نے رنجناب کا جیون بچایا تھا۔ دیوالی والے دن کی خبر تم نے سنی تو ہوگی۔“
 ”پرائیک بات بتاؤ بانکے لعل، کم از کم رتن چند اسی بات کا خیال کر لیتے کہ جنے تلک نے ان کی بہن کا جیون بچایا ہے۔ راگ وتی اور جگ وتی کو اس طرح تو نہیں مارنا چاہئے تھا۔“
 ”پر یہ سنا ہے کہ گولی ان دونوں کو رام لعل نے ماری تھی۔“

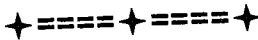
”اب یہ تو بھگوان ہی جانے، نہ تم نے اس سے وہاں تھے اور نہ ہی میں۔ کوئی کیا کہہ سکتا

ہے؟“

”ساری باتیں اپنی جگہ پر یہ بتاؤ کہ اب ہم رنجناب کا کریں کیا؟“

”میری مانتو تو اسے ہر دیورائے کے گھر پہنچا دو۔ ماما ہر دیورائے پہلے بھی اپنے بیٹے پر بھو رائے کے لیے اس کا رشتہ دے چکا ہے، ہو سکتا ہے اب بھی اس کے من میں ایسی کوئی بات ہو، پہلے تو بھرم چند مہاراج نے اسے دھکے دے کر حویلی سے نکال دیا تھا، پر اب تو نہ بھرم چند مہاراج بچے اور نہ ہی رتن چند، میرا تو خیال ہے کہ اسے سیدھا ٹھا کر ہر دیورائے کے ہاں لے جاؤ۔“

”بڑا اچھا یاد دلایا تم نے بنواری لعل، رنجنا ہوش میں آجائے تو ہم یہی کرتے ہیں۔“ دونوں نے فیصلہ کر لیا۔



ڈاکو دیراسنگھ اور جنے تلک نے باغ میں کافی وقت گزارا، اسی باغ کے پھلوں سے انہوں نے پیٹ بھی بھرا تھا، یہاں جتنا وقت گزرا سکون سے گزارا، رات بھی انہوں نے وہیں قیام کیا اور پھر دوسری صبح تھوڑے بہت پھل کھانے کے بعد دیراسنگھ نے کہا۔ ”کم از کم انہیں ہمارے بارے میں خبریں ضرور مل رہی ہوں گی، بس خیریت سے رہیں تو اچھا ہے، ذرا انہیں بھی تلاش کر لیں۔ اتنے دن تک الگ رہنا اچھی بات نہیں ہے۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ اور اس کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ دیراسنگھ کے جسم پر ابھی تک پولیس افسر کی وردی تھی اور کئی بار جنے تلک نے اسے محبت بھری آنکھوں سے دیکھا تھا۔

”یار دیراسنگھ، پولیس کی وردی میں تو اتنا اچھا لگ رہا ہے کہ میں تجھے بتا نہیں سکتا۔“ دیراسنگھ کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

بہر حال پہلے وہ ایک چھوٹی سی آبادی میں پہنچے جس میں داخل ہوتے ہی انہیں بسوں کا اڈہ نظر آ گیا۔ ایک بس کھنڈولی جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ یہ اس میں سوار ہوئے تو ایک دم سے بس میں بیٹھے مسافر جو کس ہو گئے۔ بس کنڈیکٹر نے دوسرے مسافروں کو ہٹا کر ان کے لیے جگہ بنائی اور تو دیراسنگھ کی طویل القامت شخصیت ہی لوگوں پر سحر طاری کرنے کے لیے کافی تھی دوسرے وہ پولیس افسر کی وردی میں تھا۔

کھنڈولی تک کے سفر میں بس کے مسافر خوفزدہ بیٹھے رہے، کنڈیکٹر اور ڈرائیور نے افسر صاحب سے کئی بار ان کی ضرورت کے بارے میں پوچھا تھا، جنے تلک دل میں دل مسکرا رہا تھا،

آخر کار وہ کھنڈولی پہنچ گئے، شہر سے باہر انہوں نے ایک چھوٹی سی دھرم شالہ میں قیام کیا، پہلے دونوں نے دھرم شالہ کے صحن میں بنے ہوئے کنوئیں سے پانی کھینچ کر بدن کو خوب دھویا۔ پھر ویرا سنگھ نے جنے تلک سے کہا کہ کھنڈولی کے حالات معلوم کر کے آگے بڑھیں گے اور جنے تلک نے گردن ہلا دی۔ اس نے اسلحہ ویرا سنگھ کے پاس محفوظ کر دیا اور خود شہر روانہ ہو گیا۔

ویرا سنگھ نے اسے خصوصی ہدایات دے دی تھیں، کھنڈولی بھی بہت بڑا نہیں تھا، بس ایک درمیانے درجے کا قصبہ تھا جس میں چھوٹے چھوٹے کئی بازار تھے۔ بھری پُری جگہ تھی۔ لوگ خوش نظر آرہے تھے، بازار میں اسے کتابوں کی ایک دکان نظر آئی۔ دور سے ہی ایک اخبار کی سرخی میں ویرا سنگھ کا نام نظر آیا تو جنے تلک اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔ اس نے پیسے دے کر اخبار خریدا اور ایک طرف ہٹ کر سرخی پڑھنے لگا، سرخی تھی۔

”ڈاکو ویرا سنگھ اور پولیس کے درمیان خوفناک مقابلہ، ڈاکو صرف دو تھے اور پولیس والے بے شمار، لیکن ڈاکو بہت سے پولیس والوں کو ہلاک کر کے صاف نکل گئے۔ راجستھان کا زلزلہ اب آگرہ اور اس کے نواح میں گردش کر رہا ہے۔ پولیس لوگوں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کر رہی ہے۔“ جنے تلک نے یہ خبر پڑھی اور اخبار محفوظ کر کے اسے لباس میں چھپالیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ پلٹا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ جنے تلک سانپ کی طرح پلٹا تھا اور ہاتھ رکھنے والا اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ یہ دھرم سنگھ تھا وہ جانتا تھا کہ آگرہ جنے تلک کے قریب رہا تو وہ خالی ہاتھوں سے بھی اسے شدید نقصان پہنچا سکتا ہے، جنے تلک نے اسے دیکھا اور ایک لمبی سانس لی۔

”بھگوان کا شکر ہے کہ تم مل گئے۔ ویرا سنگھ نے مجھے تمہاری تلاش کے لیے کہا تھا ہری لعل کہاں ہے؟“

”ساتھ ہی ہے، ویسے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ہم اخبار کی اس خبر پر بات چیت کر رہے تھے، ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ تم اب کھنڈولی ہی کے کہیں آس پاس موجود ہو۔“

”ویسے تم لوگ ٹھیک تو ہوتا؟“

”ہاں، ایک بڑے اچھے آدمی سے بھیٹ ہو گئی ہے، پرکھ لیا ہے ہم نے اسے اور اس کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

”کون ہے وہ؟“ جنے تلک نے پوچھا۔

”رگھیرا۔ تم نے ڈاکو چندنا کا نام تو سنا ہوگا۔“

”چندنا۔ ہاں وہ بھی مشہور ڈاکو تھا۔ پھر شاید پولیس نے اسے دھوکے سے مار دیا تھا۔“

”اسی کی بات کر رہا ہوں، رگھیرا اسی کا ساتھی تھا۔ چندنا کی موت کے بعد وہ ادھر بھاگ آیا اور اس کے بیوی بچوں کو پولیس نے پکڑ لیا تھا۔ رگھیرا نے اس کے بعد کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا اور اب وہ کھنڈولی میں رہتا ہے، بظاہر ایک شریف آدمی بنا ہوا ہے لیکن کبھی چھوٹے موٹے ڈاکے بھی مار لیا کرتا ہے۔“

”اور اس کے بیوی بچے؟“ جنے تلک نے پوچھا۔

”بیوی بچوں کا کوئی پتہ نہیں چل سکا اور اس نے بھی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔“

”عجیب آدمی ہے۔“

”عجیب ہی سمجھو لیکن ہے کام کا۔ یہاں بڑی بنا رکھی ہے اور آرام سے رہتا ہے، دکان کھولی ہوئی ہے ایک، لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا وہ راتوں کو ڈاکے مارتا ہے۔“

”واہ چالاک آدمی ہے، لیکن تمہیں کیسے مل گیا؟“

”بہت عرصے پہلے اس سے ایک بار ملاقات ہوئی تھی۔ تب ہم دیرا سنگھ کے ساتھ نہیں تھے، لیکن میں اس کے بارے میں جانتا تھا اور وہ میرے بارے میں۔“ دھرم سنگھ نے کہا۔

”کیا اسے یہ معلوم ہے کہ تم دیرا سنگھ کے ساتھی ہو؟“

”پوچھا کرتا ہے ہمارے دیرا سنگھ کی۔ کہتا ہے کہ اگر دیرا سنگھ اسے اپنے گروہ میں شامل کر لے تو وہ خوشی سے اس کے لیے تیار ہو جائے۔ آؤ چلیں اس کے پاس تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گا۔“ جنے تلک نے گردن ہلا دی اور دونوں بازار سے چل کر گلیوں میں آ گئے۔ پھر کئی گلیوں سے گزرتے ہوئے آخر کار ایک مکان کے سامنے رک گئے۔

دھرم سنگھ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور رگھیرا نے کواڑ کھول دیئے، یہ ایک بھاری بدن کا چاق و چوبند آدمی تھا۔ اس نے تعجب کی نگاہوں سے دھرم سنگھ اور پھر جنے تلک کو دیکھا اور پیچھے ہٹ گیا۔

”مہاراج جنے تلک بھنڈاری۔“ دھرم سنگھ نے کہا اور رگھیرا اچھل پڑا۔ پھر اس نے

آگے بڑھ کر جنے تلک کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔

”میرے بھاگ مہاراج، آپ یہاں پدھارے۔ آپ کے یہاں پہنچنے کی خبر مجھے اخبار

کے ذریعے مل گئی تھی۔“

اسی وقت باہر دستک سائی دی اور رگھیرا دروازے کی طرف بڑھ گیا اندر داخل ہونے والا ہری لعل تھا۔ وہ بھی جئے تلک سے مل کر بہت خوش ہوا اور ہنس کر کہنے لگا۔ ”ویرا سنگھ نے اس علاقے میں اپنی آمد کا پورا پورا اعلان کر دیا ہے، لیکن ایک بات بتاؤ۔ کیا پہاڑی کے گرد اتنی ہی پولیس تھیں جتنی تعداد اخبار میں بتائی گئی ہے، پھر تم لوگ وہاں سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہو گئے۔“

جئے تلک نے اسے گھور کر دیکھا پھر بولا۔ ”بہت جذباتی ہو رہے ہو، ذرا رگھیرا سے بات کرنے دو۔“

”رگھیرا یاروں کا یار ہے، تین دن سے مجرے کرار ہا ہے ہمارے اعزاز میں۔ خوب عیش ہو رہے ہیں، مگر ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ تم دونوں اس طرح ہنگامے کرتے پھر رہے ہو ورنہ ہم یہ عیش نہ کرتے۔“

”تمہیں تو عیش ہی کے لیے بھیجا گیا تھا۔“ جئے تلک نے مسکراتے ہوئے کہا۔
رگھیرا کچھ لمحوں کے بعد بولا۔ ”میری بڑی خواہش ہے مہاراج کہ ویرا سنگھ مہاراج کے درشن کروں، کیا میری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے؟“
”کیوں نہیں رگھیرا، ویرا جی تم سے ضرور ملیں گے۔“

”تو پھر انہیں یہاں لے آیا جائے، بھگوان کی سوگند بڑے دن سے ان کے بارے میں سوچتا چلا آیا ہوں۔ میں نے ادھر کی پولیس کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔ ہر طرف ڈاکو ویرا سنگھ کے نام کی جے جے کار ہو رہی ہے۔“ رگھیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد جئے تلک رگھیرا سے اس کے حالات پوچھتا رہا اور رگھیرا نے کھنڈولی میں اپنی حیثیت کے بارے میں بتایا، اس نے کہا کہ اس نے ایک دکان کھول رکھی ہے اور دکان اچھی چل رہی ہے، لیکن اصل کام وہی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”خون منہ کو لگ جائے مہاراج تو پھر چھوٹا نہیں ہے، بے چارہ چند نامر گیا لیکن ہم لوگوں کو یہ چمکا لگا گیا۔“
”تم نے اپنے بیوی بچوں کی خبر نہیں لی رگھیرا؟“

”ہاں جی بس دو بچے تھے، میرے ماما پتا نے پال پوس کر بڑے کر دیئے ہوں گے اور بیوی تو کبھی من کو نہیں لگی، اس لیے میں نے بھی چھتا نہیں کی۔“ رگھیرا نے جواب دیا اور جئے

تک آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگا۔

پھر رگھیرا کھانے پینے کا انتظار کرنے لگا، تب جے تک نے دھرم سنگھ اور ہری لعل سے کہا۔ ”تم لوگ اس سے بہت بے تکلف ہو گئے ہو، کہیں یہ کوئی خطرہ نہ بن جائے۔ یہ پولیس کو ہماری خبری بھی کر سکتا ہے اور ہمیں کسی بھی مصیبت میں پھنسا سکتا ہے۔“

”نہیں جے مہاراج ہم نے پرکھ لیا ہے۔ رگھیرا بہت اچھا آدمی ہے اور ہری لعل تو اسے بچپن سے جانتا ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم لوگ ڈاکو نہیں تھے، میں نے تمہیں بتایا کہ ہم لوگ پہلے اس سے مل چکے ہیں۔“

”اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم ایسے آدمی پر شبہ نہیں کر سکتے جو قابلِ اعتماد ہو۔ دیرا سنگھ جی کھنڈولی سے تھوڑے فاصلے پر ایک دھرم شالہ میں موجود ہیں اور انہوں نے مجھے تمہاری تلاش میں ادھر کھنڈولی کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہے مگر تم لوگ کھنڈولی تک کب پہنچے؟“

”بس اتنا کام کرتے ہوئے یہیں تک پہنچے کہ راستے میں رگھیرا مل گیا، ہمیں تم لوگوں کی یہاں موجودگی کی اطلاع بھی مل گئی تھی، فتح پورا کا قصہ بھی اخبار میں چھپا تھا تو ہم نے سوچا تھا کہ بہت جلد تم سے ملاقات ہو جائے گی، بلکہ میں اور ہری لعل تو تمہاری تلاش کے لیے نکلنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔“

”ٹھیک ہے ہمیں کھنڈولی کی خبر دیرا سنگھ دینی ہے، یہ آدمی ٹھیک ٹھاک ہے تو مجھے بھی اطمینان ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم لوگ بیوقوف نہیں ہو۔“

رگھیرا تھوڑی دیر کے بعد آ گیا تھا۔ اس نے کھانے پینے کے ابار لگا دیئے تھے۔ جے تک تھوڑی دیر وہاں بیٹھا تھا اس کے بعد اٹھ گیا۔ اس نے دھرم سنگھ کو اپنے ساتھ لے لیا تھا اور ہری لعل کو دہن چھوڑ دیا تھا۔ پھر وہ دھرم شالہ پہنچ گئے، دیرا سنگھ ان کا انتظار کر رہا تھا۔

دھرم سنگھ نے آگے بڑھ کر دیرا سنگھ کے پاؤں چھوئے تو دیرا سنگھ نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ ”تُو یہاں کیسے آ گیا دھرم سنگھ؟“

”تین چار دن سے میں اور ہری لعل یہیں موجود ہیں مہاراج، جے تک مہاراج بازار میں نظر آ گئے اور ان علاقوں میں تو خوب دھوم مچ رہی ہے تمہاری۔“

”بس دیا ہے بھگوان کی۔ ٹھاکروں نے مجھے جو کچھ بنا دیا ہے، میں اس کی ادائیگی کر رہا

ہوں۔“

پھر ساری تفصیل ویرا سنگھ کو بتائی گئی تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”لوگوں کو سب سے بڑی بات یہی بتا رہا ہوں میں کہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی کے ہاتھوں دھوکا نہ کھاؤ، پولیس کون کون سی چالیں نہیں چلے گی، ہمیں انہی چالوں سے بچنا ہے۔“

”تو پھر کیا کہتے ہو مہاراج، چلیں رگھیرا کے ہاں؟“

”ہاں، تمہیں اطمینان ہے تو مجھے بھی اطمینان ہے۔“ تھوڑی دیر کے بعد وہ دوبارہ رگھیرا کے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ رگھیرا نے ویرا سنگھ کے پاؤں چھوئے اور اس کے چوڑے چکلے بدن کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”پولیس کی یہ وردی آپ پر چھوٹی پڑ رہی ہے مہاراج، کیوں نہ میں آپ کو دوسری وردی سلوا دوں، میرا ایک درزی ہے، ماہی نام ہے اس کا۔“

”کیسا بندہ ہے؟“

”اپنا چیلہ ہے مہاراج، دو تین لڑکے ایسے موجود ہیں یہاں جو میرے ساتھ آس پاس کی بستیوں میں کھیل کھیلتے آئے ہیں، اپنا دھندا ابھی چالو رکھا ہے تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔“

”ٹھیک ہے اس سے کہو کہ ہم لوگوں کے لیے وردیاں تیار کر دے۔ دوسرے نشان بھی مل جائیں گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ پولیس کی وردی سے ہمیں فائدہ ہو رہا ہے۔“

”رات ہی کو بلوالوں کا مہاراج، اب بتائیے میں آپ کیا سیوا کروں، من چاہ رہا ہے کہ سارا سنسار آپ کے چرنوں میں لا ڈالوں۔“

”تیری محبت بہت ہے، ہم آرام کریں گے اور پھر یہاں سے آگے بڑھ جائیں گے۔“ ویرا سنگھ نے کہا۔

”ہجر اسٹین گے مہاراج، دور دور سے گانے والیاں بلوالوں کا، من خوش ہو جائے گا آپ کا۔“

”ہوں، اسی لیے تو اپنے بیوی بچوں کو واپس نہیں لایا۔ رہنے دے رگھیرا۔ کیا اعلان کرے گا ہمارے آنے کا؟“ ویرا سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”نہیں مہاراج یہ آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے، بھلا ایسا ہو سکتا ہے کبھی۔“

”پھر بھی یار۔“ ویرا سنگھ نے ادھر ادھر دیکھا، جئے تلک، دھرم سنگھ اور ہرل لعل کی

آنکھوں میں شوق جاگ رہا تھا جیسے وہ چاہتے ہوں کہ مجرا سنا جائے، اس نے رگھیرا کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں کہا۔ ”اب تیری مرضی ہے میں اکیلا تو منع نہیں کر سکتا۔“

رگھیرا خوش ہو گیا پھر بولا۔ ”میں خود ہی چلا جاتا ہوں، آؤ ہری لعل تم میرے ساتھ چلو۔“

رگھیرا نے کہا اور ہری لعل نے گردن ہلا دی۔



پاکستان کا
دانش گاہ

رگھیرا بہت اچھا میزبان تھا۔ دھرم سنگھ اور ہری لعل نے اس کے بارے میں پورا اعتماد دلایا تھا۔ اس لیے ویرا سنگھ اور جے تلک کو یہاں قیام پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ رگھیرا نے ان کی خوب خاطر مدارت کی، رات کو بچرا ہوا۔ ویرا سنگھ نے بھی تھوڑی بہت دلچسپی لی مگر کسی خاص شوق کا اظہار نہیں کیا اور آدھی رات کے بعد اس نے سونے کی اجازت مانگ لی۔

دوسری صبح رگھیرا نے ناشتے وغیرہ کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ رگھیرا ان لوگوں کی آمد سے بہت خوش تھا اور ہری لعل نے ایک بار پھر اس کی خواہش کے بارے میں ویرا سنگھ سے اظہار کر دیا تھا۔

ویرا سنگھ نے کہا۔ ”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، ہمیں اپنے گروہ کو بڑا کرنا ہے اور اس کے لیے ہمارا ایک ہی مطالبہ ہے، بہادر اور زبان کے پکے۔ یہ ایک ہی خوبی کے دو نام ہیں، بہادر ہمیشہ زبان کے پکے رہتے ہیں، چنانچہ رگھیرا اب ہمارے گروہ کا ایک فرد ہے۔“

اس کے بعد سارے کے سارے سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ رگھیرا نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ کھنڈولی کے صرافہ بازار کی ایک دکان خاص طور پر رگھیرا کی توجہ کا مرکز تھی۔ یہ دکان دھولے چندر کی تھی۔ ویرا سنگھ کے سامنے پوری تجویز پیش کی گئی تو ویرا سنگھ نے کہا کہ پہلے ایک بار بازار کو دیکھ لیا جائے اس کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔

تب اسی دن دوپہر کو وہ بازار کی سیر کرنے نکل گئے۔ جے تلک اور ویرا سنگھ ہمیشہ ہی ساتھ ہوا کرتے تھے۔ ہری لعل اور دھرم سنگھ الگ الگ تھے۔ بازار دیکھنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ڈاکہ ڈالنے کا مرحلہ بہت کٹھن ہے۔ صرافہ بازار کی چھوٹے چھوٹے بازاروں کے درمیان واقع تھا۔ دن کے وقت یہاں اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔

ویرا سنگھ نے کہا کہ..... ”ہمیں ایسی ہی جگہوں پر کام کرنے کی مہارت ہونی چاہئے،

بس ہمارا کام یہ ہوگا کہ مشکل کے وقت پولیس کے بیچ سے نکل آیا جائے۔“
 اس کے بعد جب یہ سارے فیصلے ہو گئے اور یہ طے کر لیا گیا کہ خاص طور سے دھولے
 چند صراف کو نشانہ بنایا جائے تو رگھیرا نے کہا..... ”ویرا سنگھ مہاراج! یہ دھولے چند بڑا بد معاش
 آدمی ہے، اتنا بد معاش کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے، بیاج پر کسانوں اور غریبوں کو روپیہ دیتا ہے
 اور اس طرح ان کا خون چوستا ہے کہ پھر وہ کہیں کے نہیں رہتے، بہت سے گھرانے اس کی وجہ
 سے تباہ ہو گئے ہیں۔ مجبور اور لاچار لوگ جو زیور اس کے پاس گروی رکھ کر جاتے ہیں، وہ انہیں
 سود سمیت ہتھیانے میں ماہر ہے۔ اس نے کسانوں کی مجبوریوں اور مزدوروں کی ضرورتوں
 سے فائدہ اٹھا کر بے شمار دولت جمع کر لی ہے اور اب وہ یہاں کا سب سے بڑا سیٹھ ہے۔“

”واہ! ایسے ہی آدمی کو تو لوٹنے میں مزہ آتا ہے، کیوں جئے تلک؟“

”بالکل ٹھیک۔“

”تو پھر پروگرام کیا رہے گا؟“

”یہ کام ہم لوگ کریں گے اور رگھیرا ہم سے الگ رہے گا۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور سب
 چونک پڑے۔

رگھیرا کا چہرہ اتر گیا تھا اس نے کہا۔ ”مم..... مگر مہاراج آپ نے تو.....“
 ”ہاں رگھیرا آئندہ اس بات کا خیال رکھنا کہ جو فیصلہ میں گروں اس پر تم کوئی اعتراض
 مت کرنا، یہاں ہمیں تیری ضرورت ہے، اگر وہ، سعد آباد اور متھرا میں تو ہمارے کھوجی کی
 حیثیت سے کام کرے گا اور جب بھی ہم ادھر آئیں گے تو ہمارا میزبان ہوگا، ہمیں جگہ جگہ ایسے
 لوگوں کی ضرورت ہوگی جہاں وقت پڑنے پر ہم پناہ لے سکیں گے، اگر تو کسی طرح لوگوں کی
 نگاہوں میں مشکوک ہو گیا تو ہماری ایک جگہ چھن جائے گی۔“

”سمجھ گیا مہاراج۔“

”چل ٹھیک ہے اور ہاں..... تو نے اس درزی کا کیا کیا؟“

”دو پہر کو آجائے گا مہاراج، بات ہو گئی ہے اس سے۔“

”وردیوں کی ہمیں سخت ضرورت ہوگی اور ان وردیوں کے نشان بھی ہمیں مل جائیں
 گے، کبھی کبھی ذرا اسی غلطی ہو جاتی ہے جئے تلک، ٹیکری پر ہماری جنگ پولیس والوں سے ہوئی
 تھی، بہت سے مارے گئے تھے، ان میں بہت سوں کے کندھوں پر پھول بھی لگے ہوئے تھے،

یہ پھول بھی وردی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ خیر آئندہ خیال رکھیں گے، فی الحال کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا کام بغیر پھولوں کے ہی چل جائے۔ ویسے بغیر پھولوں کی وردی مشکوک ہو جاتی ہے، بہر حال دیکھا جائے گا۔“

دو پہر کو درزی آیا اور ان سب کے ناپ لے کر چلا گیا، کام تو کرنا تھا لیکن ذرا اعتماد کے ساتھ، درزی بہت سمجھ دار تھا اس نے دوسرے دن ہی سب کی وردیاں دے دیں اور باقی تیاریاں بھی مکمل کر لی گئیں۔ سارا منصوبے طے کر لیا گیا تھا کہ کس طرح کسے کیے جانا ہے۔ رگھیرا نے ایسی جگہ منتخب کی جہاں ہری لعل اور دھرم سنگھ بندوقوں کے ساتھ چھپ گئے تھے، ویرا سنگھ نے پولیس کی وردی میں جئے تلک کے ساتھ صرافہ بازار کا رخ کیا تھا۔

بازار بہت پُر رونق تھا، دکانیں جگمگا رہی تھیں، ہوٹلوں میں ریڈیو اور گراموفون کی آوازیں ابھر رہی تھیں، غرضیکہ پورا ماحول خوب رنگارنگ تھا اور اس ماحول میں ویرا سنگھ اور جئے تلک خاکی وردی پہنچے بڑی شان سے سینہ تان کر چل رہے تھے۔

ان کے شانوں سے بندوقیں لٹکی ہوئی تھیں اور لوگ انہیں پولیس افسر سمجھ کر سلام کر رہے تھے۔ وہ بڑی شان سے گردن کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، آخر کار انہوں نے چوک پار کر لیا۔ پھر کپڑا بازار سے ہوتے ہوئے صرافہ بازار میں داخل ہو گئے۔ صرافہ بازار میں بھی ایک بڑا چوک تھا اور چوک کے بالکل سامنے دھولے چند کی شاندار دکان تھی۔

دھولے چند اس وقت بھی اپنی دکان میں گدی پر نیم دراز تھا۔ کئی گاہک دکان پر بیٹھے تھے، یہ لوگ دکان کے پاس پہنچے، جئے تلک نے دکان کے سامنے جا کر ریوالور سے تین چار ہوائی فائر کئے اور ویرا سنگھ تیزی سے دھولے چند کی دکان میں داخل ہو گیا، اس نے بندوق کی نال دھولے چند کے سینے پر رکھ دی، پورے بازار میں گولیوں کی آواز نے تہلکہ مچا دیا تھا۔ ایک دم سے بھگدڑ مچ گئی تھی جس کا جدمرمنہ اٹھا دوڑ پڑا تھا۔

دھولے چند کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا اور اس کے سامنے بیٹھے ہوئے گاہکوں پر لرزہ طاری ہو گیا، تبھی ویرا سنگھ نے گرج کر کہا..... ”تم سب لوگ دکان کے اوپر والے حصے میں چلے جاؤ، ورنہ ہم تم سب کو یہیں ڈھیر کر دیں گے۔“

گاہک بے تحاشہ دکان کے اوپری حصے کی طرف بھاگے۔ دھولے چند نے بھی موٹے

اور بھد سے بدن کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن ویرا سنگھ نے بندوق کی نال زور سے اس کی کھوپڑی پر ماری۔

”تو کدھر جاتا ہے بدمعاش، بہت لوٹتا رہا ہے تو غریبوں کو، پاپی تھیارے تجوری میں جن غریبوں کا خون بھرا ہوا ہے وہ باہر نکال۔ لاتجوری کی چابی دے۔“

دھولے چند بری طرح لرز رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنی دھوتی کی لاٹک سے چابیاں نکال کر ویرا سنگھ کے سامنے رکھ دیں۔ باہر جئے تلک بندوق تانے کھڑا ہوا تھا۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا اور وہ سب حیرت بھری نگاہوں سے جئے تلک کو دیکھ رہے تھے۔

ویرا سنگھ نے جلدی جلدی سونے کے زیورات، سونے کے ڈلے اور کرنسی نوٹ تجوری سے نکالے اور انہیں ساتھ لائے ہوئے تھیلے میں بھرنے لگا، لوگوں کے ہجوم کو زیادہ ہوتے دیکھ کر جئے تلک نے پھر دو تین ہوائی فائر کئے اور ایک بار پھر بھگدڑ مچ گئی۔ چند لمحوں کے اندر اندر پورا بازار سنسان اور ویران ہو چکا تھا۔

ویرا سنگھ اپنے کام سے فارغ ہو گیا، اس نے دھولے چند کو دیکھا جو مری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کا پورا بدن مری طرح لرز رہا تھا اور منہ بند تھا۔ ویرا سنگھ اور جئے تلک میں بس اتنا ہی فرق تھا، جئے تلک نے وہاں بہت سارے ہوائی فائر کئے تھے اور اس کا کام بن گیا تھا۔ وہ مجمع کو بھگانا چاہتا تھا مجمع بھاگ گیا تھا لیکن ویرا سنگھ کا مزاج بالکل مختلف تھا۔ اس نے دھولے چند کی دولت تو لوٹ ہی لی تھی، اس کے بعد اس کے قتل کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کا نظریہ تھا کہ ظالم کو زندہ چھوڑنا ہی نہیں چاہئے، چنانچہ اس نے اطمینان سے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا اور دھولے چند کے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ اس نے خون اگلتے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے اور پھر ایک جانب لڑھک گیا۔

ویرا سنگھ دکان سے باہر نکل آیا۔ پھر جئے تلک اور وہ ان وزنی تھیلوں کو اٹھائے چھوٹی چھوٹی گلیوں سے گزرنے لگے۔ ادھر ہری لعل اور دھرم سنگھ بھی نہایت احتیاط کے ساتھ بندوقیں سنبھالے ان کے تعاقب میں چلتے ہوئے ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

وہ چوک کے نزدیک پہنچے، یہاں بھی رونق میں کمی ہو گئی تھی، صرافہ بازار کے چوک سے دور ہوتے ہوئے لوگوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ گولیاں چل رہی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ گولیاں پولیس چلا رہی ہے، یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور یہاں موجود لوگ ایک

دوسرے سے صورت حال پوچھ رہے تھے۔

دیر اسٹگھ کو نہ جانے کیا سوچھی اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر بہت سے کرنسی نوٹ نکالے اور انہیں فضا میں اچھال دیا، ساتھ ہی اس کی گرجدار آواز ابھری..... ”لوٹ لو، جس کے جو ہاتھ آئے لوٹ لو، یہ تمہارا مال ہے جو آج تک سیٹھ دھولے چند کی تجویروں میں بند تھا، لوٹ لو۔“ یہ کہہ کر اس نے کرنسی نوٹ دوبارہ فضا میں اچھالے۔

اس کے ساتھ ہی دھرم سنگھ اور ہری لعل نے جواب تک محافظوں کا کردار ادا کر رہے تھے آگے بڑھ کر دو تین ہوائی فائر کئے اور زور سے بولے۔ ”بولو دیر اسٹگھ کی جے، بولو دیر اسٹگھ کی جے۔“

لوگ نوٹوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور ان کو آسانی سے نکل جانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ گلیوں گلیوں ہوتے ہوئے آخر کار صرافہ بازار سے باہر نکل آئے اور اس کے بعد سیدھے رگھیرا کے گھر پہنچ گئے۔ یہاں آکر انہوں نے اپنی وردیاں اتاریں اور اس کے بعد لوٹے ہوئے مال کا ڈھیر ایک طرف کر دیا۔

”بس رگھیرا، ہمارے تیرے بیچ بات طے ہو گئی تو اب ہمارا آدمی ہے، آرام سے یہاں رہو اور اپنے آپ کو ہوشیار رکھو ہم کسی بھی دن کسی بھی وقت تیرے پاس آ سکتے ہیں اور یہ تیرا حصہ۔“ دیر اسٹگھ نے کافی کرنسی اور زیورات وغیرہ نکال کر رگھیرا کو دیئے اور رگھیرا کا سر جھک گیا۔

”اب کیا حکم ہے مہاراج؟“

”رکنا نہیں ہے اب یہاں، ہم چلیں گے، تیرے ذمے ایک اور کام ہے، یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ہماری ایک بہن ہے، بھانجی ہے اس کا نام۔ بستی کے تمام لوگ اسے جانتے ہیں، اس کی خبر لیتے رہنا۔ کسی طرف سے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک ہو تو بھون کر رکھ دینا اس پر ظلم کرنے والوں کو، کیا سمجھے!“

”چنانچہ کریں مہاراج، جیسے آپ نے حکم دیا ہے دیے ہی ہوگا۔“

”بس تو پھر اب ہم چلتے ہیں۔“

رگھیرا نے انتظامات کئے، انہوں نے اپنا اپنا سامان اٹھایا اور بندوقیں وردیاں اور کارتوس چھپائے وہاں سے نکل آئے، اندھیرا خوب پھیل گیا تھا، لیکن اب محلے کی گلیوں اور

بازاروں میں لوگ جمع تھے۔ ویرا سنگھ کا نام چاروں طرف گونج رہا تھا اور دھولے چند کی دکان پر ڈاکے کی خبر دور تک پھیل چکی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے ایک لمبا سفر کیا اور سعید آباد نامی قصبے میں ایک ٹوٹے کھنڈر میں قیام کیا، ہری لعل کو قصبے کے حالات معلوم کرنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد وقت گزاری کی جانے لگی۔ ہری لعل کی اطلاع یہی تھی کہ ہر طرف ویرا سنگھ کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے، لوگوں کے تاثرات ملے جلتے ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ وہ غریبوں کا ہمدرد اور ظالموں کا دشمن ہے۔

یہ خبریں ویرا سنگھ کو ملیں تو اس کے چہرے پر ایک گہری سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خون سا اترنے لگا۔ ماضی کے بھیاںک سائے ان آنکھوں میں تیرتے رہے تھے اور ماضی میں وہ اس معصوم سے نوجوان کو دیکھ رہا تھا جو صرف اپنے کھیتوں پر اچھی فصل اگانے میں مصروف رہتا تھا۔ ایک سیدھا سادہ معصوم دیہاتی جو اپنے بدن کے پسینے سے کھیتوں کی آبیاری کرتا تھا اور زمینیں خوش ہو کر اس کے لیے فصلیں اگل دیتی تھیں۔ ماں باپ کی موت کے بعد ماں جیسی راگ وتی اور بہن جیسی جگ وتی ملیں، جن سے زندگی کے بہت سے واقعات وابستہ تھے۔ جگ وتی کی آنکھوں میں کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ ویرا سنگھ اس کا سگا بھائی نہیں ہے، جئے تلک سے پہلے وہ ویرا سنگھ کی کلائی میں راکھی باندھتی تھی۔ ویرا سنگھ اپنی خالی کلائی کو سہلانے لگا اور اس کے حلق سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔

”جگ وتی، تیرے خون کی ایک ایک بوند قرض ہے میرے اوپر، جب تک سارا قرض نہیں چکا دوں گا، مروں گا نہیں۔“



بانے لعل اور بنواری لعل بساط بھر رنجنا کی دیکھ بھال کر رہے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رنجنا کو ہوش میں کیسے لائیں۔ کافی وقت گزر چکا تھا اور رنجنا ہوش میں نہیں آئی تھی۔ اعزاء بھی تھا کہ صدے سے بے ہوش ہوئی ہے، زیادہ تجربے کا یہ بھی نہیں تھے کہ اسے ہوش میں لانے کی ترکیب کرتے، چنانچہ پریشانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے تھے۔ ہر دیو رائے بستی رام پورنگینہ میں رہتا تھا اور انہیں اتنا معلوم تھا کہ یہ بستی یہاں سے کافی دور ہے۔ رنجنا کو بستی تک لے جانے کا مسئلہ بھی تھا، کوئی سواری بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ بہر حال وہ اس

کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے۔ پھر رات کے کوئی ڈھائی تین بجے رنجنا کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور یہ دونوں جو نیم غنودگی کی کیفیت میں تھے جاگ گئے۔ رنجنا ہوش میں آگئی تھی اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

بانکے لعل نے اسے آواز دی۔ ”رنجنا بیٹا! رنجنا۔“

”سورج نہیں نکلا۔ سب چہرے کالے ہیں۔ کوئی چہرہ روشن نظر نہیں آتا۔ میں کہاں

ہوں، کیا ہو رہا ہے اس سنسار میں، ہائے رام کیا ہو رہا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ اچانک چیخ پڑی اور پھر اس کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔

بانکے اور بنواری گھبرا کر اٹھ گئے تھے۔ بانکے لعل بدستور رنجنا کو آوازیں دے رہا تھا اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے اندھی ہو گئی ہو اور اسے کچھ نظر نہ آ رہا ہے۔

”سورج کہاں چلا گیا، چندر ما کہاں کھو گیا ہے۔ دیکھو دیکھو یہ تیل میں کون جل رہا ہے،

بھیاجی، ارے او بھیا جی، ارے بھیا جی باہر آؤ تیل کے کڑھاؤ سے باہر آ جاؤ۔“

بنواری نے بانکے لعل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”مجھے تو کچھ گڑبگڑ رہی ہے بانکے

لعل؟“

”کیا؟“ بانکے لعل خوفزدہ لہجے میں بولا۔

”اس کا دماغ پھر گیا ہے شاید۔“

”لگ تو مجھے بھی یہی رہا ہے۔“

”لو یہ اور مشکل ہوئی، اگر رنجنا پاگل ہو گئی تو ہم کیا کریں گے؟“

”بھائی اسے اٹھا کر ہر دیورائے کے پاس پہنچا دیا جائے۔ ہم غریب لوگ ہیں اور رتن

چند کی حویلی میں رہتے تھے، اگر جتنے ملک کو پتہ چل جائے کہ ہم نے رنجنا کا جیون بچایا ہے تو وہ

ہمارا بھی دشمن بن جائے گا۔ ارے کہیں ہمیں بھی وہ تیل میں نہ جلا دے۔“ دونوں اس طرح کی

باتیں کرتے رہے، ادھر رنجنا پوری طرح ہوش میں آگئی تھی، لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا

دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے وہ الٹی سیدھی باتیں کر رہی تھی۔

صبح سورج نکلنے میں کچھ دیر تھی۔ اچانک انہیں گھوڑوں کے ناپوں کی آوازیں سنائی دیں

اور وہ سہم گئے۔ انہوں نے خود کو پوری طرح جھنڈ میں پوشیدہ کر لیا۔ رنجنا بھی اس وقت خاموش

تھی۔ دور سے انہوں نے دیکھا کہ کچھ گھڑسوار سامنے سے گزر گئے ہیں۔ ان کی تعداد چار پانچ تھی۔ صبح کی روشنی پوری طرح نمودار نہیں ہوئی تھی، ورنہ وہ یہ دیکھ لیتے کہ یہ گھڑسوار پولیس والے ہیں، وہ یہی سمجھتے کہ شاید ویرا سنگھ اور جے تلک کو رنجنا کے بچ جانے کی خبر مل گئی ہے اور اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

دونوں خوف سے سکڑے بیٹھے رہے، پھر سورج نکل آیا۔ گھڑسوار جا چکے تھے، پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی بن پڑے رنجنا کو لے کر یہاں لکھا جائے، چنانچہ انہوں نے رنجنا کو سہارا دیا اور اس کے بعد وہ رنجنا کو ساتھ لیے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔

کافی فاصلے طے کیا گیا، اس دوران انہیں جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا ان کا دل ہی جانتا تھا تھوڑے فاصلے پر بستی بنی پور تھی۔ بنی پور میں بنواری کا پھوپھا رہتا تھا، جے تلک اور ویرا سنگھ کی خبریں یہاں تک پہنچ چکی تھیں اور جب خبریں پھیلتی ہیں تو ان میں مرچ مصالحے کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا کیا کہانیاں بنی پور میں پہنچ چکی تھیں۔ بنواری اور بانکے لعل رنجنا کو لے کر بنواری کے پھوپھا کے ہاں پہنچ گئے۔

پھوپھا اودے چند انہیں دیکھ کر اچھل پڑا تھا۔

”ارے تم بچ گئے بنواری، تم شانتی کھ سے آرہے ہو اور یہ ارے یہ تو شاید رتن چند کی

بہن رنجنا ہے۔ وہی ہے نا یہ؟“

”ہاں پھوپھا جی وہی ہے۔“

”ارے بھیا اس بس کی گانٹھ کو کہاں لیے پھر رہے ہو، پتہ نہیں کیا کیا چکر چلائے ہیں

اس نے، جے تلک سے اس کا سبندھ تھا، اس کی خبر سب کو ہے، یہ تو فساد کی جڑ تھی، اس کی وجہ سے رتن چند نے راگ وتی اور جگ وتی کو مارا تھا، تم انہیں لے کر یہاں کیوں آ گئے، تمہیں پتہ ہے کہ اس سے ایک طرف پولیس ویرا سنگھ کا پیچھا کر رہی ہے تو دوسری طرف ویرا سنگھ، رتن چند کے پر یوار کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، اس نے سو گند کھائی ہے کہ شانتی کھ کو کھنڈر بنا دے گا، کسی کو نہیں چھوڑے گا اور ادھر پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ تمہیں فوراً چھپ جانا چاہئے۔ یہ کہاں بارود کے ڈھیر کو ساتھ لیے پھر رہے ہو؟“

”کاجی، نمک کھایا ہے ہم نے ٹھا کر بھرم چند اور رتن چند کا، بھگوان نے اسے جیون دیا

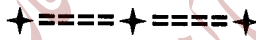
ہے تو ہم نمک کا حق تو ادا کریں گے ہی۔“

”پاگلو! کوئی نمک و مک نہیں ہوتا، نمک ہاڑی میں ڈالنے والا مصالحہ ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، آج کل کوئی کسی نمک و مک کا پالن نہیں کرتا جس کو جس کے خلاف کچھ کرنے کا موقع ملتا ہے وہ کر ڈالتا ہے..... ارے جیون بچاؤ۔“

”ناکا کا جی نا، ہم چلے جاتے ہیں آپ کے ہاں سے پر رنجنا کو ایسے نہیں چھوڑیں گے، ہم اسے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں اور دھام پورنگینہ پہنچا دیں گے وہاں ٹھا کر ہر دیورائے رہتا ہے جو رنجنا کا ماما ہے۔“

”سوچا تو تم نے ٹھیک ہے، میری ماما تھوڑے دن رک جاؤ ادھر، یہیں چھپ جاؤ، کیونکہ ہو سکتا ہے ویرا سنگھ ماما ہر دیو کے پاس دھام پورنگینہ پہنچ جائے کیا سمجھ؟“

”ہاں یہ بات تو کا کا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ بانکے لعل نے کہا اور انہوں نے کچھ دن وہاں رکے کا فیصلہ کر لیا۔



ٹھا کر ہر دیورائے کے علم میں ساری باتیں آتی جا رہی تھیں، انہیں سب کچھ پتہ چل گیا تھا، چنانچہ اس وقت بھی ہر دیورائے اپنی وسیع و عریض حویلی کے ایک بڑے باغ میں بیٹھا ہوا اپنے بیٹے بھو دیورائے سے اسی موضوع پر باتیں کر رہا تھا۔

”شانختی مکھ کے بارے میں بُری خبریں مل رہی ہیں، رتن چند کس طرح مارا گیا تجھے پتہ چل گیا پر بھو؟“

”لو پتا جی میرے پاس ہی تو آدمی آیا تھا اور اس نے تفصیل بتائی تھی۔ رتن چند کو ویرا سنگھ نے کھولتے تیل میں ڈال کر مار دیا۔ اس کا ساتھی رام لعل بھی اس طرح موت کا شکار ہوا اور اب ویرا سنگھ اور پولیس میں خوب چل رہی ہے اور ویرا سنگھ اور جنے تلک سنا ہے ڈاکو بن گئے ہیں اور ڈاکے ڈالتے پھر رہے ہیں۔“

”ہاں خبریں یہی مل رہی ہیں۔ پر ایک بات کہوں تجھ سے، تھوڑے دن رک جاؤ، ہم دلی چلیں گے اور وکیل ہر بھجن سنگھ سے ملیں گے۔“

”وہ کیوں پتا جی؟“

”ارے پاگل، تجھے یہ بات معلوم ہے کہ ٹھا کر بھرم چند کی زمینیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، بہت سے باغ ہیں ان کے..... بہت سی زمینیں ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ

قریب کا کوئی ناتے دار ایسا نہیں ہے جسے وہ زمینیں ملیں، ویسے تو بڑا پر یوار ہے، پر ہم سب سے قریب ہیں، البتہ ایک رام سری ہے جو دعویٰ کر سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رام سری کے دونوں بیٹے بڑے چتر چالاک ہیں، شہر میں پڑھے ہوئے ہیں۔ زمینوں کے حصول کے لیے وہ بھی کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے، ہو سکتا ہے بڑا رہ ہو جائے۔ پر میں یہ نہیں چاہتا، میری تو کب سے خواہش تھی کہ کسی طرح میں اور رتن چندل جائیں، تیری شادی رنجنا سے ہو جائے اور ہم رتن چند کے حصے دار بن جائیں، ٹھا کر بھرم چند جو کچھ چھوڑ کر گئے ہیں انہی دونوں بہن بھائیوں کا تو تھا، اب یہ دونوں بے چارے پر لوک سدھار گئے، رنجنا حویلی میں جل گئی اور رتن چند تیل کے کڑھاؤ میں۔“

”ہتاجی، اگر یہ خیال ہے آپ کا تو پھر ایک غلطی ہو گئی آپ سے۔“ پر بھورائے نے کہا۔
 ”وہ کیا؟“

جب حویلی میں آگ لگی تھی اور ڈاکوؤں نے حویلی سے باہر نکلنے والوں کو بھون کر رکھ دیا تو ہمیں دوسرے یا تیسرے دن شانتی کھانا چاہئے تھا اور وہاں پہنچ کر تھوڑی سی ٹونٹکی کرنی تھی کہ ہائے رام یہ کیا ہوا۔ ہو سکتا تھا ہمیں رنجنا کی لاش مل جاتی یا پھر رتن چند کا کوئلہ ہونے والا شریہ۔ ہم ان کا اتم سنگار کر کے جائیداد رزمینوں پر اپنی مہر لگا دیتے یہ ذرا سی غلطی ہو گئی۔“
 ”پاگل تجھے ایک بات کا پتہ ہے، جے تلک اور اس کا دوست دیرا سنگھ اس سے ماما اور بہن کی موت پر دیوانے ہو رہے تھے، ہمیں ان کا سنگھی سمجھ کر ہمارے ساتھ بھی براسلوک کر سکتے تھے، ورنہ حویلی سے باہر بھاگنے والوں کو وہ گولیوں کا نشانہ بناتے۔“
 ”سو تو ہے۔“ پر بھو بولا.....

”میرے من میں ایک بات ہے پر بھورائے، ذرا سوچ اور غور کر۔ زمینیں تو ہمیں ملیں گی اور میں اسی لیے دلی جا کر وکیل کو اپنے من کی بات بتا دینا چاہتا ہوں، پر رام سری ہمارے راستے میں آئے گی۔“
 ”تو پھر ہتاجی۔“

”ارے پلگے، یہ اپنے پالتو کتے کس کام آئیں گے، پیٹ بھرک روٹی کھلاتے ہیں انہیں، دیتے لیتے رہتے ہیں، انہیں رام سری پر لگا دو، جیسے ہی موقع ملے رام سری کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ زمینداروں کے ویسے بھی بہت سارے جھگڑے ہوتے ہیں اور پھر سچی بات یہ ہے

کہ یہ بھی مشہور کیا جاسکتا ہے کہ کسی طرح جنے تلک اور ویرا سنگھ کو اس بارے میں معلوم ہو گیا کہ رام سری رتن چند کی خالہ ہے، یہی خبر اڑائی جائے گی کہ ویرا سنگھ نے رتن چند کی خالہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اس کے دونوں بیٹے بھی مارے جائیں تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہو گی۔“

اس گفتگو کے بعد یہ لوگ تیاریاں کرنے لگے۔ چوتھا دن گزرا تھا یہ بات کئے ہوئے کہ اس دن صبح ہی صبح کچھ لوگ کھیسوں میں لپٹے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ یہ تین افراد تھے ان میں ایک لڑکی تھی اور دوسرا مرد، پہلے وہ نوکروں سے ملے اور انہوں نے اپنے چہرے چھپائے چھپائے کہا کہ وہ ٹھاکر ہر دیورائے یا پر بھورائے سے ملنا چاہتے ہیں، چنانچہ ہر دیورائے نے ہی ان سے ملاقات کی اور بولا..... ”یہ تم کیا منہ چھپائے ہوئے ہو، کدھر سے آئے ہو، کون ہو؟“

”دونوں نے اپنے کھیس اتار دیئے لیکن ہر دیورائے انہیں نہیں پہچانتا تھا۔“

”کون ہو تم لوگ اور یہ کون ہے؟“ ہر دیورائے نے کہا تو بالکل لعل نے رنجنا سے بھی کھیس اتار دیا۔ رنجنا کی حالت بری طرح خراب ہو رہی تھی، کپڑے مسلے ہوئے تھے اور بالکل بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر گرد کی جھیں جھی ہوئی تھیں، لیکن حسن بے پناہ اب بھی چہرے سے جھلک رہا تھا۔

کچھ دیر تک ٹھاکر ہر دیورائے نے رنجنا کو نہ پہچانا لیکن پھر اسے پہچان کر اچھل پڑا۔

”ارے یہ تو بھرم چند کی بیٹی ہے، ہری رام اندراؤ تم لوگ آجاؤ اندر۔“ ہر دیورائے نے بدحواسی سے کہا اور تینوں کو لے کر اندر پہنچ گیا۔

رنجنا اب بھی پھرانی سی تھی، وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ ٹھاکر ہر دیورائے کے دل میں اس کے لیے کوئی محبت نہیں ابھر رہی تھی۔ بس وہ حیران تھا پھر اس نے کہا..... ”مگر تم کون ہو، یہ بھرم چند کی بیٹی ہی ہے نا؟“

”آپ اسے نہیں پہچانیں گے مہاراج تو اور کون پہچانے گا، آپ کا خون ہے یہ۔“

”یہ جیتی بچ گئی ہے نا؟“

”جیتی ہے مہاراج، اسی لیے یہ ہمارے ساتھ یہاں تک آگئی ہے۔“ بنواری لعل نے

کہا۔

”مگر یہ تو حویلی میں تھی بچ کیسے گئی؟“

”بس ٹھا کر جی بھگوان جس کا جیون بچانا چاہے۔“

”تم لوگ بھی تو حویلی ہی میں رہتے تھے کیا نام ہیں تمہارے؟“

”میرا نام بانکے لعل ہے مہاراج، اور یہ بنواری ہے، یہ حویلی میں نہیں رہتا تھا پر میں

نے.....“

”ہاں میں تمہیں پہچان گیا، یہ بتاؤ جو جو خبریں سنی ہیں رتن چند کے بارے میں وہ ٹھیک

ہیں؟“

”جی مہاراج! ہمارے ٹھا کر جی کو ویرا سنگھ اور جے تلک نے ایلچے تیل میں ڈال کر

جلادیا۔ حویلی میں آگ لگا دی گئی، جتنے لوگ وہاں تھے جل کر راکھ ہو گئے۔ بس تھوڑے ہی تھے

جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں رنجنا جی کو لے کر باہر نکل آیا اور پھر جنگلوں میں چھپا چھپا

پھرتا رہا کیونکہ ویرا سنگھ اور جے تلک رتن چند جی کے پر یوار والوں کو تلاش کرتے پھر رہے

ہیں۔“

”کیوں، پر یوار والوں میں تو ہم بھی ہیں، کیا مطلب ہے کیا وہ سارے پر یوار کے پیچھے

پڑ گئے ہیں؟“

”ہاں مہاراج سنا تو یہی ہے۔“

”پھر تم یہاں کیسے آئے؟“

”مہاراج ہمیں پتہ تھا کہ آپ رنجنا جی کے ماما جی ہیں، ہم زیادہ لوگوں کو تو جانتے نہیں

ہیں، بس ہمارے من میں آپ ہی آئے اور ہم انہیں یہاں لے آئے۔“

”تمہارا استیاس، تم نے.....“ ہر دیورائے غصے سے بولا، مگر اچانک ہی اس کے ذہن

پر بچھونے ڈنک سامارا، رنجنا کے لیے تو اس نے اپنے بیٹے کا رشتہ دیا تھا، بس یہ سوچ کر اگر رنجنا

پر بھورائے کی چپتی بن گئی تو بھرم چند کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا آدھا حصہ ان کے قبضے میں

آجائے گا۔ اگر رنجنا اس طرح بچ کر ان تک پہنچ گئی ہے یہ تو سونے کی چڑیا ہوئی، اس کی

حفاظت تو بڑی ضروری ہے۔ وہ کام جو بھرم چند کے جیون میں نہیں ہوا تھا اور جس کے لیے

ہر دیورائے کو بے عزتی برداشت کرنی پڑی تھی۔ وہ اچانک خود بخود ہو گیا تھا۔ اس سے فائدہ

کیوں نہ اٹھایا جائے۔

کچھ لمحے سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے درو بھرے لہجے میں کہا۔ ”ہائے رام بے

چارے رتن چند پر کیسی بُری بیتی، رنجنا اس کا مان تھی۔ جتنا پریم وہ اس سے کرتا تھا مجھے اس کے بارے میں معلوم ہے، دیکھو بالکل لعل تم لوگوں نے اپنا فرض پورا کیا۔ اب اس کی زندگی کے لیے تم اپنا منہ بند رکھو، کہیں جا کر اس طرح رُو پوش ہو جاؤ کہ کسی کو اس بارے میں معلوم نہ ہو۔ بھول جاؤ رنجنا کو، میں بھی اسے کچھ دن تک چھپائے رکھتا ہوں۔ جب تک ویرا سنگھ اور جنے تلک مرنے نہیں جاتے، ہم رنجنا کو چھپائے رکھیں گے اور اس کے بعد اسے منظر عام پر لے آئیں گے اور کام بن جائے گا، میرا مطلب ہے اس کا جیون بن جائے گا۔“

”آپ بالکل چھتا نہ کریں مہاراج، ہمارا کام اسے آپ کے پاس پہنچانا تھا، سو ہم نے پورا کر دیا، اب آپ جیسا پسند کریں۔“

”بس تو پھر ٹھیک ہے، تم جاؤ اور ہاں یہ پیسے رکھ لو، تمہارے کام آئیں گے لیکن ایک بات کی تمہیں تاکید کئے دیتا ہوں، اگر تم نے کہیں منہ کھولا تو یوں سمجھ لو کہ ہمیں تو نقصان پہنچے گا ہی، پر تم دونوں بھی جیتے نہیں رہ سکو گے۔“

”ہم پاگل تھوڑی ہیں مہاراج کہ منہ کھولیں، آپ بالکل چھتا نہ کریں ہمارے بارے میں۔“ بالکل لعل نے کہا اور اس کے بعد وہ بخواری کے ساتھ وہاں سے واپس پلٹ گیا۔

ہر دیو رائے تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا، پھر اس نے چونک کر رنجنا کو دیکھا اور حیران رہ گیا، رنجنا نے ابھی تک اپنے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

ہر دیو رائے دہری کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، ایک طرف اس کے دل میں تھوڑی سی ہمدردی ابھری تھی لیکن دوسری طرف رتن چند اور بھرم چند کا رویہ بھی یاد تھا، پھر بھی اسے رنجنا کو سنبھالنا تھا۔ اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ”آؤ بیٹا، اماں ہوں تمہارا، چھتا مت کرو، جو کچھ ہوا ہے اسے بھولنے کی کوشش کرو..... آؤ میرے ساتھ آؤ۔“ تبھی اسے احساس ہوا کہ رنجنا کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ذہن سے نہیں اتر رہی، پھر بھی وہ اس کے ساتھ اندر چل پڑی۔

ہر دیو رائے اب اس کے سلسلے میں ذرا احتیاط برتنا چاہتا تھا، چنانچہ پہلے وہ رنجنا کو ایک کمرے میں لے گیا جو خالی تھا اس نے کہا..... ”بیٹی، تمہیں حالات کا اچھی طرح اندازہ ہے، میں تم سے بعد ساری باتیں کروں گا، تم یہاں آرام کرو، ایک لڑکی تمہاری سہائتا کے لیے بھیج دیتا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ باہر نکل آیا۔

باہر آ کر اس نے حویلی کی ایک نوکرانی کا انتخاب کیا اور اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھ

سنیتا! وہ لڑکی میری بھانجی ہے۔ تو اس کے پاس رہے گی اور اس کی سیوا کرے گی، کوئی تکلیف نہ ہونے پائے اسے اور اس سے زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، چل جا۔“ سنیتا گردن جھکا کر اندر چلی گئی۔

ہر دیورائے اپنی دھرم پتی کے کمرے میں پہنچا تو وہاں پر بھورائے بھی موجود تھا، ہر دیو رائے نے دروازہ بند کیا اور دونوں ماں بیٹے اسے حیرت سے دیکھنے لگے، ہر دیورائے کے چہرے کا تجسس انہیں حیران کر رہا تھا۔ ”کیا ہوا پتا جی؟“
 ”وہ ہو گیا ہے بیٹا جو سنے میں بھی نہیں سوچا تھا۔“ ہر دیورائے نے کہا اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”کیا ہوا کچھ بتائیں تو سہی، عجیب سا چہرہ ہو رہا ہے آپ کا؟“ ہر دیورائے کی دھرم پتی نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے کہا نا وہ ہو گیا ہے جس کا سننے میں بھی خیال نہیں کیا تھا۔“

”اونہ کچھ بتائیں بھی تو سہی۔“ دھرم پتی بولی۔

ہر دیورائے نے بیٹے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”پر بھو! رتن چند کی حویلی تو راکھ کا ڈھیر بن ہی چکی ہے، تمہیں پتہ چل گیا ہوگا؟“

”لیجئے پتا جی میں نے وہاں اپنے دو آدمی بھی بھیج دیئے تھے کہ شانتی کھ کی خبر لے کر آئیں، آپ کو تو شاید پتہ بھی نہ ہو کہ وہاں کیا ہوا ہے، میں ابھی ماما جی کو یہی بتا رہا تھا، میرے وہ دونوں آدمی واپس آ گئے ہیں۔“

”ہاں، کیا پتہ چلا تجھے؟“

”پتا جی، حویلی راکھ کا ڈھیر بن گئی ہے، اصل میں رتن چند اور اس کے ہر کاروں نے خود بھی بڑا انیائے کیا تھا، جئے تلک بھنڈاری کے ساتھ۔“ پر بھو دیو نے باقی تفصیل بھی بتا دی کہ کس طرح جئے تلک کی ماں اور بہن کو حویلی میں لا کر ہلاک کر دیا گیا اور پھر جئے تلک اور اس کے دوست دیرا سنگھ نے مل کر ان لوگوں سے بدلہ لیا اور اس کے بعد وہاں سے نکل گئے۔“

”واہ رے تو تو میرا بھی استاد نکلا، معلومات تو خیر مجھے بھی حاصل ہوئی ہیں مگر زیادہ نہیں جتنی تجھے۔ پر ایک ایسی بات ہوئی ہے جو تجھے بھی نہیں معلوم ہوگی۔“ ہر دیورائے نے کہا۔

”چلے وہ آپ بتا دیجئے۔“ پر بھو رائے مسکرا کر بولا۔

”حویلی میں کوئی جیتا بچا۔“

”شاید نہیں..... کیونکہ انہوں نے ایک ایک کوچن چن کر ہلاک کر دیا، حویلی کو آگ لگائی اور پھر جس نے نکل کر بھاگنے کی کوشش کی وہ ان کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ پوری طرح خونی ہو چکے ہیں وہ لوگ۔“

”ہوں تو پھر تیری معلومات میں اضافے کے لیے میں تجھے ایک بات بتاؤں کہ رتن چند کی بہن رنجنا بچ گئی ہے۔“

”ہائے رام وہ کیسے بچ گئی۔ میں بتاؤں کیا ہوا ہوگا، آپ کو شاید یہ پتہ نہیں ہے یا پتہ ہو کہ دیوالی کے موقع پر جے تلک بھنڈاری نے رنجنا کو بگڑے ہوئے ہاتھی کی پیٹھ سے اٹھالیا تھا اور درخت پر بیٹھ گیا تھا، پھر وہ بڑی مشکل سے نیچے اترا، ارے بابا ایک جوان چھوکری سے اتنی قربت کے باوجود چھوکرے کے من میں کوئی خیال نہ ابھرے یہ کیسے ممکن ہے، جے تلک بھنڈاری نے اپنی ماں اور بہن کا بدلہ تو لیا، پر وہ اسے کیسے مار سکتا تھا، بچا لیا ہوگا اس نے اسے۔“ ہر دیورائے کی دھرم پتی بھی ظاہر ہے اس خاندان کی تھی، اس نے فوراً ہی ایک کہانی بن ڈالی۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو کچھ تو بتا رہی ہے وہ میں نے بھی سنا تھا مگر رنجنا کو جے تلک نے نہیں بچایا بلکہ اسے رتن چند کے ایک نوکر نے حویلی کے پچھلے حصے سے نکال لیا تھا اور اب جو سب سے بڑی بات میں تجھے بتانے جا رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ رنجنا میرے پاس آگئی ہے۔“

”کیا؟“ دونوں ماں بیٹے اچھل پڑے۔

”ہاں وہ یہاں حویلی میں آگئی ہے۔“

”کیسے؟“

”وہی ملازم باغیچے لعل اسے میرے پاس لے آیا ہے کیونکہ اسے یہ بات معلوم تھی کہ میں

رنجنا کا ماما ہوں۔“

”مگر ہتاجی وہ یہاں کیوں آئی، آپ کو پتہ ہے کہ جے تلک اور ویرا سنگھ نے سوگند کھائی

ہے کہ رتن چند کے پرچار کے ایک ایک فرد کو ختم کر دیں گے۔ میں ماتاجی سے یہی بات کر رہا تھا کہ بھگوان کا شکر ہے کہ رتن چند نے ہمارا رشتہ سویکار نہیں کیا، ورنہ رنجنا یہاں ہوتی اور ہم اس

کے پر پورا میں سب سے آگے ہوتے۔“

”پر بھو مجھے حیرانی ہے کہ تو میری اولاد ہے، عقل سے تو تیرا دور کا رشتہ بھی نہیں رہا۔ ہمیشہ بیوقوفی کی باتیں سوچتا ہے۔“

”کیوں پتا جی؟“

”بیوقوف، ہم نے رنجنا کا رشتہ کیوں مانگا تھا یاد ہے تجھے؟“

”ہاں پتا جی یاد ہے، آپ نے سوچا تھا کہ اس رتن چند کے قبضے میں موجود آدمی زمینیں ہماری ہوں گی، یہی سوچا تھا نا آپ نے؟“

”ہاں اور ہمیں اس میں ناکامی ہوئی تھی۔“

”مجھے یاد ہے پتا جی کس طرح رتن چند نے ہماری بے عزتی کی تھی۔“

”تو نے یہ نہیں دیکھا کہ بھگوان نے وہ سب کچھ خود ہی کر ڈالا جس کے لیے بے عزت

ہوئے تھے، آج رتن چند کی عزت ہمارے چرنوں میں ہے۔ رنجنا ہمارے قبضے میں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی رتن چند کی ساری زمینیں بھی، تجھے یاد ہے ابھی تھوڑے دن پہلے میری تیری بات ہوئی تھی اور میں نے کہا تھا کہ رتن چند کے باپ بھرم چند کی ساری جائیداد اور زمینیں اب لاوارث پڑی ہوئی ہیں اور ان کے وارث ہم ہیں، اس سلسلے میں رام سری کے بارے میں بھی بات ہوئی تھی اور ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ.....“ ہر دیورائے نے اپنی دھرم پتی کی طرف دیکھا اور زبان بند کر لی، وہ جانتا تھا کہ عورتوں کے سامنے دل کے راز نہیں کھولنے چاہئیں۔

”جی پتا جی، آگے، بولیں۔“

”ارے بولیں کیا رنجنا کو شیشے میں اتاریں گے، اتنا پیار دیں گے اسے کہ وہ ہمارا دم

بھرے اور اس کے بعد، میں تیرا دواہ اس سے کروں گا۔ پھر بھلا زمینوں کا ہم سے بڑا حقدار کون ہو سکتا ہے؟“

”میں نہیں کروں گا اس سے دواہ پتا جی، آپ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے، آپ کو پتہ ہے کہ

جئے تلک کے ساتھ اس کی کتنی خبریں اڑی تھیں اور میں ایسی لڑکی سے شادی کر لوں، جو نہ جانے.....“ پر بھورائے نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ہر دیورائے نے قہقہہ لگایا، پھر بولا۔ ”کو شلیا، کیا لوٹا پیدا کیا ہے تو نے عقل کا تو نام و

نشان نہیں ہے اس کے اندر، جو میں کہہ رہا ہوں وہ بھی تو نے سنا اور جو بکواس یہ کر رہا ہے وہ بھی

ٹوس رہی ہے۔ ارے بابا سنسار میں نہ جانے کون کون کیا کچھ کر لیتا ہے، یہ تو بس اتنی سی خبر ہے جو شانتی مکھ والوں نے اُڑائی ہے اور کون جانے کچھ بھی ہے اور پھر ایسا کون سا ارتھ ہو گیا۔ اگر وہ جنے ملک کے سینے سے لگ کر بیڑ سے نیچے اتر آئی۔ پگے یہ تو سوچ کہ سونے کی کان ہمارے ہاتھ آئی ہے، تیری بے عزتی کا بدلہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔ خود رنجنا نے بھی تو تجھے سویکار نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے بھیا سے انکار کر دیا تھا۔“

”ہونہ، میں سوچوں گا پتا جی فیصلہ نہیں کر سکتا۔“

”فیصلہ تو وہی کرنا پڑے گا تجھے بیٹا جو میں نے کیا ہے۔ بعد میں تو دس جگہ شادیاں کر لینا، مجھے اعتراض نہیں ہوگا لیکن زمینوں کو قابو میں کرنے کے لیے تو یہ کام کرنا ہی ہوگا مگر ابھی جلدی نہیں ہے، ٹھنڈا کر کے کھانا ہے کیونکہ دوسرا پہلو بھی سامنے ہے، جب تک جنے ملک اور ویرا سنگھ پولیس کے ہاتھ نہیں آجاتے، ان کا کریا کریم نہیں ہو جاتا، اس سے تک ہم یہ کام کر بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ ہمارے پر یوار کو بھی خطرہ پیدا ہو جائے گا۔“

”ہاں وہ ہے کہاں؟“ اس بار کوشلیا نے کہا۔

”میں نے اسے کمرے میں پہنچا دیا ہے اور سنیتا کو اس کی سیوا پر لگا دیا ہے، بس تو بھی ذرا خیال رکھنا کوشلیا، ابھی ہمیں نو کروں تک سے یہ بات چھپانی ہے کہ ہمارے ہاں کون مہمان آیا ہے۔“ ہر دیورائے نے کہا اور کوشلیا گردن ہلانے لگی۔

پر بھورائے کا منہ ابھی تک بنا ہوا تھا، وہ اپنے الٹے ہاتھ سے اپنے سوکھے ہوئے سیدھے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

◆=====◆

بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے کوئی تجربہ ضروری نہیں ہوتا بلکہ وقت خود بخود ان کاموں میں مہارت دے دیتا ہے، ویرا سنگھ اور جنے ملک دو محنتی کسان تھے، اپنی زمینوں سے پیار کرنے والے، اپنے کام سے لگن رکھنے والے، ان کی بستیوں کے لوگوں نے کبھی ان کے خلاف نہیں سوچا تھا، ویرا سنگھ کے ماں باپ مر چکے تھے، راگ وتی کو ماں اور جگ وتی کو بہن سمجھ کر وہ ان کی پوجا کرتا تھا، جنے ملک کو وہ اپنے بھائیوں سے زیادہ مانتا تھا۔ اس پر یوار کے سوا سنسار میں کوئی تھا بھی نہیں اس کا۔ بڑی گہری طبیعت کا انسان تھا۔ سیتا سے پیار کرتا تھا، لیکن اس فیصلے کے ساتھ کہ جیون پھر وہ اپنے پیار کا اظہار نہیں کرے گا، یہ بھی محبت کا ایک انوکھا

اور مختلف انداز تھا لیکن اس سے اس کی فطرت کا اظہار ہوتا تھا اور جب راگ و تلی اور جگ و تلی کو ہلاک کر دیا گیا اور جے تلک تنہا غم کا شکار ہو گیا تو اس نے اپنی محبت پر لعنت بھیج دی، جے تلک کے کھیت اجڑ گئے تو اس نے اپنے بھی کھیت اُجاڑ ڈالے اور اس کے بعد جے تلک کے دشمنوں کا سب سے بڑا دشمن بن گیا، یہی نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی وحشی فطرت کو پوری طرح بیدار کر لیا۔

اب وہ انسانوں کے لیے ایک بھیا تک خطرہ بن چکا تھا۔ اس کا گزرنے والا ہر دن اس کی مقبولیت میں اضافہ کرتا جا رہا تھا، غریبوں کے ساتھ وہ ہمیشہ ہمدردی سے پیش آتا، اس نے اپنا کوئی ایک ٹھکانہ بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو شامل کرنے کا خواہش مند رہتا تھا جو خود بھی ظلم کا شکار ہوئے ہوں اور ایسے افراد اس کے شانہ بشانہ کام کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔

بہر حال وقت گزر رہا تھا اور وہ اپنا کام کر رہا تھا، اس وقت بھی وہ ایک کھنڈر میں بیٹھا ہوا تھا کہ دھرم سنگھ اور ہری لعل اس کے پاس پہنچ گئے، اس نے مسکراتے ہوئے ان کا سواگت کیا اور بولا۔ ”ہاں جی کیا خبر لائے ہو؟“

”ہاتھرس میں ملٹری اور پولیس کے بہت سے افراد جمع ہوئے ہیں، وہ لوگ ہمارے خلاف میٹنگیں کر رہے ہیں اور چاروں طرف فوجی دوڑا دیئے گئے ہیں اور ہماری کھوج ہو رہی ہے۔ سنایہ ہے کہ وہ لوگ سعد آباد کی طرف آنے لگے ہیں۔“

”ہوں ذرا جے تلک کو بلا کر لاؤ۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور دھرم سنگھ باہر موجود جے تلک کو

بلا لایا۔

”جے! ہاتھرس سے خبر آئی ہے کہ کھوجی سعد آباد کی جانب چل پڑے ہیں، ہماری تلاش میں یہ لوگ آتش بازی چلانا چاہتے ہیں، مگر تمہیں معلوم ہے ہمارے پاس کار تو سوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے، کیا کریں؟“

”جلیسر چلتے ہیں، مائیک پور کے تھانے سے تھوڑے سے کار تو س ادھار لے لیں گے۔“ جے تلک نے ہنستے ہوئے کہا تو ویرا سنگھ بھی مسکرا دیا۔

”ٹھیک ہے چلو نکلیں یہاں سے۔“ وہ چاروں کھنڈرات سے باہر نکل آئے، یہ کھنڈرات آسیب زدہ مشہور تھے اور ان کے بارے میں ایک کہانی گردش کرتی رہتی تھی، سنایہ گیا

تھا کہ یہاں ایک ایسا ہندو کھتری رام رہتا تھا جس کے پاس بے پناہ دولت تھی اور وہ ہمیشہ اپنی اس دولت کی حفاظت کے لیے خوفزدہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے کالی مائی کا ایک جاپ کیا۔ جاپ الٹا ہو گیا وہ اس گھر میں جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کے بعد یہ کھنڈر آسیب زدہ ہو گیا اور آس پاس کے لوگوں نے اس علاقے کو خالی کر دیا کیونکہ انہوں نے وہاں اس کنجوس آدمی کی آتما کو گردش کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ بہر حال یہ لوگ اس کھنڈر میں رہے لیکن انہیں کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی اور اب اس اطلاع پر انہوں نے کھنڈر چھوڑ دیا۔

شام کا جھپٹنا ہو چکا تھا، نیم ندی کے کنارے اڈے پر یکے والے ہوار یوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے اس وقت جلیسر جانے پر رضامندی ظاہر نہ کی۔

”کیا کریں سرکار، راستے میں ڈاکو لوٹ لیتے ہیں، صبح کو لے چلیں گے جلیسر، رات مت کرو۔“ جئے تلک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یکے والا کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔“ ٹھیک ہے بابو جی بیٹھ جائیں۔“
 وہ چاروں یکے میں سوار ہو کر چل پڑے، یکے والا ان لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔
 ”آپ لوگ زمیندار میں بابو جی؟“

”ہاں۔“ دھرم سنگھ نے جواب دیا۔ ”تم نے کیسے اندازہ لگایا؟“
 ”بندوقیں دیکھ، میں نے سوچا کیونکہ بندوقیں صرف تین لوگوں کے پاس ہوتی ہیں، زمینداروں کے پاس، پولیس والوں کے پاس یا پھر ڈاکوؤں کے پاس۔“
 ”اچھا اگر ہم ڈاکو ہوئے تو۔“ ہری لعل نے مذاق کے طور پر کہا۔

”تو بھی کیا فرق پڑتا ہے بابو جی، زیادہ سے زیادہ میرا یکہ گھوڑا لوٹ لو گے، آٹھ روپے کمائے ہیں صبح سے، ان سے ڈاکوؤں کا کیا بنے گا، ہاں مجھے گولی مت مارنا کیونکہ اگلے بیساکھ میں میری شادی ہونے والی ہے۔“ یکے والے نے ہنس کر کہا۔

”مانک پور تھانے کے پاس تھوڑی دیر کے لیے رکنا ہے۔“ جئے تلک نے کہا اور یکے والے نے گردن ہلا دی۔

یکے کا سفر جاری رہا اور گہری رات اترتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد دور سے چراغ جلتے نظر آئے اور اس کے بعد یکہ تھانے کے پاس جا کر رک گیا، چاروں نیچے اتر گئے اور تھانے کی

عمارت کی طرف چل پڑے۔

صحن میں تھانے دار جی ایک درخت کے نیچے سپاہیوں کے ساتھ بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ پاس ہی ٹیپ ریکارڈ رکھا ہوا تھا، غالباً کوئی میوزیکل پروگرام ذہن میں تھا۔ ان چاروں کو دیکھ کر تھانے دار صاحب نے حقے کی نئے منہ سے نکالی اور سنبھل کر بیٹھ گئے۔ سپاہی بھی چوکس ہو گئے تھے، وہ انہیں کوئی جاگیردار سمجھ رہے تھے۔

”آئیے چوہدری جی آئیے۔“ تھانے دار چارپائی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہو رہا تھا تھانے دار جی؟“ ویرا سنگھ چارپائی پر بیٹھ گیا اور اس نے حقے کے دو تین کش لیے اور پھر مسکرا کر بولا۔ ”تمباکو تو بہت بڑھیا ہے۔“

”خمیرہ ہے اصلی۔ چوہدری جی سنا ئیے کیا سیوا کریں آپ کی؟“ تھانے دار انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

”تھانے میں کتنے سپاہی ہیں تھانے دار جی؟“ ویرا سنگھ نے حقے کے کش لیتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

”بس یہی سب ہیں چوہدری جی، کیا ضرورت پڑ گئی؟“

”تھوڑے سے کارتوسوں کی ضرورت پڑ گئی ہے تھانے دار جی، بارہ بور کے کتنے کارتوس مل جائیں گے آپ کے پاس سے؟“

”بہت ہیں مگر کارتوس ہم بھلا کیسے دے سکتے ہیں چوہدری جی، یہ تو سرکاری ہیں۔“ تھانے دار نے کہا۔

”ہم بھی تمہیں سرکاری حکم ہی دے رہے ہیں تھانے دار جی۔“ جے تنک نے آگے بڑھ کر ہندو کی نال تھانے دار جی کے سینے پر رکھ دی اور تھانے دار جی اچھل پڑے۔

”ارے یہ کیا، یہ کیا؟“ تھانے دار صاحب گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”ویرا لگائی تھانے دار جی تو ہمارے پاس اتنے کارتوس تو موجود ہیں کہ آپ لوگوں کو آرام سے ٹھکانے لگا سکیں۔“ جے تنک نے کہا۔

دھرم سنگھ اور ہری لعل پیچھے ہٹ کر سپاہیوں پر ہندو قین تان کر کھڑے ہو گئے تھے۔ تھانے دار جی بدحواس ہو گئے اور انہوں نے اسی بدحواسی میں کمر میں لگا ہوا پستول نکالنے کی کوشش کی، لیکن ویرا سنگھ کے ساتھ سب سے بڑی مشکل یہی تھی کہ وہ کسی کو معاف کرنے کا

عادی نہیں تھا۔ تھانے دار جی کو پتہ نہیں چل سکا کہ کب اس نے پستول نکالی اور کب ان کے سینے میں سوراخ ہو گیا۔ تھانے دار جی کی آواز بھی نہیں نکلی تھی۔ سپاہی بُری طرح خوفزدہ ہو گئے اور ہری لعل نے انہیں حکم دیا۔

”تم سب زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ۔“

جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ سپاہیوں نے اس حکم پر عمل کیا۔

ہری لعل نے ایک سپاہی کو کار سے پکڑ کر کھڑا کیا تو وہ دہشت سے چیخ پڑا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا..... ”نن..... نامانی باپ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میرے، مجھے معاف کر دو۔“

”ہم تمہیں ماریں گے نہیں، کارتوس کدھر رکھے ہوئے ہیں، ابھی تھانے دار جی نے

اعتراف کیا ہے کہ کارتوسوں کا کافی ذخیرہ یہاں موجود ہے۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے۔“ سپاہی نے تھانے دار کے تڑپتے ہوئے بدن کو دیکھ کر کہا اور پھر

اس نے کارتوسوں کے ذخیرہ کا پتہ بتایا۔

کافی کارتوس ہاتھ لگ گئے تھے اور انہوں نے ان کی پیٹیاں اپنے کندھوں پر ڈال لی

تھیں۔ پھر اس کے بعد تمام سپاہیوں کو انٹرنیٹ کے حکم دیا گیا اور انہیں لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد انہوں نے سپاہیوں کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا۔ ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ اب وہ ہر

طرح کے خطرے سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھے، چنانچہ وہ اپنی منزلی کی جانب چل

پڑے۔



وہ سب آرام سے چلتے ہوئے باہر پہنچے تھے۔ یکے والے نے انہیں دیکھ کر راسیں سنبھال لیں اور ان سے بولا۔ ”کیا ہوا بابو جی! اندر سے دھائیں کی آواز آئی تھی، کیا گولی چلی تھی؟“

”ہاں تھانیدار جی اپنی گھوڑی کو بندوق چلانا سکھا رہے تھے۔“ جنے تلک نے کہا اور یکے والے نے مطمئن ہو کر گردن ہلا دی جیسے بات اس کی سمجھ میں آگئی ہو۔ یہ لوگ یکے میں بیٹھے اور یکہ تیزی سے چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ جلیسر میں داخل ہو گئے۔ جلیسر میں داخل ہوتے ہوئے وہ بڑی درگاہ کے سامنے سے گزرے تھے۔ نہ جانے ویرا سنگھ کو کیا ہوا، اس نے تانگے والے کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ”بس یہاں روک دو۔“

تانگے والے نے گھوڑے کی راسیں کھینچیں اور تانگہ رک گیا، تینوں دوستوں نے چونک کر ویرا سنگھ کو دیکھا لیکن وہ خاموشی سے نیچے اتر گیا۔ اسے اترتے دیکھ کر باقی تینوں بھی نیچے اتر آئے۔

ویرا سنگھ نے تانگے والے کو دیکھا اور بولا۔ ”بس ہم یہیں رکیں گے۔“

”میں گھوڑا کھول دوں بابو جی! وہ سامنے جگہ ہے، صبح کو کہیں اور جائیں گے آپ لوگ؟“

”نہیں، بس اب تم اپنے گھر جاؤ۔“

”لو جی میرا گھر یہاں کہاں ہے، مجھے تو سعد آباد ہی جانا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے، جہاں تمہارا دل چاہے جاؤ، یہ لو۔“ یہ کہہ کر ویرا سنگھ نے جیب میں ہاتھ ڈالا

اور مٹھی بھر بڑے نوٹ اس کی طرف بڑھادیئے۔ یکے والا اتنے نوٹ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں بابو جی؟“ اس نے سراپنگی کے عالم میں پوچھا۔
 ”اس میں سے کچھ تو تمہارا بھاڑا ہے اور باقی تم نے ایک بات کہی تھی، تمہیں یاد ہے نا!“ ویراسنگھ نے مسکرا کر کہا۔

”سک..... کون سی بات بابو جی؟“

”تم نے کہا تھا کہ کہیں راستے میں تمہیں گولی نہ ماری جائے کیونکہ اگلے مہینے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔“

”ہاں جی، مولاسم جھوٹ نہیں بولا تھا۔“ یکے والا عاجزی سے بولا۔
 ”بس تو ہماری طرف سے یہ رقم تمہاری شادی کے لیے ہے، رکھ لو اور ٹھانڈے سے شادی کرو۔“ ویراسنگھ نے کہا۔

یکے والا اس انداز میں دیکھنے لگا جیسے یہ سب مذاق ہو۔ اتنی بڑی رقم تو اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی، پھر وہ جھپٹے ہوئے انداز میں بولا۔ ”بابو جی! ایسی باتیں نہ کرو۔“

”نہیں، تم سے مذاق نہیں کیا جا رہا، لو یہ رکھو۔“ اس نے سارے نوٹ یکے والے کے شلو کے کی جیبوں میں ٹھونس دیئے۔

یکے والا کانپنے لگا۔ ”بابو جی!.....!“

”کہنا جاؤ۔ اب چاہے اپنے گھر واپس جاؤ یا یہیں کھوڑا کھول دو، ہماری طرف سے تمہاری چھٹی۔“ یہ کہہ کر ویراسنگھ واپسی کے لیے مڑا۔

اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ یکے والا وہاں رکایا وہاں سے چل پڑا، اس کا رخ درگاہ کے دروازے کی جانب تھا جو کھلا ہوا تھا۔ درگاہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ عرس کے زمانے میں وہاں بنے ہوئے کمروں میں زائرین آکر ٹھہر جاتے تھے، خادم درگاہ کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہوا کرتے تھے۔ ایک شخص ان لوگوں کے قریب پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنی بندوقیں پیٹھ کے پیچھے کر لی تھیں۔

آنے والے نے کہا۔ ”آئیے فاتحہ خوانی کے لیے آئے ہیں تو ادھر سے آجائیے، وضو کیا ہوا ہے آپ نے؟“ وہ انہیں سلمان سمجھا تھا۔

”ہاں، ہم ابھی فاتحہ خوانی نہیں کریں گے بلکہ یہاں رکیں گے۔“

”او ہوا چھا اچھا! حجرے میں آجائیے، خالی پڑے ہوئے ہیں۔“ اس شخص نے کہا اور چاروں خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑے۔

ایک بڑے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ شخص بولا۔ ”اور بھی کمرے خالی پڑے ہوئے ہیں، آپ چاہیں تو الگ الگ کمروں میں بھی رہ سکتے ہیں، ویسے یہ کمرہ کافی بڑا ہے، دیکھ لیجئے، میں دو چار پائیاں اور لا کر ڈالے دیتا ہوں۔“

”تمہارا شکریہ.....!“

اس شخص نے اندر داخل ہو کر روشنی کی۔ مدھم سی پہلی روشنی نے کمرے کو منور کر دیا۔ دو چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں، جن پر دریاں اور چادریں بچھی ہوئی تھیں۔

اس شخص نے ان کے لیے مزید دو چار پائیوں کا انتظام کر دیا۔ سب خاموش تھے۔ پہلے سے اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی کہ وہ جلیسر آنے کے بعد درگاہ میں قیام کریں گے، وہ تو بس اتفاقی طور پر یہاں آ نکلے تھے۔ جنے تلک نے سامان رکھتے ہوئے کہا۔ ”مزار پر یا ترا کرنے جاؤ گے ویرے!“

”ہاں، میں نہانا چاہتا ہوں۔“ ویرا سنگھ نے کہا۔

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہی شخص پانی کے دو مٹکے لیے ہوئے داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی آنخوڑے بھی تھے۔ اس نے مٹکے ایک طرف رکھ کر کہا۔ ”کھانے پینے کی تو کوئی چیز نہیں مل سکے گی۔ یہاں، پانی رکھ دیا ہے اور کوئی چیز چاہئے تو بتا دو؟“

”سنو! میں نہانا چاہتا ہوں۔“

”ہاں آجاؤ، حمام بتا دوں۔“ اس نے کہا اور ویرا سنگھ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوا تو جنے تلک بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ ویرا سنگھ نے ایک نگاہ جنے تلک کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ خاموشی سے خادم کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے انہیں غسل خانے تک پہنچا دیا جو ایک قطارے بنے ہوئے تھے۔ یہاں پانی کا معقول انتظام تھا۔ دونوں نے غسل کیا۔ ویرا سنگھ نہا کر باہر نکلا تو جنے تلک بھی باہر نکل آیا۔

ویرا سنگھ اس شخص کی رہنمائی میں مزار تک پہنچا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے جنے تلک سے کہا۔ ”جنے! میں ساری رات یہاں رکوں گا، تم اگر چاہو تو تھوڑی دیر یہاں بیٹھو اور اس کے بعد جا کر آرام سے سو جاؤ۔“

”جئے تلک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویرا سنگھ مزار سے باہر دوڑا نوہو کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے گردن جھکا لی تھی۔ جئے تلک خاموشی سے اس کے پیچھے اسی کی مانند گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا کیا خیالات آرہے تھے۔ وہ تھکا ہوا تھا، آنکھوں میں نیند بھی آرہی تھی لیکن ویرا سنگھ کے پاس سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا، پھر بیٹھے بیٹھے سو گیا جبکہ ویرا سنگھ مزار کے سامنے آنکھیں بند کئے اسی طرح بیٹھا رہا تھا۔

پھر اس وقت جب صبح کی روشنی نودار ہوئی تو ویرا سنگھ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد اس کی نگاہ جئے تلک پر پڑی۔

”جئے تلک! میری آنکھوں کے سامنے ماتا جی اور میری بہن کے چہرے ہر وقت رہتے ہیں اور جب میں آنکھیں کھول کر تجھے دیکھتا ہوں تو وہ دونوں چہرے مجھے تیری صفوت میں یکجا نظر آتے ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ ماتا جی اور میری جگہ وقتی جیتی ہے، اس سے میرا فرض بن جاتا ہے جئے تلک کہ جو کچھ میں کھو چکا ہوں، اسے دوبارہ نہ کھوسکوں یعنی تُو۔ جے، میرے جیون کا ہر تار تیرے جیون سے بندھا ہوا ہے کیونکہ ماتا جی نے مجھے سب کچھ میں آکر ہمیشہ یہ ہدایت کی ہے کہ ویرے ہماری رکھشا تو تُو نہ کر سکا، پر ہماری ایک نشانی تیرے پاس ہے، اس کا خیال رکھنا۔“ اتنا بول کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے جئے تلک کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

جئے تلک ہڑبڑا کر جاگ گیا۔ اس کا ہاتھ اس طرح پیچھے ہٹا جیسے اپنی بندوق اٹھانا چاہتا ہو پھر اس نے ویرا سنگھ کو دیکھا اور بولا۔ ”اوہ! میں سو گیا تھا شاید!“

”اٹھو۔“ ویرا سنگھ نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کو سنبھالے ہوئے حجرے کی جانب چل پڑا۔



ہردیورائے کو دوسرے دن ہی پتہ چل گیا کہ رنجنا کا ذہنی توازن درست نہیں رہا ہے۔ کوشلیا بھی اس سے ملی۔ رنجنا معصومیت سے ایک ایک کی صورت دیکھتی رہتی تھی۔ جب کوشلیا نے اس سے پوچھا کہ اسے اپنے بھائی کی یاد آتی ہے تو وہ بھولپن سے بولی۔

”ہاں کیوں نہیں، وہ میرے لیے پر بت لینے گیا ہے، میں نے اس سے کہا تھا کہ ایک دن مجھے ایک چھوٹا سا پر بت چاہئے، پتہ نہیں کب آئے گا میرا تن!“

کوشلیا نے ہردیورائے کی طرف دیکھا۔ پھر بولی۔ ”اس کا تو دماغ ٹھیک ٹھیک نہیں ہے، تم

اسے پر بھوکے لیے کیسے مٹاؤ گے؟“

”آجل، باہر چل!“ ہر دیو رائے نے کہا۔ پھر باہر آ کر بولا۔ ”بیوقوف! صدے سے دماغ کی حالت بگڑ گئی ہے، کچھ روز یہ صدمہ رہے گا، اس کے بعد ٹھیک ہو جائے گی، تجھے اس کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔“

”ایک بات کہوں میں تم سے! پر بھوکے من میں بڑا کر دودھ ہے، تمہیں یہ بات پتہ نہیں ہے اس نے آج تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھی جبکہ میں نے اس سے کئی بار کہا کہ جا کر اس سے مل تو لے، کہنے لگا ماتاجی! میں یہ بات کبھی نہیں بھول سکتا کہ ایک بیچ ذات نے اسے چھوا ہے، پتا جی جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ ماننے کی بات ضرور ہے، پر تم ایک بات سن لو، میرے من میں کبھی اس کے لیے جگہ نہیں بن سکتی، میں اسے پاس بھی نہیں آنے دوں گا۔“

”اس سے کہہ دو کوشلیا کہ سارے خیالات اپنے من میں ہی رکھے، مجھے نہیں جانتا وہ، میرا متک اگر پھر گیا تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔“

تابا بانا! تم اپنا متک مت پھیرنا، کرنا کیا چاہتے ہو تم دونوں باپ، بیٹے! ابھی تو اسے چھپانا بڑا ضروری ہے۔ جو خبریں جنے تلک اور دیوانگھ کے بارے میں مل رہی ہیں، انہیں کیوں بھولے ہوئے ہو تم لوگ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے، دھن دولت بھگوان نے ہمیں دی ہے، جیون سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے، پہلے اسے بچاؤ بعد میں دھن اور دولت کے بارے میں سوچنا۔“

”دھت تیرے کی! جیسا بیٹا ویسی ماں..... تم لوگوں کو سمجھانا سنسار کا سب سے مشکل کام ہے۔“ ہر دیو رائے نے کہا اور غصے سے پاؤں پٹختا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

رنجنہ نے اپنے بھائی کی موت کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، اس نے درحقیقت اس سے اس کے حواس چھین لئے تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، اس کی کیفیت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

سیتا ایک ہمدرد عورت تھی، اس کے دل میں رنجنا کے لیے ایک دکھ، ایک ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ رنجنا کا پورا خیال رکھتی تھی۔

پھر ایک دن جب رنجنا غسل کر کے اور ایک سادہ سالباں پہن کر باہر نکلے تو نہ جانے کس طرح سے پر بھورائے ادھر سے گزرا۔ اس کی نگاہ کھلے دروازے پر پڑی، سامنے ہی رنجنا

موجود تھی۔ پر بھورائے کے قدم ٹھٹھک گئے۔ اس نے حیرت سے رنجنا کو دیکھا اور پھر بے اختیار نہ انداز میں اس کے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

حسن و جمال کی اس صورت نے اسے مبہوت کر دیا تھا۔ جس کیفیت میں وہ اندر داخل ہوا تھا۔ وہ رنجنا کے لیے بڑی حیرت میں ڈالنے والی تھی۔ پر بھورائے پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا، پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔ ”تم رنجنا ہو؟“

رنجنا جواب کافی حد تک بہتر ہو گئی تھی، پر بھورائے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”اور تم یقیناً ماما ہر دیورائے کے بیٹے پر بھورائے ہو..... میں نے تمہیں دیکھا ہے۔“

پر بھورائے ایک دم سنبھل گیا۔ اس کا انداز بدل گیا تھا۔ رنجنا کا حسن اس پر بری طرح اثر انداز ہوا تھا۔ کہنے لگا۔ ”کیسے دکھ کی بات ہے، سگی پھوپھی کی بیٹی پوچھ رہی ہے کہ کیا میں اس کے ماما کا بیٹا ہوں، ایسا لگتا ہے رنجنا! جیسے تم ساری باتیں بھول گئی ہو، پتا چلیے تو ہمارا رشتہ مانگا تھا۔“

”ہاں اور میرے بھیا نے تم دونوں کو دھکے دے کر باہر نکال دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ ایک ننھے سے میرا دواہ نہیں کر رہے گے۔“ رنجنا زہریلے لہجے میں بولی۔

اور پر بھورائے کے پورے بدن میں چنگاریاں پھوٹ گئیں۔ رنجنا کے حسن سے متاثر ہو کر آیا تھا، لیکن اس کے پہلے ہی پہلے نے طبیعت صاف کر دی تھی، تاہم خود کو سنبھال کر سخت لہجے میں بولا۔ ”ہاں ایسا ہی ہوا تھا رنجنا اور اس کا نتیجہ تم لوگوں نے دیکھ لیا، رتن چند کی موت، بھگوان کی سوگند سارے سنسار کے لیے ایک مثال ہے کہ اپنی اوقات سے بڑھ کر بولنے والے اسی طرح تیل میں جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔“

”اور اس کے بعد پر بھورائے! تم اپنی اوقات پر اتر آئے، تم نے یہی سوچا تھا کہ ایک لاوارث لڑکی سے جس طرح کی چاہے باتیں کر لو، یہ تمہارا گھر، تمہاری حویلی ہے تو تم کھلے دروازے سے بلا اجازت اندر گھس آئے، ہماری حویلی ہوتی تو، تمہارے دونوں پاؤں ٹخنوں کے پاس سے کاٹ دیئے جاتے۔“

”یہی تو مزے کی بات ہے رنجنا دیوی کہ اب یہ سب کچھ تمہارے بس میں نہیں رہا بلکہ تم میرے بس میں ہو، ہماری حویلی میں ہو اور جب تم ہماری میں داخل ہوئی تھیں تو ہم نے تمہارے پاؤں کاٹے، نہ تمہیں دھکے دیئے اور اب تم ہمارے رحم و کرم پر ہو مگر چتا مت کرو، اتنی سندر ہو تم کہ اس کے بعد تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا جاسکتا، ماما جی اور پتا جی کہہ

رہے تھے کہ اب تم لاوارث رہ گئی ہو، سو میں تمہارے ساتھ پھیرے کروں، میں نے منع کر دیا تھا، پر اب تمہیں دیکھنے کے بعد سوچنا پڑے گا، تمہارا سارا غرور مٹی میں مل جائے گا رنجنا! پر کوئی بات نہیں، میں تمہارے مٹی میں ملے ہوئے شریک کو اٹھا کر اسی طرح سینے سے لگا لوں گا جس طرح جنے تلک نے تمہیں ہاتھی کی پیٹھ سے اٹھا کر لگایا تھا، کیا سمجھیں؟“

رنجنا پتھر پلٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پر بھورائے کچھ لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔
 ”آتا رہوں گا تمہارے پاس، تمہارے ارادے جو بدلے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

مگر رنجنا دیر تک اسے ساکت نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ اس کی عجیب و غریب کیفیت ہو رہی تھی۔ پر بھورائے جو بکواس کر کے گیا تھا، اس کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں پچھل چارہا تھا۔ تم لاوارث رہ گئی ہو، میں تمہارے ساتھ پھیرے کروں گا۔ رنجنا کے کانوں میں یہ الفاظ زہر ٹپکا رہے تھے اور وہ شدید اذیت میں مبتلا تھی۔ اسے بھرپور طریقے سے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی وہ لاوارث رہ گئی ہے تو کیا اس طرح اب اسے ایسے بدنما لوگوں کے ساتھ گزارہ کرنا پڑے گا۔ پر بھورائے کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں سوراخ کر رہا تھا۔ اس نے جنے تلک کا طعنہ بھی دیا تھا۔

اس کے دانت بچھ گئے۔ وہ سرد آواز میں بڑبڑائی۔ ”جنے تلک! تو میری نگاہوں میں مظلوم تھا، میں جانتی ہوں کہ تیرے دل میں اپنی ماں اور بہن کی آگ ہوگی، پر تھوڑا سا تو میرا خیال کر لیتا، تھوڑا سا تو یہ سوچ لیتا کہ میں کیسے جیون بتاؤں گی، لوگ مجھے لوٹ کا مال سمجھ لیں گے، لاوارث کہہ کر میرا مذاق اڑائیں گے، میں عورت ہوں، پر لگتا ہے یہ سنسار مجھے عورت نہیں رہنے دے گا، اب وہی باتیں ہیں، میں آتما ہتھیا کروں یا پھر ہتھیاری بن جاؤں، دیکھوں گی، میں حساب کتاب کروں گی اپنا اور پر بھوجی، بھگوان کی سوگند تم بھی میرے لیے دیرانگھ اور جنے تلک بننے جا رہے ہو، تمہارے زہر میں ڈوبے ہوئے شبدھ میرے شریر پر برچھیاں لگا رہے ہیں، میں بھی ہانڈوں کی بیٹی ہوں، میں دیکھوں گی کہ میں کیا کر سکتی ہوں، اتنی آسانی سے آتما ہتھیا نہیں کروں گی۔ ہاں اپنا جیون کسی لمحے بھی دان کر دوں گی اس بات پر کہ اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لوں۔“ رنجنا کا چہرہ جوش سے تمنانے لگا۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے آپ سیٹ ہو گئی تھی، اب بہتر حالت میں آگئی تھی۔

اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا

چاہئے، حالات کی سنگینی کا اسے بھرپور احساس ہوا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ذرا بھی اپنے آپ کو جھکایا تو مٹی میں مل جائے گی۔ پر بھورائے صورت ہی سے شیطان لگتا تھا، اسے اپنا جیون ساتھی بنانے کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، پر اس وقت حالات بری طرح خلاف تھے، اپنے آپ کو بچانا ایک مشکل کام تھا۔ سب سے بڑی سوچ اس کے من میں یہی تھی۔

اسی دن وہ حویلی کے بیرونی گوشے میں تھی اور درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے پریشان پریشان سی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ جھنڈ اس کی آڑ کئے ہوئے تھے۔ دوسری طرف بہت بڑا لان تھا جس پر ہر دیورائے اپنی دھرم پتی کو شلیا دیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پر بھورائے بھی موجود تھا اور تینوں صلاح مشورے کر رہے تھے کہ ایک ملازم کی آواز ابھری۔

”ہر دیورائے جی! پولیس آئی ہے۔“

”پپ..... پولیس.....؟“ ہر دیورائے نے پہلے تو گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”پھر بولا۔“ چلو بلاؤ، کتنے بندے ہیں؟“

”پانچ ہیں مہاراج! ایک تھانیدار ہے اور باقی سپاہی!“

”ہوں.....! ادھر ہی بلا اور کرسیاں ڈال دو۔“

رجننا سنبھل گئی تھی۔ اس نے سانس روک لیا تھا تاکہ اس کی وہاں موجودگی کا پتہ نہ

چلے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔ ”جے رام جی کی ہر دیورائے مہاراج! میرا نام سنگرام سنگھ ہے، آپ کے علاقے کا نیا تھانیدار ہوں، بیس دن پہلے یہاں تعیناتی ہوئی ہے، سوچا تھا کہ آپ کو آکر پر نام کروں پر ایک مصیبت ہی گلے پڑ گئی اور اسی مصیبت کی وجہ سے آپ کے پاس آنا ضروری ہو گیا۔“

”جی سنگرام سنگھ جی! کہئے ہم سے کیا کام ہے؟“

”مہاراج! آپ کو شانتی مکھ کے بارے میں معلوم ہی چکا ہوگا، ایک ڈاکو نے انتہہ مچا رکھا ہے، بہت سوں کو مار دیا ہے اس نے، اب خاص طور سے وہ ٹھاکر بھرم چند اور رتن چند کے پر یوار کے لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں، ہمیں پتہ چلا مہاراج کہ آپ بھی رتن چند مہاراج کے رشتے داروں میں سے ہیں، ہمارے پاس دلی سے سرکاری نمائندے آئے ہیں اور انہوں نے ہمیں سندیس دیا ہے کہ ہوشیار رہیں سو ہم دو پولیس والے آپ کی حویلی کے

دروازے پر چھوڑ رہے ہیں، اگر آپ سرکار سے زیادہ پولیس کی فرمائش کریں گے تو سرکار وہ بھی پوری کر دے گی، بس ہم اسی لیے آئے تھے کہ آپ کو ہوشیار کر دیں۔“

بظاہر ہر دیورائے نے کسی پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا صرف اتنا کہا۔ ”ٹھیک ہے سنگرام سنگھ جی! آپ کی مہربانی، سرکار سے ہمیں جو کچھ کہنا ہوگا، ہم خود کہہ دیں گے پر ڈاکو دیر اسٹکھ کے مقابلے میں دو پولیس والے کیا کر سکیں گے؟“

”یہاں ہمارے تھانے میں زیادہ نفری نہیں ہے ٹھا کر جی! اسی لیے ہم نے آپ سے کہا کہ دلی درخواست بھیج دیں۔“

”ٹھیک ہے، آپ اگر دو بندے چھوڑنا چاہتے ہیں تو چھوڑ جائیں، آپ کی مہربانی!“ پھر سنگرام سنگھ نے واپسی کی اجازت مانگ لی۔

رجنیا یہ سب کچھ سن رہی تھی اور اس کا دماغ تیزی سے فیصلے کر رہا تھا۔ اس نے فوراً ظاہر ہو جانا مناسب سمجھا اور ہلکی سی آہٹ پیدا کی تو ہر دیورائے نے چونک کر ادھر دیکھا اور کہا۔ ”کون ہے اس طرف.....؟“

رجنیا معصومی صورت بنائے درختوں کے جھنڈ سے اس طرف آگئی۔ وہ اپنے چہرے پر خوف کے آثار پیدا کر کے بولی۔ ”شنا چاہتے ہیں ماما جی! ہم آپ کے پاس آرہے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ کچھ پولیس کے لوگ آپ کے پاس آئے ہیں، ہم نے ان کی باتیں بھی سن لی ہیں، ماما جی! ہمیں تو بڑا ڈر لگ رہا ہے، اب کیا کریں گے آپ! اگر ہماری وجہ سے آپ کسی پریشانی کا شکار ہیں تو بھگوان کے لیے ہمیں یہاں سے بھگا دیں، ہم نہیں چاہتے کہ دیر اسٹکھ آپ کی حویلی کو بھی آگ لگا دے اور ہمارے ماما جی بھی ہم سے چھن جائیں۔“

ہر دیورائے نے رجنیا کو دیکھا۔ دل میں محبت تو نہیں پیدا ہوئی تھی لیکن اس کے الفاظ انہیں اچھے لگے تھے۔ کہنے لگے۔ ”نہیں رجنیا! اب ہم اتنے چوہے بھی نہیں ہیں، آنے دو دیر اسٹکھ کو..... ہم دیکھ لیں گے۔“

”ماما جی! ایک بات کہیں آپ سے؟“

”ہاں بولو، آؤ بیٹھ جاؤ۔“ ہر دیورائے بہت مہربان ہو گیا تھا۔

رجنیا کچھ دیر سر جھکائے بیٹھی رہی، پھر اس نے کہا۔ ”ماما جی! شانتی کھ کی حویلی تو ختم ہو گئی ہے، پتاجی کا تو پہلے ہی دیہانت ہو گیا تھا، ماما جی بھر مر گئیں، بھیا رتن چند جی مر گئے، تقدیر نے

یہاں پہنچا دیا۔ اب یہ گھر ہی میرا سنسار ہے، میں نے ابھی ابھی سنا کہ ڈاکو دیرا سنگھ ہمارے پر یوار کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، ماما جی میں بندوق چلانا سیکھنا چاہتی ہوں، ماما جی! میری یہ خوشی پوری کر دیں۔“

”مگر تم بندوق چلانا کیوں سیکھنا چاہتی ہو رنجنا؟“

”تاکہ میں ضرورت پڑنے پر اپنی اور اپنے ماما جی کے پر یوار کی رکھشا کر سکوں۔“

”ہم مرنے نہیں گئے بیٹا! ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں، تم چٹا کیوں کرتی ہو۔“

”میں جانتی تھی ماما جی! آپ یہی کہیں گے، پر آپ یہ سن لیجئے کہ یہ میری خوشی ہے، اگر

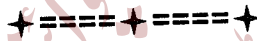
پوری نہیں ہوئی تو میں یہی سمجھوں گی کہ ماما جی کے گھر میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔“

”نہیں..... تمہاری یہ خوشی پوری ہو جائے گی، میرے پاس ہر دیپ چند ہے، انگریزوں

کی فوج میں رہ چکا ہے، ہمارے ہاں محافظ کا کام کرتا ہے، میں اسے حکم دوں گا کہ وہ تمہیں نشانہ بازی سکھا دے اور کچھ.....؟“

”نہیں ماما جی! آپ کی بڑی مہربانی!“ رنجنا نے کہا اور خاموشی سے حویلی کے بڑے

دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔



جلیسر میں تین دن گزارے تھے دیرا سنگھ نے، ان تین دنوں میں وہ عجیب و غریب کیفیت کا شکار نظر آیا تھا۔ جتنے تک، ہری لعل اور دھرم سنگھ، جلیسر کے بازار میں بھی گھومے تھے۔ دھرم سنگھ نے بتایا تھا کہ جلیسر میں بھی کام کے اچھے مواقع ہیں۔ وہ پورا نقشہ بنا کر لایا تھا۔ یہ نقشہ اس نے دیرا سنگھ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ ہاتھ نہیں لگے کا دیرا سنگھ! پر اب یہاں آئے ہیں تو کچھ کر کے ہی جائیں گے۔“

”نہیں دھرم سنگھ! جلیسر میں کوئی ڈاکہ نہیں پڑے گا، بہت بڑی سرکار موجود ہے یہاں

جس سے میں ڈرتا ہوں، بس ذرا پولیس کی کارروائیوں کا جائزہ لے لو اس کے بعد ہم یہاں سے نکلتے ہیں البتہ آگے کے پروگرام طے کر لو۔“

جتنے تک سمجھ گیا کہ درگاہ پر قیام کی وجہ سے دیرا سنگھ کے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ انہوں نے

آج کا دن مزید قیام کیا، پولیس کی کارروائیوں کے بارے میں رپورٹیں حاصل کیں۔ ہر طرف دیرا سنگھ کے نام کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ راجستھان کے علاقے میں ایک اور ڈاکو کے چرچے ہو

رہے تھے، اس کا نام راون پاٹے تھا۔ راون پاٹے کا گروہ اچھا خاصا تھا اور وہ بھی جاگیرداروں کے لیے عذابِ جان بنا ہوا تھا لیکن اس کا طریقہ کار مختلف تھا۔ اسے غریبوں اور لاچاروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جبکہ تھوڑے عرصے میں ویرا سنگھ کے نام کی دھوم مچ گئی تھی اور اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔

پولیس کے افراد ٹولیاں بنا کر اس کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ جہاں اس کی موجودگی کی بھنک ملتی تو اتنی پولیس جمع ہو جاتی جیسے کسی ریاست پر لشکر کشی ہو رہی ہو۔

دو تین مزید مقابلے ہوئے تھے اور بیشتر پولیس کے سپاہی مارے گئے تھے۔ اس کے علاوہ کھوجی، ویرا سنگھ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔ رپورٹیں ملی تھیں کہ بات صرف جنگلوں ہی کی نہیں، وہ بستیاں جہاں کی آبادیاں غریب تھیں اور وہ لوگ جاگیرداروں اور رئیسوں کے ظلم کا شکار تھے، ویرا سنگھ کی دوست بنتی جا رہی تھیں۔

پولیس کو ہر دوسرے آدمی پر شبہ ہوتا تھا کہ وہ ویرا سنگھ کا ساتھی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ غریبوں کا دوست اور دولت مندوں کا دشمن تھا۔ وہ کئی ظالم جاگیرداروں اور نوابوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور اس نے ان سے لوٹی ہوئی دولت غریبوں میں تقسیم کی تھی۔ یہ ساری خبریں پولیس کو مل رہی تھیں اور یہ چیز ویرا سنگھ کی شہرت کا باعث بنتی جا رہی تھی۔

انہوں نے جلیسر چھوڑ دیا اور شہر سے دور نکل آئے۔ ان راستوں کے بارے میں انہیں صحیح طور پر اندازہ نہیں تھا، بس چلے جا رہے تھے اور جب کبھی دور سے کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز سنائی دیتی تو وہ سڑک سے اتر کر کھیتوں یا جنگلوں میں ہو لیتے۔ اس سفر کے دوران انہوں نے پولیس کی بہت سی گاڑیاں آتی جاتی دیکھی تھیں۔ پولیس نہایت تندہی سے ناکہ بندی کر رہی تھی۔ ہر ایسے شخص کی تلاشی لے رہی تھی جس پر انہیں ذرا بھی شبہ ہو جاتا تھا۔

ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد ویرا سنگھ نے طے کیا کہ ابھی کسی شہر کا رخ کرنے کے بجائے گھنے جنگلوں میں وقت گزارا جائے۔ گھنے جنگلوں کی تلاش ان علاقوں میں مشکل نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے سڑک چھوڑ دی اور کھیتوں میں چلتے ہوئے آخر کار ایک جنگل میں داخل ہو گئے۔ کہیں کہیں ماضی کے کھنڈرات بھی نظر آتے تھے جو انگریز کے زمانے کے ڈاک جنگلوں وغیرہ کی شکل میں تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی قیام کے لیے مناسب نظر نہیں آیا۔

وہ آگے اور آگے بڑھتے چلے گئے اور آخر کار ایک گھٹے جنگل میں پہنچ گئے۔ پولیس ان دنوں سخت پریشان تھی۔ راون پاٹے نے راجستھان کے مختلف علاقوں میں الگ تباہی چارکھی تھی، ویرا کو گرفتار کرنے کے تمام تر طریقے آزما لیے گئے تھے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر کار یہ طے کیا گیا کہ اطراف کے قبائل کی خدمات بھی حاصل کی جائیں اور انہیں خوب دولت دے کر ویرا سنگھ کے مقابلے پر لایا جائے کیونکہ ویرا سنگھ کی پناہ گاہ جنگل ہی ہو سکتے تھے۔

یہ قبائل عام طور سے خانہ بدوش تھے اور اس سلسلے میں جو کارروائیاں ہوئیں۔ اس کے نتیجے میں مجبوت سے لوگوں کو سرکاری طور پر حاصل کر لیا گیا۔ ان میں خاص طور سے وہ ہابوڑے جو ایک انتہائی خطرناک قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، حاصل کئے گئے۔

یہ ہابوڑے اکثر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ عام طور پر گروہوں کی شکل میں چلتے تھے۔ دن میں یہ لوگ شہروں میں جا کر مٹی کے کھلونے بیچتے لیکن ان کا کام رات کو چوری چکاری تھا۔ تیز کھاڑے ان کے پاس ہوتے اور ایک خاص وصف انہیں حاصل تھا۔ وہ چاقو بازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور اکثر ایسی ہتھیار بھی استعمال کرتے تھے۔

نئے منصوبے کے تحت یوپی کی انتظامیہ نے ان لوگوں کو جدید ہتھیار دے دیئے تھے اور بڑے بڑے انعامات کا لالچ بھی دیا تھا۔ انہیں ویرا سنگھ کا حلیہ بھی بتا دیا گیا تھا اور حکم دیا گیا کہ جنگلوں میں پھیل جائیں اور ویرا سنگھ کو تلاش کریں، چنانچہ ہابوڑوں کے گروہ اطراف کے جنگلوں میں پھیل گئے اور انہوں نے جگہ جگہ ڈیرے ڈال دیئے۔

ویرا سنگھ اور اس کے ساتھی جس جنگل میں داخل ہوئے تھے، اتفاق سے اس میں بھی ہابوڑوں کا ایک گروہ ایک ٹیلے کے قریب ہی فروکش تھا۔ ویرا سنگھ اور اس کے ساتھی ان ہابوڑوں کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انہوں نے قیام کے لیے ہابوڑوں سے قریب ہی ایک جگہ منتخب کر لی۔ رات کے کھانے کے لیے پھلوں اور دوسری چیزوں کا انتظام تھا، انہوں نے پیٹ بھرے اور بندوقیں گود میں رکھ کر لیٹ گئے۔

دھرم سنگھ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور اسے ہونٹوں سے لگا کر گہرے گہرے کش لینے لگا، تبھی ویرا سنگھ نے کہا۔ ”مجھے بھی دو۔“

حالانکہ ویرا سنگھ سگریٹ نہیں پیتا تھا، لیکن اس وقت نہ جانے کس موڈ میں تھا کہ اس نے سگریٹ طلب کر لی اور دھرم سنگھ نے جلدی سے سگریٹ سلگا کر دے دی۔ وہ سب باتوں میں

مشغول ہو گئے۔

ابھی یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ ہری لعل نے لپک کر ویرا سنگھ کے منہ سے سگریٹ نکال لی اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ”سگریٹ بچھا دو ویرے!“ اس کے لہجے میں کوئی بات تھی کہ ویرا سنگھ نے جلدی سے سگریٹ زمین سے رگڑ دی۔

”کیا بات ہے؟“ وہ بندوق اٹھا کر بولا۔

◆=====◆=====◆

”وہ دیکھ ادھر آگ جل رہی ہے۔“ ہری لعل نے ایک سمت اشارہ کیا۔

یہ جگہ ویرا سنگھ کے پیچھے تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے الاؤ جلتا ہوا نظر آیا اور وہ سب چوکنے ہو گئے۔

”ممکن ہے پولیس ہو۔“ ہری لعل نے کہا۔

”ہاں، ہو سکتا ہے کوئی دستہ ہماری تلاش میں ادھر نکل آیا ہو۔“

تھوڑی دیر تک وہ مشورہ کرتے رہے پھر ویرا سنگھ نے کہا۔ ”آؤ، انہیں قریب سے دیکھیں اور اگر پولیس ہے تو اس سے دودو ہاتھ کر لیں، کار توں وغیرہ ہاتھ آجائیں گے، ہمیں ضرورت ہے۔“

”تم لوگ یہاں رکو، میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آتا ہوں۔“ جے تلک نے کہا اور بندوق لے کر کھڑا ہو گیا۔

ویرا سنگھ نے مداخلت نہیں کی تھی۔

جے تلک دبے پاؤں درختوں کی آڑ لیتا ہوا الاؤ کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں اس نے خانہ بدوش ہابوڑوں کے خیمے دیکھے۔ وہ ان کا جائزہ لیتا رہا۔ ہابوڑوں کی تعداد ستر، اسی سے کم نہیں تھی۔ یہاں اسے چند ایسی چیزیں نظر آئیں جنہوں نے جے تلک کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ کافی دیر تک وہ یہاں رکا اور پھر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔

وہ سب بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ویرا سنگھ نے فوراً ہی پوچھا۔ ”پولیس جی ہے نا.....؟“

”نہیں، خانہ بدوش ہابوڑے ہیں۔“

”دھت تیرے کی، لا دھرم سنگھ سگریٹ دے یار! سگریٹ کا مزہ بھی خراب ہو

گیا۔“ ویرا سنگھ نے کہا۔ جے تلک نے ویرا سنگھ کو روک دیا۔ ”نہیں ویرے! یہاں ان کی موجودگی مشکوک ہے۔“

”کیا مطلب، میں سمجھا نہیں؟“ ویرا سنگھ نے حیرت سے کہا۔

”عموماً خانہ بدوش آبادیوں کے قریب ڈیرے ڈالتے ہیں اور وہیں سے مانگتے کھاتے ہیں یا چوری چکاری کرتے ہیں، جنگلوں میں ان کے ڈیرے ڈالنے کا کیا جواز ہے؟“

”ممکن ہے یہاں سے گزرتے ہوئے رات ہو گئی ہو۔“ ویرا سنگھ نے کہا۔

”دوسری بات یہ کہ ان لوگوں کے ساتھ عورتیں اور بچے نہیں ہیں جبکہ ان کے کنبے ہمیشہ کے ان کے ساتھ ہوتے ہیں، یہ لوگ اکیلے کبھی نہیں ہوتے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟“ جے تلک نے سوال کیا۔

”تمہارا کیا خیال ہے جے.....؟“ اب ویرا سنگھ بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”کوئی ٹھوس بات نہیں کہہ سکتا۔“

”پھر کیا کیا جائے؟“

”کچھ نہیں، صبح دیکھیں گے انہیں، بس رات کو ذرا احتیاط رکھنی پڑے گی۔“ جے تلک

نے کہا اور ویرا سنگھ نے اس کی تجویز مان لی۔

صبح کو یہ لوگ جلدی جاگ گئے۔ دن کی روشنی میں ہالوئوں کا ڈیرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فاصلہ بے شک زیادہ نہیں تھا، وہ ان کی نقل و حرکت صاف دیکھ سکتے تھے۔

جے تلک نے ایک بار پھر ویرا سنگھ کا شانہ دبایا۔ ”کچھ دیکھا.....؟“

”ہاں، ان کے ساتھ عورتیں اور بچے نہیں ہیں۔“

”کچھ اور دیکھو ویرے.....!“

”کیا.....؟“

”ان میں سے بیشتر کے شانوں سے بندوقیں لٹک رہی ہیں، یہ بندوقیں نئی اور زیادہ بور کی ہیں۔“

ویرا سنگھ غور سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، تیری یہ بات بھی ٹھیک ہے، تیری آنکھیں اور دماغ بہت تیز ہیں جے تلک!“ ویرا سنگھ نے تعریفی انداز میں کہا۔

”لیکن یہ بندوقیں ان کے پاس کہاں سے آئیں؟“

”ان سے معلوم کرتے ہیں، وہ دیکھو اس طرف وہ جو ٹولی ادھر جا رہی ہے، اس کا پیچھا کرتے ہیں۔“ جنے تلک نے کہا۔

کئی ہاؤزے بائیں سمت جا رہے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ چالاکی سے ان کے پیچھے چل پڑے اور ان کے ڈیرے سے کافی دور پہنچ کر اچانک ان کے سامنے آ گئے۔ ہاؤزے ان کو دیکھ کر رک گئے تھے۔

ویرا سنگھ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کون ہو تم اور یہ بندوقیں لیے کیوں پھر رہے ہو؟“ اس کی گرجدار آواز نے ہاؤزوں کو سہا دیا تھا۔

”خانہ بدوش ہیں مائی باپ اور.....!“

”بندوقیں کہاں سے آئیں تمہارے پاس؟“ ویرا سنگھ نے پوچھا۔

جنے تلک نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”یہ کو تو ال صاحب ہیں اور ڈاکو ویرا سنگھ کی تلاش میں

نکلے ہیں، جو کچھ پوچھ رہے ہیں، اس کا صحیح جواب دو۔“

”کوئی ضرورت نہیں، انہیں گرفتار کر لو اور پولیس اسٹیشن لے چلو، الٹا لٹکا کر مار لگائیں گے تو سب کچھ اگل دیں گے یہ!“ ویرا لا پرواہی سے بولا۔

ہاؤزے بزدل نہیں تھے، لیکن پولیس افسر کا نام سن کر ڈر گئے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

”نہیں سرکار! ہم بھی سرکار کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ بندوقیں بھی سرکار نے ہمیں دی

ہیں، ہم بھی ویرا سنگھ کو مارنے کے لیے جنگلوں میں نکلے ہیں، بہت بڑا انعام ملے گا ہمیں!“

”ویرا سنگھ کو مارنے نکلے ہو اور یہاں آرام کر رہے ہو کیوں.....؟“ ویرا سنگھ نے

پوچھا۔

”آرام نہیں کر رہے سرکار! ہم نے سنا ہے کہ ویرا سنگھ اسی جنگل میں چھپا ہوا ہے، ہم تو

آپ کے جاسوس ہیں سرکار! آپ چھتا نہ کریں اور ہم اسے مار کر ہی دم لیں گے۔“

”تم جھوٹ بول رہے ہو اور بکواس کر رہے ہو، ان بندوقوں کے ذریعے لوٹ مار کرو

گے، تم اپنے ساتھیوں سے کہو کہ ہتھیار جمع کر ادیں، چلو ان کی بندوقیں چھین لو۔“ ویرا سنگھ کی

آواز ہی ان لوگوں کے لیے خوف زدہ کر دینے والی تھی اور پھر یہ لوگ چونکہ پولیس کی وردی میں

تھے اور پولیس کے بیج لگائے ہوئے تھے، چنانچہ ہاؤزوں کو یقین ہو گیا کہ یہ پولیس ہی کے افراد

ہیں۔ انہوں نے جلدی سے اپنی بندوقیں اتار کر نیچے پھینک دیں۔

سارے ہابوڑوں کو یہیں بٹھالیا گیا اور ایک کو باقی لوگوں کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ اس دوران ویرانگہ اور اس کے ساتھیوں نے کسی خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے پوزیشن سنبھالی لی تھی۔

ہابوڑوں کا پورا گردہ اس طرف چل پڑا۔ ان کا سردار سب سے آگے تھا۔ پولیس افسر کا سن کر وہ سب چل پڑے تھے لیکن جونہی سرداران لوگوں کے قریب آیا، اس نے ویرانگہ کو پہچان لیا اور دوسرے لمحے وہ پلٹ کر بھاگا اور چیخا۔ ”ارے یہ تو ڈاکو ویرانگہ ہے، پولیس افسر نہیں۔“

سردار شاید کوئی بہتر پوزیشن سنبھالنے کے لیے بھاگا تھا لیکن اس کے گردہ کے لوگ کچھ اور ہی سمجھے۔ انہوں نے سوچا کہ جب ان کا سردار ہی جی چھوڑ گیا ہے تو پھر وہ اکیلے کیسے لڑیں گے۔ یہ سوچتے ہی وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

ممکن ہے آگے جا کر یہ لوگ سنبھل جائیں اور پھر پلٹ پڑیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ مسلح ہابوڑے ان کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوں گے۔ اس خیال کے تحت ویرانگہ نے بندوق سیدھی کر کے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔

اس کے ساتھ ہی باقی تینوں بندوقیں بھی گولیاں اگلنے لگیں۔ ہابوڑوں میں بہت کم ایسے تھے جو جان بچا کر بھاگ سکے۔ ویرانگہ کے ساتھیوں نے پینتالیس لاشیں تلاش کی تھیں۔ انہوں نے ہابوڑوں کے ہتھیار جمع کر کے ان کی گٹھری بنالی، بے شمار کارتوس بھی ہاتھ آئے اس کے علاوہ ان کے ڈیرے سے خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ ملا جسے انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔

بندوقوں کی وزنی گٹھری کو لے کر وہ وہاں سے چل پڑے اور کوئی ایک فرلانگ چل کر چاروں نے یہ ذخیرہ زمین میں دفن کر دیا اور وہاں ایسی نشانیاں بنادیں کہ اگر کبھی اس ذخیرہ کی ضرورت پیش آئے تو اسے حاصل کرنے میں دقت نہ ہو۔

اس مہم سے فارغ ہو کر انہوں نے یہ علاقہ چھوڑ دیا اور برق رفتاری سے جنگلوں میں آگے بڑھنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ جان بچا کر بھاگنے والے ہابوڑے پولیس کو ضرور خبر کر دیں گے اور پولیس بہت تیز رفتاری سے یہاں پہنچ جائے گی لہذا انہوں نے بھی اپنی رفتار تیز رکھی۔

دوسری طرف پولیس کی جان پر بن آئی تھی۔ ہابوڑوں کے قتل عام کی داستانیں بھی اخبارات کی زینت بن گئی تھیں اور یوپی پولیس کے خلاف سخت اشتعال پھیل گیا تھا۔ کچھ سیاسی

تبدیلیاں بھی رونما ہونے لگی تھیں۔ سرکاری نیٹاؤں نے ایک نیا پانسہ پھینکا تھا۔ انہوں نے یہ بیانات دیئے تھے کہ آخر کار دیر اسٹگھ پولیس کی گرفت میں کیوں نہیں آتا؟ صرف اس لیے کہ پولیس اسے گرفتار کرنے میں دیر انداز نہیں ہے۔

ان بیانات کے بعد عوام میں مزید بے چینی پھیل گئی اور خواص کے پیروں تلے سے زمین کھسکا شروع ہو گئی، خاص طور سے ٹھاکر سبھت پریشان تھے۔

ادھر دیر اسٹگھ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی وارداتوں میں تیزی کر دی تھی۔ پولیس کو ایک جگہ سے اطلاع ملتی کہ فلاں جگہ دیر اسٹگھ نے ڈاکا ڈالا ہے، پولیس تیز رفتاری سے اس مقام کی ناکہ بندی کرتی تو انہیں اطلاع ملتی کہ اس جگہ سے دس کوس آگے ایک اور ڈاکا پڑا ہے۔ پولیس گھن چکر بنی ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑتی پھر رہی تھی لیکن وہ دیر اسٹگھ کے پاؤں کی خاک تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ حکومت سخت پریشان ہو گئی تھی۔ دیر اسٹگھ نے تمام پولیس افسروں کو بے دست و پا کر دیا تھا۔

حکومت یوپی نے آخر پریشان ہو کر ممبئی گورنمنٹ سے اس سلسلے میں امداد طلب کی اور ممبئی گورنمنٹ نے ایسے افسر کو تلاش کیا جو ان دنوں بڑی شہرت حاصل کرتا جا رہا تھا۔ اس کا نام راجیش گورا تھا۔ وہ جس حلقے میں جاتا، ڈاکو، چور، لٹیرے، رہزن وہ حلقہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلتے جاتے اور جرائم کی تعداد برائے نام رہ جاتی۔ راجیش گورا ایک قد آور اور کسرتی بدن کا پولیس آفیسر تھا۔ اپنی مستعدی، حاضر دماغی اور صحیح منصوبہ بندی کی وجہ سے اپنی ملازمت کے دوران پورے صوبے میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ اسے طلب کر لیا گیا اور افسران نے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ اسے دیر اسٹگھ کی گرفتاری کی ذمہ داری سونپی گئی اور راجیش گورانے دیر اسٹگھ کی تمام فائلیں طلب کر لیں اور ان کا گہری نگاہوں سے مطالعہ کیا اور اس کے بعد چند روز کی مہلت مانگ لی جو اس نے اپنی منصوبہ بندی کے لیے طلب کی تھی۔

ادھر ہر دیورائے نے آگے کے کام شروع کر دیئے تھے۔ لالچ بہت بُری بلا ہوتی ہے۔ ایک بیٹے کے سوا سنسار میں اور کوئی نہیں تھا اس کا، اتنی زمینیں اور اتنی دولت تھی کہ بیٹا آرام سے زندگی گزار سکتا تھا لیکن پہلے بھی اس کے دل میں ٹھاکر بھرم چند ہاڑا کی زمینوں کا لالچ تھا جس کی شان ہی کچھ اور تھی اور اب بھرم چند اور رتن چند کی موت کے بعد تو اس کی رال بُری طرح ٹپکنے لگی تھی اور تقدیر نے اسے ایک اچھا موقع اس شکل میں فراہم کر دیا تھا کہ رنجنا اس کے

قبضے میں آچکی تھی۔

رنجنا، بھائی کی موت کے بعد تھوڑے سے عدم ذہنی توازن کا شکار ہو گئی تھی، لیکن اب ہر دیورائے یہ محسوس کر رہا تھا کہ رنجنا کافی بہتر حالت میں آچکی ہے اور وہ اس سے کچھ متاثر بھی ہو گئی ہے اور ”ماماجی، ماما جی“ کہہ کر اکثر اس کے پاس آ جاتی ہے۔ اس نے اپنے محافظ خاص کو ہدایت دے دی تھی کہ وہ رنجنا کی خواہش پوری کر دے۔ رنجنا تو خیر ڈاکو ویرا سنگھ سے کیا مقابلہ کرتی لیکن ہر دیورائے چاہتا تھا کہ وہ پوری طرح اس کی مٹھی میں آ جائے، چنانچہ ہر دیپ چند نے اسے نشانہ بازی کی مشق شروع کرادی تھی اور تھوڑی ہی دنوں میں حیران رہ گیا تھا کیونکہ رنجنا بہترین نشانہ باز بن گئی تھی۔

پر مجھو دیورائے بھی رنجنا کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اسے اپنی بے عزتی کا بھرپور احساس تھا اور وہ رنجنا کو ہر قیمت پر حاصل کر کے اس کی بے عزتی کرنا چاہتا تھا۔ اس کے انداز میں اب بھی سرکشی ہی ہوتی تھی اور وہ محسوس کرتا تھا کہ رنجنا اس سے بے پناہ نفرت کرتی ہے، وہ رنجنا کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔

ہر دیورائے نے ایک بار پھر ان زمینوں کا دورہ کیا جو بھرم چند کی ملکیت تھیں اور اس نے بھرم چند کے برادر نسبتی کی حیثیت سے ان زمینوں پر کام کرنے والے کسانوں، مزدوروں اور ذمہ داروں کو ہدایات دی تھیں کہ زمینوں کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہ آئے کیونکہ اب یہ زمینیں انہیں منتقل ہونے والی ہیں۔ اسے صرف رام سری کا خطرہ تھا، جس کے بارے میں اسے معلوم ہوا تھا کہ رام سری کے آدمی بھی ان زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے آئے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ ہدایات کر کے گئے ہیں۔ ہر دیورائے بے چین ہو گیا تھا اور کوئی ایسا عمل کرنا چاہتا تھا جس سے زمینوں کی ملکیت میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، چنانچہ کچھ دن کے بعد وہ دہلی جا کر وکیل ہر بھجن سنگھ سے ملا۔ وکیل ہر بھجن سنگھ اس کے مفادات کی دیکھ بھال کرتا تھا، لیکن اس کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، جس کے بارے میں ہر دیورائے کو بالکل معلوم نہیں تھا۔ ہر دیورائے، ہر بھجن سنگھ کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اس کا بہترین سواگت کیا۔

”کوئی کام تھا مہاراج تو خادم کو طلب کر لیا ہوتا، آپ نے دلی تک آنے کی زحمت کیوں گوارا کی؟“

”بات اتنی ہی اہم ہے ہر بھجن کہ مجھے خفیہ طور پر تمہارے پاس آنا پڑا۔“

”حکم دیں مہاراج! ہر بھجن ہر خدمت کے لیے حاضر ہے۔“

”دیکھو ہر بھجن! انسان کے اندر کچھ کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں، میرے اندر بھی ہیں اور تمہارے اندر بھی یقیناً ہوں گی، میں ایک بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں، بہت غور کیا ہے ہر بھجن! بہت سوں کے بارے میں سوچا ہے، لے دے کر سوئی تم پر آ کر رکتی ہے، تم سے اچھا راز دار، تم سے زیادہ وفادار اور کوئی نہیں نظر آیا ہے۔“

”کرپا ہے مہاراج کی..... مسئلہ کیا ہے؟“ وکیل ہر بھجن نے رازداری سے پوچھا۔

اور ہر دیورائے مناسب الفاظ تلاش کرنے لگا پھر بولا۔ ”بھرم چند میرا بہنوئی، رتن چند میرا بھانجا تھا، تم جانتے ہو۔“

”اوش..... کیوں نہیں!“

”سارا پر یوار ختم ہو چکا ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ بھرم چند کی بیٹی رنجنا زندہ بچ گئی ہے اور میرے پاس ہے۔“ ہر دیورائے نے کہا اور وکیل صاحب کے اعصاب تن گئے۔ ”اسے بھی چھوڑو، میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ بھرم چند کی لمبی چوڑی زمینیں لاوارث پڑی ہیں اور ان کی وراثت صرف اور صرف میرے بیٹے پر بھورائے کو منتقل ہونی چاہئے، وہی ان کا جائز حقدار ہے۔“

”آپ نے پر بھورائے کا رشتہ بھی تو دیا تھا رتن چند کو؟“

”میرے زعموں کو نہ گریو و ہر بھجن سنگھ! اس سے جو کچھ ہوا تھا، تمہیں بھی معلوم ہے۔“

”جی جی..... معلوم ہے۔“

”یہ زمینیں اب میرے قبضے میں آنی چاہئیں اور یہ کام تم کرو گے۔“

”میں.....؟“

”ہاں، منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔“

”جی.....! پر آپ نے کہا ہے کہ رنجنا آپ کے پاس ہے۔“

”یہ بھی تو کہا ہے میں نے کہ وہ بعد کی بات ہے، ممکن ہے ویرا سنگھ، رنجنا کو بھی ختم کرنا چاہتا ہو، اسے ابھی پیچھے ہی رکھنا ٹھیک ہوگا، میرے راستے کی ایک بڑی رکاوٹ رام سری ہے۔“

”آپ کی بہن رام سری.....!“

”اسی کی بات کر رہا ہوں وکیل صاحب! تم کام شروع کر دو، میں رام سری کو دیکھتا

ہوں۔“

”مگر ہر دیو جی! قانونی پر تو رام سری دیوی بھی ان زمینوں کی حصے دار ہیں!“

”ہیں..... مگر رہیں گی نہیں!“

”وہ کیسے مہاراج.....؟“

”سمجھتے ہی نہیں ہو ہر بھجن سنگھ! جب وہ سنسار میں ہی نہیں ہوں گی تو پھر کیسا حصہ، کہاں کا

حصہ!“

”اوہ.....!“ وکیل صاحب نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”ڈاکو دیر سنگھ، رتن چند کے پر یوار کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، اسے رام سری دیوی کا پتہ

چلا، حویلی پر ڈاکا پڑا اور دیر سنگھ نے رام سری کو ختم کر دیا۔“

”اوہ.....! لیکن.....؟“

”بتا رہا ہوں، یہ کام دیر سنگھ نہیں میرے آدمی کریں گے اور نام دیر سنگھ کا ہوگا، تمہیں

جو کام میں نے سونپا ہے، تم ہوشیاری سے اسے شروع کر دو باقی میں سنبھال لوں گا، اسی لیے

تمہارے پاس آیا ہوں مگر اس امید کے ساتھ کہ راز کو راز رکھو گے ورنہ جانتے ہو کہ تمہا کروں

کے ہاتھ کتنے لمبے ہو ہوتے ہیں۔“

”بھول کر بھی نہ سوچیں مہاراج کہ ہم کبھی آپ کا برا سوچیں گے۔“ ہر بھجن نے کہا۔

”ہر دیو راتے بہت دیر تک ہر بھجن سنگھ کو اپنا پروگرام بتاتا رہا۔ پھر اسے ایک بڑی رقم

دے کر اٹھ گیا۔ ہر بھجن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے فون اٹھایا اور کسی

کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

جب دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا تو اس نے کہا۔ ”جے رام جی کی، رام سری

دیوی! آپ کا داس ہر بھجن بول رہا ہے۔“

◆=====◆=====◆

ہر بھجن سنگھ کے ہونٹوں پر ایک مکار مسکراہٹ تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

”کون ہر بھجن سنگھ، میں پہچانی نہیں؟“

”ایک ہی تو سیوک ہے آپ کا دیوی جی، اگر اسے بھی پہچاننے سے انکار کریں گی تو دل ٹوٹ جائے گا۔“

”اوہ اچھا وکیل صاحب، کہئے کیسے ہیں آپ؟“

”بالکل ٹھیک ہیں، آپ کے راج میں جی رہے ہیں، آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں، کوئی خاص بات ہے، کیسے فون کیا؟“

”اتنی خاص بات ہے دیوی جی کہ اصولی طور پر مجھے آپ کے پاس پہنچ جانا چاہئے تھا، لیکن پتہ نہیں آپ مصروف ہیں یا نہیں۔“

”میں کل دلی آ رہی ہوں، اگر آنے سامنے بیٹھ کر بات کرنی ہے تو پھر کل پر رکھتے ہیں۔“

”یہ تو بہت اچھا رہے گا، فون پر بات ویسے بھی ذرا مشکوک ہو جاتی ہے اور پھر اتنی ہی اہم بات ہے کہ راز میں رہنا ضروری ہے۔“

”کچھ اتنا پتہ تو دے دو، ورنہ ابھی رہوں گی۔“

”زیادہ اچھا لگے گا دیوی جی آپ سامنے ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے یوں تو مجھے کل آنا لیکن میں آج ہی آ رہی ہوں، شام کو میرے ساتھ کھانا کھا لو، میں تمہیں فون کر دوں گی۔“ رام سری دیوی نے کہا۔

اسی رات ہر بھجن اور رام سری آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر بھجن نے کہا۔ ”دیوی جی

بات اتنی سی ہے کہ اس سنسار میں سب اپنے ہی بارے میں سوچتے ہیں، کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں سوچتا، حالانکہ ہر دیورائے جی آپ کے بھائی ہیں، پر رام رام پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے منش کو۔ ہمیشہ ہی خود غرضی سے سوچتا ہے۔“

”بات بتائیے ہر بھجن سنگھ جی ہوا گیا ہے، یہ بات تو مجھے معلوم ہے کہ آپ ہر دیورائے کے قانونی مشیر ہیں اور ان کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔“

”پر اس کو کیا کیا جائے دیوی جی کہ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لیے اپنے سارے مفادات، اس کی سیمینٹ چڑھائے جاسکتے ہیں، جیسے میں آپ کی سیوا کر کے من سے خوشی محسوس کرتا ہوں۔“

”ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کے اس تجسس اور انتشار کی وجہ کیا ہے؟“

”ہر دیورائے آئے تھے میرے پاس اور جس مقصد سے آئے تھے وہ بڑا ہی سنسنی خیز

ہے۔ پہلی بات تو آپ کو یہ بتاؤں کہ ٹھاکر مہرم چند کی بیٹی رنجنا جو آپ کی بھانجی ہے جیتی بچ گئی

ہے، اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ کو شانتی کھ میں ہونے والے خونی ڈرامے کا کچھ پتہ نہ ہو۔“

”ہاں یہ تو خیر نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے ہماری رشتے داری بھی ہے اور وہ بھی قریبی۔ اب

یہ الگ بات ہے کہ جس کے پاس جتنی دولت بڑھ جاتی ہے وہ اپنے ہاتھ میں ترازو لے لیتا ہے

اور تول تول کر رشتوں کا تعین کرتا ہے۔“

”ہاں دیوی جی آپ ٹھیک کہتی ہیں ایسی ہی بات ہے۔“ ہر بھجن سنگھ نے منہ بنا کر کہا۔

”ویسے ہر بھجن سنگھ جی ایک بات آپ سے کہوں، آپ بات کو لمبا کر کے بولتے ہیں۔

اس طرح سامنے والے کو کوفت ہونے لگتی ہے، آپ نے جس مقصد کے لیے مجھے اتنی دور سے

بلایا ہے آپ جلدی سے اس کے بارے میں بتائیے۔“

”جی میں نے آپ کو بتایا کہ رنجنا جیتی ہے اور یہ بھی آپ جانتی ہیں کہ ڈاکو دیرا سنگھ رتن

چند کے پر یوار کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، اسے اگر یہ پتہ چل جائے کہ رنجنا زندہ ہے تو آپ یوں

سمجھ لیجئے کہ آپ لوگوں کی شامت آجائے گی۔“

رام سری نے گردن ہلائی اور پتہ نظر انداز میں ہر بھجن سنگھ کا چہرہ دیکھنے لگی پھر بولی۔ ”یہ

بات تو ہے لیکن آپ کو اس بارے میں کیسے معلوم ہوا؟“

”میں نے تذکرہ کیا ہے تاکہ ہر دیورائے میرے پاس آئے تھے، آپ کو پتہ ہے کہ

مہاراج بھرم چند کی چھوڑی ہوئی زمینوں کی لمبائی چوڑائی بہت زیادہ ہے اور اب ان زمینوں کا کوئی وارث نہیں رہا، اگر ان کے رشتے داروں کی باقی کرتی ہیں تو دو ہی ہیں، ایک آپ اور ایک ہر دیورائے۔ وہ بے شک آپ کے بھائی ہیں پر وہ یہ نہیں چاہتے کہ یہ زمینیں آپ کے قبضے میں آئیں۔“

”میں جانتی ہوں۔“ رام سری کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
ہر بجن سنگھ اس کا چہرہ غور سے دیکھا رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ ”وہ اسی لیے میرے پاس آئے تھے کہ ان زمینوں کے سلسلے میں کاغذات تیار کرواؤں اور وہ زمینیں ان کے وراثت میں دے دوں، آپ کو وہ اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔“
”قانونی طور پر تو یہ ممکن نہیں ہے۔ ظاہر ہے میں بھی ان زمینوں کی برابر کی حصے دار ہوں۔“

”ہر دیوی جی کون چاہتا ہے کہ سونے کی کان اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ آپ بے شک اس کی حصے دار ہیں بلکہ آپ ہی ہیں جو اس میں حصے داری کر سکتی ہیں، چنانچہ ہر دیورائے جی آپ کا جیون نہیں چاہتے۔“
”کیا؟“ رام سری اچھل پڑی۔

”ہاں..... انہوں نے مجھ سے جو بات کہی ہے وہ اسی طرح کی ہے، آپ جانتی ہیں کہ میں ان سے زیادہ آپ کا سیوک ہوں اور آپ کے لیے سب کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“
”ہاں میں جانتی ہوں مگر ہر بجن سنگھ جی آپ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟“
”پہلے میری پوری بات تو سن لیجئے، ہر دیورائے آپ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اگر آپ زندہ رہیں گی تو زمینوں کی حصہ دار ضرور بن جائیں گے، وہ آپ سے چھٹکارا حاص کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیسے؟“ رام سری دیوی کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آئے تھے۔
”بڑی سنگین بات سوچی ہے انہوں نے۔ آپ یہ جانتی ہیں کہ ڈاکو دیرا سنگھ رتن چند کے پر یوار کی تلاش میں ہے اور آپ رتن چند کی رشتے دار ہیں، چنانچہ دیرا سنگھ آپ کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ دیرا سنگھ آپ تک پہنچے نہ پہنچے لیکن ہر دیورائے کے آدمی دیرا سنگھ کی صورت میں آپ کے پاس ضرور پہنچیں گے، آپ کی حویلی پر ڈاکہ پڑے گا اور آپ کو ختم کر دیا جائے

گا۔ دنیا میں یہی خبر پھیلے گی کہ ڈاکو ریاستگھ نے آخر کار رتن چند کی خالہ کو بھی ختم کر دیا، لیکن اصل میں آپ کا قاتل ہر دیورائے آپ کا بھائی ہوگا۔“

”اوہ، اوہ.....“ رام سری کے حلق سے بوجھل آوازیں نکلیں، پھر اس نے کہا۔ ”ہر بھجن سنگھ جی، اس اطلاع کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں میں، لیکن اب یہ سوال میں آپ سے کر سکتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”میں نے آپ سے عرض کیا نا دیوی جی کہ سنار میں کون ہے جس کے من میں کوئی لالچ نہیں ہے، میرا خیال ہے ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں ایسی کسی نیکی کا تصور بھی مٹ چاہے جو انسان بے غرض ہو کرے، یقیناً اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی لالچ چھپا ہوا ہوتا ہے۔“

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”صرف اتنا کہ پہلے تو میں نے آپ کو یہ اطلاع دی کہ آپ کا جیون خطرے میں ہے، دوسری بات یہ کہ ان زمینوں کے سلسلے میں آپ کے لیے میں جو کچھ کروں گا، اس کا بھرپور معاوضہ وصول کروں گا۔“

رام سری گردن ہلانے لگی تھی کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔ ”ہر بھجن سنگھ جی، زندگی سے زیادہ قیمتی چیز اور کون سی ہو سکتی ہے، میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن آپ کو میرے لیے کوئی محسوس قدم اٹھانا پڑے گا، میں عورت ہوں اور وہ سب کچھ نہیں کر سکتی جو کوئی ذمے دار مرد کر سکتا ہے، کم از کم میں یہی محسوس کرتی ہوں، آپ مجھے بتائیے، بلکہ آپ نے تو مجھے ڈرا دیا ہے، میں اب شاید پوری نیند سو بھی نہ سکوں، میرے من میں ہمیشہ یہی دکھ رہے گی کہ کب مجھ پر حملہ ہوتا ہے۔“

رام سری واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آرہے تھے، ہر بھجن سنگھ کو اپنا وار کامیاب محسوس ہو رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ یہ مسکراہٹ وہ ہونٹوں پر نہیں لاسکتا تھا کیونکہ صورت حال ایسی ہی سنگین تھی۔ ہر دیورائے کو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کس قدر کنجوس اور مکار آدمی ہے۔ کچھ کہہ کر اس سے پیچھے ہٹ جانا اس کی فطرت کا ایک حصہ ہے، جبکہ کچھ عرصے قبل رام سری نے اس سے کچھ کام لیے تھے تو ان کا بھرپور معاوضہ ادا کیا تھا۔ ساتھ ہی وہ خوش بھی ہوئی تھی اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس کے مفادات کا خیال رکھے۔ وہ بھی اس کا خیال رکھے گی۔

اب بھی رام سری نے یہی سوال اس سے کر ڈالا۔ ”آپ ایک بات بتائیے ہر بھجن سنگھ جی، آپ ہر دیورائے کے مشیر قانونی ہیں۔ اس کے سارے معاملات کی دیکھ بھال کرتے ہیں، پھر آپ نے اتنی بڑی بات مجھے کیوں بتادی؟“

”میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں دیوی جی کہ سنسار میں کون ہے جس کا من لالچ سے خالی ہو، میں بھی سنسار باسیوں ہی میں سے ایک ہوں اور مجھے آپ سے جو کچھ چاہئے وہ میں آپ سے ضرور مانگوں گا، لیکن آپ کا کام کرنے کے بعد۔“

”تو اب مجھے یہ بتائیے کہ میں کیا کروں؟“

”سب سے پہلا کام آپ یہ کریں کہ ان زمینوں کے بارے میں اپنے دعوے کی درخواست دے دیں اور اپنا حصہ طلب کر لیں۔“

”تو پھر اس کام کا آغاز آپ کر دیجئے۔“

”نہیں، مجھے یہ کام آپ کی طرف سے نہیں بلکہ ہر دیورائے کی طرف سے کرنا ہوگا، آپ ذرا بات پر غور کریں، میں تو آپ کے اس دعوے کے خلاف کام کروں گا۔“

”کیا مطلب؟“

”اور یہ کیس ہار جاؤں گا، سمجھا کریں بات کو، آپ کسی اور وکیل کی مدد لیجئے۔“

رام سری ہر بھجن سنگھ کو دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”مگر آپ کو کیا فائدہ ہوگا اس بات سے؟“

”ایک فائدہ نہیں دیوی جی بلکہ دو فائدے ہوں گے مجھے۔“

”وہ کیا؟“

”نہ..... نہ..... کام کرنے دیں جب آپ خوش ہو جائیں گی تب آپ سے وہ کچھ مانگ لوں گا جو مانگنا چاہتا ہوں۔“

”ایک بات اور بتائیے رجننا کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟“

”بالکل نہیں، کاش مجھے یہ بات معلوم ہو جاتی، لیکن یہ بھی میں دیکھوں گا اور معلومات کروں گا۔ دیوی جی ہر بھجن سنگھ آپ سے بہت کچھ لے گا، لیکن اپنا کام کرنے کے بعد، میرے دماغ میں ایک منصوبہ ہے جس پر خرچہ تو بہت ہوگا لیکن بڑے کام کی بات ہوگی، مثلاً جس طرح بھی ممکن ہو سکے بات دیرا سنگھ تک پہنچانی پڑے گی کہ رتن چند کی بہن رجننا تھا کہ ہر دیورائے کے پاس ہے اور ہر دیورائے نے اسے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ اس طرح دیرا سنگھ، ہر دیورائے کا

دشمن بن جائے گا اور اس کی چال اسی پر الٹ جائے گی، پھر اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ آنے والا سسے کیا کہتا ہے۔“

”بہت گہری چال سوچی ہے آپ نے ہر بھجن سنگھ جی۔“

”بس دیوی جی، کچھ کر کے ہی کچھ پانا ہوتا ہے، یہی سنسار کا اصول ہے۔“

”آپ مجھ سے رابطہ رکھئے، میں تو اب بڑے خوف کے عالم میں زندگی گزاروں گی، بھگوان آپ کو کامیاب کرے اور میرا کام اس اعتماد کے ساتھ کیجئے گا کہ آپ جو کچھ مانگیں گے وہ آپ کو مل جائے گا۔“ رام سری تھوڑی دیر کے بعد ہر بھجن سنگھ کے پاس سے اٹھ گئی اور ہر بھجن سنگھ پر خیال انداز میں میر کھٹکھٹانے لگا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

+++++

بھارتی سرکار نے بڑے سوچ سمجھ کر راجیش گوراکا کا انتخاب کیا تھا۔ وہ واقعی ایک ذہین پولیس افسر تھا اور اس کا طریقہ کار عام پولیس افسروں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ ہمیشہ بات کی تہہ تک اترنے کا خواہش مند رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے دیرا سنگھ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور یہ پتہ لگایا کہ دیرا سنگھ کا تعلق کہاں سے ہے اور اس کے ڈاکو بننے کی وجوہات کیا تھیں۔

یہ تمام باتیں معلوم کرنے میں اسے کوئی وقت نہیں ہوئی۔ ساتھ ہی جتنے تک کا نام بھی سامنے آیا تھا، بہر حال بات جو کچھ بھی تھی اس کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ اسے گرفتار کرے اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو موت کے خوف سے ٹکا لے، اس خیال کے تحت راجیش گوراکا نے ایک چھوٹا سا گروپ تشکیل دیا اور اسے مختلف شکلوں میں شانتی مکھ اور گونا گڑھی بھیجا اور پھر خود بھی بھیس بدل کر وہاں جا پہنچا۔

گونا گڑھی چھوٹی سی بستی تھی لیکن وہاں دیرا سنگھ کے بارے میں بڑی محبت اور بڑا پیار پایا جاتا تھا۔ لوگ دیرا سنگھ کی باتیں کرتے تو ان کے انداز میں بڑا پیار ہوتا۔ دیرا سنگھ ان کا ہیرو تھا۔ بات گونا گڑھی شانتی مکھ یہی کی نہیں تھی بلکہ آس پاس کی بستیوں سے بھی یہ کچھ پتہ چلا تھا کہ جب سے دیرا سنگھ ڈاکو بنا ہے، چھوٹی چھوٹی بستیوں کے غریب لوگوں کے حالات بدل گئے ہیں۔ بے شمار بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں، بے شمار بیوائیں خوشحال ہو گئی ہیں۔

دیرا سنگھ کا کام یہ تھا کہ وہ امیر لوگوں کو لوٹ کر غریبوں کی مشکلیں دور کرے اور اس چیز

نے آس پاس کی بستیوں کو اس کا ساتھی اور ہمدرد بنا دیا تھا۔ بہر حال راجیش گورانے بڑی گہرائی کے ساتھ چھان بین شروع کر دی تھی اس کے علم میں سیتا کا نام آیا۔ سیتا کاشی رام بزاز کی بیٹی تھی۔ کاشی رام کی دکان گونا گڑھی کے بھرے پڑے بازار میں تھی اور وہ ایک درمیانے درجے کی زندگی گزار رہا تھا۔ پتہ یہ چلا کہ ویرا سنگھ کاشی رام کی بیٹی سیتا سے محبت کرتا تھا، لیکن دونوں کے درمیان کبھی کوئی اقرار نہیں ہوا تھا۔ یہ بات اسے بالکل اتفاقیہ طور پر ایک ایسے شخص کے بیٹے سے معلوم ہوئی تھی جو خود بھی سیتا کی محبت کا شکار تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا، لیکن اسے پتہ چلا کہ وہ ویرا سنگھ کے نام کی مالا جپتی ہے اور اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

راجیش گورا، کاشی رام سے ملا۔

”کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کاشی رام کہ ڈاکو ویرا سنگھ تمہاری بیٹی سیتا سے محبت کرتا ہے؟“

”کیا بکواس کر رہے ہو تم؟“ کاشی رام غصے سے بولا۔

راجیش گورا کی آنکھیں میں خون اتر آیا۔ ”زبان سنبھال کر بات کرو، یہ دیکھو۔“ اس نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر کاشی رام کے سامنے کر دیا، جس میں وہ ایک انتہائی شاندار وردی میں پولیس آفیسر کی حیثیت سے نظر آ رہا تھا، کاشی رام مرعوب ہو گیا۔

اس نے ہاتھ جوڑ کر خوشامد اندہ لہجے میں کہا۔ ”ہم عزت والے لوگ ہیں مائی باپ، پُرکھے تک گونا گڑھی میں رہتے چلے آئے ہیں، ہماری عزت پر کبھی انگلی نہیں اٹھی، اگر ویرا سنگھ نے یہ بات کسی سے کہی ہے یا بستی کے کسی آدمی نے یہ بات اڑائی ہے مائی باپ تو ہمارا اس میں کوئی دوش نہیں ہے، ہم آپ سے بنتی کرتے ہیں کہ اس بارے میں.....“

”خاموش، فضول باتوں سے گریز کرو، ڈاکو ویرا سنگھ نے نہ صرف تمہارے پڑوسی ٹھاکر رتن چند کے پر پورا کو ختم کر دیا ہے بلکہ اس نے پورے ہندوستان میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ پولیس کے بے شمار جوان اور بہت سے ٹھاکر گھرانے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ اسے گرفتار کروانا اس وقت ہندوستان کے ہر شہری کا فرض ہے، میں نے تمہاری بیٹی سیتا کے بارے میں یہ خبر سنی ہے جو غلط نہیں معلوم ہوتی، تمہیں ہماری مدد کرنی ہے۔“

”کیسے سرکار؟“ کاشی رام نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کاشی رام! تمہیں تمہاری بیٹی کے جیون اور اس کی عزت آبرو کی پوری پوری ضمانت دی جاتی ہے، ہمیں کچھ عرصے کے لیے تمہاری بیٹی سیتا کو لے جانا ہوگا لیکن سمجھ لو جس طرح ہم اسے لے جا رہے ہیں، اسی طرح اسے تمہارے پاس واپس پہنچا دیا جائے گا۔“

”مگر کیوں سرکار، آپ اسے کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟“

”کاشی رام! صاف صاف بتا رہا ہوں تمہیں، ہم اسے ڈاکو دیراسنگھ کے لیے چارہ بنانا چاہتے ہیں۔ بس اب اور زیادہ سوالات مت کرو۔ ہم اپنا پلان نہیں بتا سکتے، تم سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر دیراسنگھ تمہاری مدد سے زندہ یا مردہ پکڑا گیا تو حکومت تمہیں لاکھوں روپے کا انعام دے گی۔ میرا تم سے وعدہ ہے، یہ بات میں نے تمہیں اس لیے بتادی کہ تم ایک عزت دار آدمی ہو، اگر کوئی اور ہوتا تمہاری جگہ تو میں خاموشی سے تمہاری بیٹی کو پولیس والوں کے ہاتھوں اٹھولیتا اور تمہیں پتہ بھی نہ چلتا۔ اب اگر یہ بات معلوم ہوگئی ہے تو خبردار اپنی زبان سے ایک لفظ کسی کو نہیں بتانا، تم بس یہ کہنا کہ تمہاری بیٹی کچھ عرصے کے لیے کسی رشتے دار کے ہاں چلی گئی ہے۔ کسی دور دراز جگہ کا نام بتا دینا، مگر خیال رہے اس کے برعکس تم نے کیا تو پھر میں تمہیں خاموشی سے اٹھاؤں گا اور ایک لمبے عرصے کے لیے جیل میں ڈال دوں گا، کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔“

کاشی رام تھرتھرا کر کانپنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اس نے کہا۔

”انزہ ہوگا مائی باپ جو ان بیٹی ہے میری۔“

”میں نے کہا نا اگر عزت چاہتے ہو تو خاموشی اختیار کر لو ورنہ ابھی اور اسی وقت تمہیں گرفتار کر کے لے جاؤں گا، تمہاری بیٹی کو تو خیر میرے قبضے میں آنا ہی ہے۔ یہ کام میرے لیے مشکل نہیں ہوگا۔“

کاشی رام روتا رہا۔ راجیش گور نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کاشی رام کو خاموشی سے اس کے گھر لے جاؤ اور اس کی بیٹی کو ساتھ لے آؤ۔ اس کے لیے انتہائی رازداری کی ضرورت تھی۔

بہر حال راجیش گور ایک کھیل کھیلنا چاہتا تھا، کافی تیز اور چالاک افسر تھا۔ خاموشی کے ساتھ سیتا کو جو ایک نہایت خوبصورت لڑکی تھی اپنے ساتھ لے آیا اور سیدھا دہلی پہنچ گیا۔ یہاں

اس نے اس کے لیے ایک بہتر رہائش گاہ مہیا کی اور اسے بڑے دلا سے دے کر وہاں فروکش کر دیا۔ دونوں کرائیاں اس کے لیے مامور کر دی گئیں۔ اس نے سیتا سے یہی کہا تھا کہ کچھ دن کے لیے اسے اس کی ضرورت ہے، اس کے بعد اسے عزت کے ساتھ اس کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے دل میں دیر اسٹکھ کے لیے کتنی محبت ہے اور نہ وہ جانتا چاہتا تھا۔ وہ تو بس ایک کھیل، کھیل رہا تھا اور اس کے لیے اس نے اپنے سگے ماما گوتم داس کا گھر منتخب کیا تھا۔

گوتم داس ایک صنعت کار تھا، اچھا خاصا باعزت اور صاحب حیثیت آدمی تھا۔ راجیش گورانی اس سے کہا کہ وہ اس کے گھر کو دیر اسٹکھ ڈاکو کے لیے چارہ بنانا چاہتا ہے، لیکن وہ بے فکر رہے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا، اس کے بعد اس نے آگے کا کام شروع کر دیا، سیتا کی کچھ تصویریں بنائی گئیں اور پھر انہیں گوتم داس کے پتے کے ساتھ ایک اشتہار اخبارات میں دے دیا گیا جس میں لکھا گیا تھا کہ یہ لڑکی نیم بے ہوشی کے عالم میں ٹرین سے ملی ہے۔ گوتم داس ایک ٹرین میں سفر کر رہے تھے کہ انہوں نے اس لڑکی کو نیم بے ہوشی کے عالم میں ٹرین میں بیٹھے دیکھا تو وہ اسے ساتھ لے آئے، اس کا دماغی توازن تھوڑا سا بگڑا ہوا ہے، اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتی سوائے اس کے کہ اس کا نام سیتا ہے، اگر کسی کو اس لڑکی کا کچھ اتہ پتہ ہو یا اس لڑکی کے والدین یا سرپرست اس اشتہار کو دیکھیں تو گوتم داس کے گھر آ کر لڑکی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔

یہ اشتہار دینے کے بعد راجیش گورانی گوتم داس کے گھر کے ارد گرد زبردست ناکہ بندی کر دی اور انتظار کرنے لگا کہ شاید اشتہار دیر اسٹکھ کی نگاہوں کے سامنے سے گزرے۔ بس ایک کھیل تھا جو اس نے کھیلا تھا اور خود بھی جانتا تھا کہ اس میں کامیابی کے چالیس فیصد امکانات ہیں، کیونکہ دیر اسٹکھ اس وقت اس لڑکی سے محبت کرتا تھا جب وہ ایک عام قسم کا کسان تھا۔ اس کے بعد اس نے جس طرح اپنا چولا بدلا تھا، اب یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ سیتا کے حصول کے لیے جان کی بازی لگانے کی کوشش کرے گا، لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

یہ قدم اٹھا کر وہ ایک طرف سے جال لگا کر شکاری کی طرح گھات میں بیٹھ گیا۔



کئی دن گزر چکے تھے جنگلوں میں گھسے ہوئے اور پھلوں وغیرہ پر گزارا کرتے ہوئے۔

اس لیے دیراسکھ نے کہا کہ کسی آبادی میں چلا جائے بندو قوں کو زنگ لگ رہی ہے، انگلیوں میں اٹنھن ہونے لگی ہے، کہیں ہم گولیاں چلانا نہ بھول جائیں۔

جنے تلک بولا۔ ”یہ کون سی بڑی بات ہے ویرے، پولیس کی گاڑیاں اکثر جنگلوں میں نظر آجاتی ہیں، کہیں بھی گھیر لو اور گولیاں چلانے کا شوق پورا کرلو۔“

جنے تلک کی اس بات پر سب ہنسنے لگے تھے۔ پھر ہری لعل نے کہا۔ ”پولیس کی کارروائیوں سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے، اب کسی آبادی میں چلتے ہیں تاکہ حالات کا کچھ اندازہ لگایا جاسکے۔“ ان باتوں کے نتیجے میں طے پایا کہ کسی آبادی کی طرف نکلا جائے، یہ فیصلہ کر کے سب چل پڑے۔ یہ جنگلوں سے نکل آئے تھے اور سڑک کی تلاش میں تھے۔ ایک شام انہوں نے ایک کھیت دیکھا اور اس کی طرف چل پڑے، کھیت کی موجودگی آبادی کے قریب ہونے کی ذیل تھی، چنانچہ ایک بلند جگہ رک کر وہ چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگے۔ پھر دھرم سنگھ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ”وہ دیکھو، دور وہ دو متوازی لکیریں چمکتی ہوئی نظر آ رہی ہیں، یقیناً وہ ریل کی پٹریاں ہیں۔“

سمت کا اندازہ لگا کر وہ سب اس طرف چل پڑے۔ ریل کی پٹری کے قریب پہنچے تو انہیں ایک بستی کے آثار دکھائی دیے۔ چنانچہ وہیں ایک محفوظ جگہ رک کر وہ رات کا انتظار کرنے لگے اور پھر جب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو وہ آبادی کی طرف چل پڑے۔ ابتدائی روشنیاں نظر آ رہی تھیں جن سے بستی کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر ناگاپور کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

”تو اس جگہ کا نام ناگاپور ہے، اس سے پہلے کسی نے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے۔“

ویراسکھ نے پوچھا۔

سب نے انکار کر دیا، تب فیصلہ کیا گیا کہ کسی جانکار آدمی کو پکڑا جائے، ناگاپور کے ریلوے اسٹیشن کا انچارج ایک نوجوان آدمی تھا، ان لوگوں نے بندوقیں وغیرہ چھپالیں اور گھر کے دروازے پر پہنچ گئے، دستک دینے پر اسٹیشن ماسٹر نے دروازہ کھولا اور جنے تلک نے پستول اس کی کینٹی پر رکھ دیا۔

”اندر چلو۔“ اس نے بھاری آوازی میں کہا۔

”اندر چلنے کے لیے یہ پستول ضروری ہے کیا۔ اسے ہٹاؤ اور اطمینان سے اندر آ جاؤ۔“

اگر تم ڈاکو ہو تو مجھے افسوس ہے تم نے غلط گھر کا انتخاب کیا ہے۔ پھر بھی ایک چار پائی ایک بکس جس میں چار جوڑی کپڑے ہیں، ضرورت کا ایسا ہی سامان موجود ہے، آجاؤ اندر آجاؤ۔“ اسٹیشن ماسٹر کی بات سن کر انہیں بہت مزہ آیا اور وہ کوارٹر میں داخل ہو گئے۔

”گھر میں اور کون ہے؟“ ہری لعل نے پوچھا۔

”میرے طوطے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، بڑی اچھی باتیں کرتا ہے، بہت دنوں سے مجھ پر ڈورے ڈال رہا ہے، مگر میں ابھی تک اس کی باتوں میں نہیں آیا۔“ اسٹیشن ماسٹر بے خوفی سے بول رہا تھا۔ وہ بہت اندر انسان تھا یا بننے کی کوشش کر رہا تھا، بہر حال وہ ان کے ساتھ کوارٹر کے اکلوتے کمرے میں داخل ہو گئے، جس کے دروازے پر طوطے کا پنجرہ لٹک رہا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔ ”یہ اس وقت گہری نیند میں معلوم ہوتا ہے، ورنہ تمہارا سواگت ضرور کرتا۔“

”چھوڑو! ان باتوں کو، یہ بتاؤ کھانے کے لیے کچھ انتظام کر سکتے ہو؟“ جے تلک نے کہا۔

”اس وقت گھر میں کوئی خاص چیز نہیں ہے، اسٹیشن تک جانے دو تو پوری کچوری کا انتظام ہو سکتا ہے، کیونکہ رات کو کئی ٹرینیں گزریں گی اور خانچے والے ان کے لیے پوریاں تیار کرتے ہیں۔“

”اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔“ جے تلک نے پوچھا۔

”سجنو! میرا نام رام سروپ ہے، صورت سے جانور نظر آتا ہوں گا، پر وچن دیتا ہوں کہ مہمانوں کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کروں گا، چاہے کھانے کے بعد تم مجھے گولی ہی کیوں نہ مار دینا۔ بیٹھو، وہ پیچھے کنواں ہے، پانی کھینچو منہ ہاتھ دھولو، میں کھانے کا انتظام کر کے ابھی آتا ہوں۔“

وہ جواب کا انتظار کئے بغیر دروازے کی طرف بڑھا۔

ہری لعل کڑک کر بولا۔ ”رک جاؤ، زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنا پستول سدھا کر لیا۔

لیکن دیرا سنگھ نے آگے بڑھ کر ہری لعل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔ ”معاف کرنا رام سروپ جی، یہ ذرا جذباتی آدمی ہے، جاؤ اطمینان سے جاؤ، ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔“

رام سروپ نے مسکراتی نگاہوں سے ان سب کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔ ہری لعل تشویش بھری نگاہوں سے دیراسنگھ کو دیکھنے لگا تو دیراسنگھ بولا۔ ”کھرے آدمی کی پہچان بہت ضروری ہوتی ہے ہری لعل، اگر وہ پولیس والا بھی ہوتا تو اس وقت ہمیں نقصان نہیں پہنچاتا، کیوں جنے تمہارا کیا خیال ہے۔“

”بالکل ٹھیک کہتے ہو دیرے، وہ بہادر اور کھرا ہے، اگر بزدل ہوتا اور جھوٹا ہوتا تو پستول دیکھ کر ہی اس کی جان نکلی جاتی۔ کسی چیز سے نہ ڈرنے والے سچے لوگ ہوتے ہیں۔“ جنے تلک نے دیراسنگھ کی تائید کی اور دیراسنگھ مسکرانے لگا۔ سب لوگ اس کے انتظار میں چار پائیوں پر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد رام سروپ لدا پھندا واپس آ گیا۔ بھاجی پوری کے علاوہ مٹھائی اور پھل بھی لایا تھا۔ اس نے کمرے میں جا کر دو تھال نکالے اور سارا سامان ان کے سامنے لا کر رکھ دیا، پھر بولا۔ ”میں پانی لا رہا ہوں، تم لوگ بھوجن شروع کر دو۔“ یہ کہہ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا اور سب کے سب کھانے پر نوٹ پڑے، رام سروپ تھوڑی دیر کے بعد پانی لے کر ان کے پاس آ گیا تھا۔

”تم بھی آ جاؤ رام سروپ۔“ دیراسنگھ نے کہا۔
 ”کھا چکا ہوں ورنہ ضرور ساتھ دیتا۔ کوئی چیز کم پڑے تو بتا دو؟“
 ”نہیں بہت ہے۔“

تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو اس نے کہا۔ ”حقہ بھروں، موجود ہے؟“

”نہیں تمہاری مہربانی ہے، اپنے بارے میں بتاؤ رام سروپ، اور یہ بتاؤ کہ تم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔“

”دوستو! باہر سے آئے ہو، پستول بھی پاس ہیں، اپنے بارے میں تو کچھ بتاؤ۔“ وہ بے تکلفی سے بولا۔

”دیراسنگھ کا نام سنا ہے کبھی۔ ڈاکو دیراسنگھ!“ جنے تلک نے کہا۔

رام سروپ اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”بھگوان کی سوگند اگر تم میں سے کوئی دیراسنگھ ہے تو مجھے اس سے مل کر جیون کی سب

سے بڑی خوش ملے گی۔ یہ تو بتادو کہ تم میں سے ویرا سنگھ کون ہے؟“ وہ بڑا جذباتی نظر آ رہا تھا۔
 ”تم خود بتاؤ۔“ دھرم سنگھ نے مسکرا کر کہا اور رام سروپ غور سے ان کی صورتیں دیکھنے
 لگا، پھر اس نے آگے بڑھ کر ویرا سنگھ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سب لوگ حیرت زدہ انداز میں مسکرا دیئے
 تھے۔

”تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے رام سروپ، مگر تم نے کیسے پہچان لیا ویرا سنگھ مہاراج
 کو؟“ جنے تلک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بعض باتیں من میں ہی رہنے دیا کرو بھائی۔ مہ سے نکل جانے پر ان کی کوئی قیمت
 نہیں رہتی، بھگوان کی سوگند اتنی بڑی خوشی ملی ہے ہمیں کیا بتاؤں۔ بڑی دھوم ہے ہمارے
 ویرے مہاراج کی، پر آپ یہ بتاؤ بھائی جی کہ ابھی تک راجیش گورا سے بھینٹ ہوئی ہے یا
 نہیں؟“ ایشیٹن ماسٹر رام سروپ نے کہا اور وہ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔
 ”راجیش گورا کون ہے؟“ ویرا سنگھ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پولیس کا بہت بڑا افسر جو بڑے دعوے کر کے مہاراج ویرا سنگھ کی گرفتاری کے لیے نکلا
 ہے۔“ رام سروپ نے تعجب سے کہا پھر بولا۔ ”یہ تو ٹھیک نہیں ہے ویرا سنگھ جی آپ کو اپنے
 دشمنوں سے باخبر رہنا چاہئے، آپ کی گرفتاری کے لیے سرکار نے بہت بڑی رقم بھی مقرر کر دی
 ہے۔“

”یار اصل میں ہم بہت دن سے جنگلوں میں سفر کر رہے تھے اس لیے اس بارے میں
 نہیں معلوم ہو سکا۔“ جنے تلک نے بڑے خیال لہجے میں کہا۔

”ایک منٹ رکیں، میں آپ کو راجیش گورا کے بارے میں ساری تفصیل بتاتا ہوں۔“
 رام سروپ بولا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔

کچھ لمحوں کے بعد واپس آیا تو بہت سے اخبار ساتھ لایا تھا۔
 وہ لوگ ان اخبارات میں کھب گئے اور ان میں موجود خبریں پڑھنے لگے۔ کئی اخباروں
 میں راجیش گورا کی تصویریں بھی چھپی تھیں۔

”واہ مہاشے جی واہ، بڑا افسوس ہے کہ ابھی تک آپ سے بھینٹ نہیں ہوئی۔“
 ویرا سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا پھر بولا۔ ”بس یہاں سے سیدھے دہلی چلتے ہیں جنے، دل
 تڑپ رہا ہے مہاراج راجیش گورا سے ملنے کے لیے۔“

”ضرور چلیں گے۔“ جتنے ملک نے خوفناک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

پھر دیرانگھ رام سروپ سے بولا۔ ”میں دوسری کوئی بات کہہ کر تمہاری بڑائی کی توہین نہیں کروں گا رام سروپ۔ آؤ دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ اور وہیں دو کہ جب تک جیتے رہو گے دوست رہو گے۔ مجھے تم اچھے آدمی لگے ہو اس لیے میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔“

”پر میں تمہارے لیے کیا کر سکوں گا دیرے مہاراج، میں ایک معمولی سا آدمی ہوں، تمہیں مجھ سے کیا ملے گا؟“

”کسی کو دوست بنانے سے کچھ ملتا نہیں ہے رام سروپ، سب سے بڑی چیز غلوں ہوتا ہے، اگر تمہیں کوئی ڈر ہے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔“ دیرانگھ نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ نیچے گرا لیا لیکن رام سروپ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے چمکنے کو تیار تھے۔

دیرانگھ نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ”بانکے جی اگر کوئی چتا ہو تو بتاؤ، دوست ہی دوست کے کام آتا ہے۔“

”دیرانگھ میرے من میں ایک آگ سلگ رہی ہے، ایک ایسی آگ جسے سرد کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے اس لیے کہ میرے بیوی بچے بھی ہیں۔ یہاں سے قریب ایک شہر ہے جس کا نام خورجہ ہے، خورجہ میں میری بیوی اور دو بچے میرے پتا جی کے ساتھ رہتے ہیں۔ میرا تبادلہ یہاں ہو گیا ہے۔ جگہ چھوٹی ہے اور حالات ایسے ہیں کہ میں ان لوگوں کو ساتھ نہیں رکھ سکتا، اس لیے اکیلا رہتا ہوں، میری ایک بہن تھی جس کے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوا ہے۔ خورجہ کا شرن گپتا ایک بہت بڑا کاروباری آدمی ہے اور اس کا زیادہ تر کاروبار سود پر ہے، ہزاروں لوگوں کو برباد کر دیا ہے اس نے اس سود کے چکر میں۔ قرض دیتا ہے اور پھر سود کے ذریعے ان کا سب کچھ چھین لیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا تھا۔ میرے پتا جی پر آفت آئی تھی، نصیبوں کے مارے وہ شرن گپتا کے پاس پہنچ گئے اور شرن گپتانے پتا جی کو قرض دے دیا۔ پھر قرض کی رقم اس رفتار سے بڑھی کہ ہمارے ہوش گم ہو گئے۔ ہمارا گھر تنگ شرن گپتا کے پاس چلا گیا اور جب ہمارے مکان کی قرقی ہو رہی تھی تو شرن گپتانے میری بہن کو دیکھ لیا۔ میری بہن اس پانی کو پسند آگئی تھی۔ اس نے پتا جی سے بات کی اور کہا کہ اگر میری بہن کی شادی اس سے کر دی جائے تو قرض معاف ہو سکتا ہے۔ ہم ذات کے برہمن ہیں مگر غریب

ہیں، شرن گپتا اور میری بہن کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق تھا، لیکن پتا جی گھر کی عزت بچانے کے لیے اس بات پر آمادہ ہو گئے۔ بات میرے کانوں تک بھی پہنچی اور میں نے پتا جی کی سختی سے مخالفت کی لیکن مخالفت سے کیا بنتا۔ قرضہ تو واپس کرنا ہی تھا، میں اور پتا جی اس پریشانی کے بارے میں سوچتے رہے۔

میری بہن نے اس سودے کو منظور نہیں کیا، اس نے چوڑیاں پیس کر کھالیں اور سنسار چھوڑ گئی۔ شرن گپتا کا قرض جوں کا توں رہا اور ہم بہن سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ گھر چلا گیا اور خود کوڑی کوڑی کے محتاج ہو کر رہ گئے۔ ہم نے ایک چھوٹا سا گھر لے لیا تھا۔ ظاہر ہے کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے لیکن اس پاپی ہتھیارے کو آج بھی آزادی حاصل ہے، وہ آج بھی وہی کاروبار کر رہا ہے اور اتنا جمع کر لیا ہے اس نے کہ کوئی حساب نہیں ہے اس کے پاس۔ ویرا سنگھ جی جب مجھے ملے ہو تو میرا کام کرتے جاؤ، اس کبخت شرن گپتا کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دو۔ کم از کم مجھے اتنا سکون تو ملے گا کہ میری بہن کا قاتل بے بسی کی زندگی گزار رہا ہے۔ بھگوان کی سوگند میں تمہارے چرنوں کی دھول بن کر جیوں گا، اگر تم میرا یہ کام کر دو۔“

ویرا سنگھ نے رام سروپ کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ”بس اتنی سی بات، کوئی بڑی بات کبھی ہوتی رام سروپ، مجھے تو ایسے ہی لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ ایسے ہی لوگ تو میرے خالق ہیں، انہوں نے ہی تو ویرا سنگھ کو جنم دیا ہے تم چتا مت کر دو رام سروپ میں اپنی بہن کو سورگ سے واپس نہیں لاسکتا، پر انہیں نرکھ پہنچا دوں گا، جن کی وجہ سے میری بہن کی نام تھا اس کا.....؟“

”سر لاوتی۔“

”سر لاوتی اس سنسار سے گئی۔“

رام سروپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے روتے ہوئے کہا۔ ”میرے کان اس کی تباہی کا حال سنتے کا انتظار کریں گے، ویرا سنگھ مہاراج۔“ یہ کہہ کر اس نے ویرا سنگھ کے دونوں پاؤں پکڑ لئے۔

”تم فکر نہ کرو، ہمارا دوسرا ٹھکانہ خورجہ ہی ہو گا اور تم بہت جلد شرن گپتا کے بارے میں خبر سنو گے۔ کیا خیال ہے رام سروپ خورجہ جانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ریل کا سفر مناسب رہے گا یا.....؟“

”بالکل مناسب رہے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک مال گاڑی آنے والی ہے، میں اس میں تم لوگوں کو سوار کرادوں گا یہاں سے چل کر خورجے پر رکے گی۔ آرام سے اتر جانا۔“

”خورجہ دیکھا نہیں ہے۔ شہر جانے میں کوئی وقت تو نہیں ہوگی۔“

”بالکل نہیں۔ جس ڈبے میں تمہیں سوار کراؤں گا، وہ سب سے آخری ہوگا۔ اسٹیشن سے بہت پیچھے رکے گا۔ سامنے لکڑی کا جنگل ہے آرام سے اتر جانا۔“

”گڈ۔ گاڑی کتنی دیر میں آئے گی۔“

”کوئی پون گھنٹے میں۔ تیاریاں کرلو۔“

یہ لوگ تیاریاں کرنے لگا۔ جنے تک نے وہ اخبار بھی محفوظ کر لیے جن میں راجیش گورا کے بارے میں تفصیلات تھیں۔ پھر وہ پلیٹ فارم پر آگئے۔ رام سروپ ساتھ تھا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اچانک اس نے پوچھا۔ ”خورجے سے کہاں جاؤ گے جنے مہاراج؟“

”دہلی۔“ جنے تک نے کہا۔

”دہلی ریل سے مت جانا۔“

”کیوں؟“

”خوب چینگ ہو رہی ہے۔ خورجے میں بابولال سے مل لینا۔“

”یہ کون ہے؟“

”میری موسیٰ کا بیٹا ہے۔ ٹرکوں کا ٹھیکیدار ہے۔ میرا نام لے دینا۔ وہ کسی ٹرک سے تمہیں آسانی سے دہلی پہنچا دے گا۔“

”ضرورت پڑی تو اس سے مل لیں گے۔“ جنے تک نے کہا۔

”پھر کچھ دیر کے بعد مال گاڑی آگئی اور رام سروپ نے انہیں اس میں سوار کر دیا۔ گاڑی یہاں صرف دس منٹ رکی تھی، پھر چل پڑی تھی اس کے بعد وہ خورجے میں جا کر رکی تھی۔ رام سروپ نے جس طرح بتایا تھا انہوں نے وہی کیا اور اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔ اس کے بعد ایک سرانے تلاش کی گئی اور وہ اس میں مقیم ہو گئے۔“

صبح کا انتظار کیا گیا۔ پھر ناشتے وغیرہ سے فراغت کے بعد آرام کی کوئی گنجائش نہ سمجھ گئی۔ طے کیا گیا کہ دھرم سنگھ، ویرا سنگھ کے ساتھ رہے اور جنے تک اور ہری لعل باہر جا کر صورت حال کا جائزہ لیں اور اس کے بعد باقی کاموں کا فیصلہ کیا جائے۔

چنانچہ جتنے تک ہری لعل کے ساتھ نکل گیا اور کئی گھنٹوں تک یہ دونوں باہر معلومات حاصل کرتے رہے اور جب واپس آئے تو خاصی معلومات ان کے پاس تھیں۔ مثلاً ویرا سنگھ کی گرفتاری کے لیے خصوصی سیل قائم کیا گیا تھا۔ اسپیشل پولیس کے دستے ہر شہر میں پہنچ گئے تھے یہاں خورجے سے باہر جانے والے راستوں کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ خود یہاں سے کچھ فاصلے پر اسپیشل پولیس کی چوکی بنی ہوئی تھی اور یہ سارے کے سارے انتظامات راجیش گورا کی ہدایت پر کئے جا رہے تھے۔

انہی علاقوں میں ڈاکو راون پاٹے بھی وارداتیں کرتا پھر ہاتھ لیکن اس کو وہ مقام نہیں دیا گیا تھا جو ویرا سنگھ کو حاصل تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈاکو راون پاٹے ایک عام قسم کا ڈاکو تھا جو صرف دولت کے حصول کے لیے ڈاکو بن جاتے ہیں اور ٹولیاں بنا کر وارداتیں کرتے ہیں۔ جبکہ ویرا سنگھ اور جے تک صرف ٹھا کروں کے خلاف کام کر رہے تھے۔ انہوں نے پولیس اور ٹھا کروں سے بے پناہ رکھی تھی۔ اس کے لیے وہ زیادہ خطرناک تھے۔

”اور ہمارے دوست کے بارے میں کیا معلوم ہو سکا، میری مراد شرن گپتا سے ہے۔“

ویرا سنگھ نے سوال کیا۔

”ہم لوگ پہلے یہ معلومات حاصل کر رہے تھے کہ خورجے میں ہمارے راجیش گورا جی نے کوئی بندوبست کیا ہے یا نہیں۔ اس بات کی تعریف کرنی پڑے گی کہ ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر کو نگاہوں میں رکھا گیا ہے اور ہر جگہ کی ناکہ بندی کی گئی ہے۔ کوئی جگہ نہیں چھوڑی گئی۔“

”ٹھیک ہے، اب تم شرن گپتا کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔“ ویرا سنگھ نے حکم دیا اور جے تک، ہری لعل کے ساتھ باہر نکل گیا۔

دھرم سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے ویرا سنگھ کو دیکھا اور پوچھا۔ ”آپ آرام کریں گے ویرے جی؟“

”نہیں نکلتے ہیں۔ ذرا بازار کی سیر تو کریں۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور وہ لوگ تھوڑا سا حلیہ بدل کر باہر نکل آئے۔

دونوں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چل رہے تھے، اس وقت ان کے پاس صرف پستول تھے، بندوقیں اور دوسرا سامان ان کے سامان میں بندھا ہوا تھا اور اسے سرائے میں ہی چھوڑ

دیا گیا تھا۔

بازار سے ویرا سنگھ نے کچھ دھوپتیاں اور کرتے خریدے اور پھر ایک ویران سی جگہ جا کر انہوں نے لباس تبدیل کر لئے۔ بڑے بڑے جنے پوری صافوں میں وہ اب جنے پور کے دیہاتی معلوم ہو رہے تھے۔

اس کام سے فارغ ہو کر ویرا سنگھ نے کہا۔ ”ہمیں اسٹیشن چلنا ہے، وہاں ہم رام سرپ کے گھروالوں کے بارے میں معلوم حاصل کریں گے۔“

”خیریت، رام سرپ کے گھروالوں کے بارے میں آپ کیوں سوچ رہے ہو ویرا سنگھ جی؟“

”تمہیں یاد نہیں اس نے کہا تھا کہ اس کے بیوی بچے یہاں رہتے ہیں؟“

”یاد ہے۔“

”ذرا ان کی بھی خبر تو لے لیں۔ وہ ہمارا اچھا دوست بن گیا ہے اور جب ہم نے اس کے لیے کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو پھر یہ سب کچھ بھی ضروری ہے۔“

کچھ دیر کے بعد انہوں نے اسٹیشن کے قریب وجوار کا ماحول دیکھا۔ ریلوے اسٹیشن پر پولیس کی نفری دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ اب ریل کا سفر خطرناک ہوگا، مال گاڑی کے ڈبے میں چھپ کر یہاں تک آ جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن اس سے آگے اگر ٹرین میں سفر کیا جائے تو وہ خطرناک ہو سکتا ہے، بہر حال یہاں ٹھہرنا بھی خطرناک ہی تھا کیونکہ پولیس کے جوان ہر چہرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ویرا سنگھ نے کہا۔ ”آؤ اب ذرا بابلل کی خبر لے لیں، یاد ہے نا تمہیں بابلل؟“

”کیوں نہیں۔“ دھرم سنگھ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ جنے پوری کسانوں کے بھیس میں ٹرکوں کے اڈے پر پہنچ گئے۔ یہاں بابلل کی تلاش مشکل نہیں ہوئی، لمبے چوڑے جسم کا ایک خوش شکل آدمی تھا، بڑی خوش اخلاقی سے ملا اور رام سرپ کا نام سن کر تو اس نے انہیں گلے لگا لیا۔

”وہ اپنا بچپن کا یار ہے، ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی اسکول میں قدم رکھا تھا۔“ بابلل

نے بتایا۔

”ہمیں تم سے کام سے بابلل۔“

”جان حاضر ہے رام سروپ کے نام پر، بولو کیا، بات ہے؟“
 ”پہلے تو ہمیں رام سروپ کا گھر بتاؤ، رام سروپ نے یہ بھی کہا تھا کہ تم ہمیں دلی بھیجے گا
 بندوبست کر دو گے۔“

”جب کہو، یہ کون سی بڑی بات ہے، مگر.....“
 ”نہیں، یہ اگر مگر نہ کرو، رام سروپ سے چاہو تو رابطہ کر سکتے ہو۔“
 ”ارے نہیں کوئی ایسی بات نہیں، آدھی رات کو بابولعل حاضر ہے، کہاں ٹھہرے ہوئے
 ہو، یہاں میرا گھر ہے تو دوسری جگہ قیام کی کیا ضرورت ہے۔“
 ”شکر یہ بابولعل، تمہارا گھر ہے کہاں؟“

”وہ ادھر دیکھو وہ پہلی دیوار جو نظر آرہی ہے، وہ غریب کی کنیا ہے۔“ بابولعل نے کہا۔
 ”ہم دوبارہ تمہارے پاس آئیں گے۔“
 ”میں نے کہا نا آدھی رات کو کوئی کام ہو، تو بابولعل کو آ کر جگاینا، اب بیٹھو آرام کرو، کچھ
 کھانی لو۔“ بابولعل نے ان کی کافی خاطر مدارت کی اور ایک بارہ چودہ سال کے لڑکے کو ان کے
 ساتھ کر دیا۔

”یہ تمہیں رام سروپ کے گھر لے جائے گا۔“ تھوڑی دیر کے بعد وہ رام سروپ کے گھر
 کے سامنے پہنچ گئے، تو لڑکے نے کہا۔ ”کا کا کو بلاؤں۔“
 ”نہیں بس ٹھیک ہے تم جاؤ، ہم خود ان سے مل لیں گے۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور لڑکا واپس
 چلا گیا۔

تھوڑی دیر تک وہ دروازے کے پاس کھڑے رہے اور لڑکے کے دور چلے جانے کا
 انتظار کرتے رہے اور جب لڑکا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ بھی واپس مڑ گئے۔ باقی وقت
 انہوں نے آوارہ گردی میں ہی گزارا تھا اور پھر پروگرام کے مطابق وہ واپس چلے گئے اور ان
 کے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد جئے تلک اور ہری لعل واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے شرن گپتا
 کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔

”رام سروپ نے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل ٹھیک تھا، بڑا ہی ذلیل آدمی ہے، بڑا شاندار گھر
 بنوایا ہے، لیکن ایک بات میں خاص طور سے تمہیں بتاؤں پتہ نہیں کیوں یہاں پولیس کی نقل و
 حرکت کچھ زیادہ ہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی طرح ان لوگوں کو ہماری آمد کی خبر مل گئی ہے۔“

”کیا کہا جاسکتا ہے، ویسے ہر جگہ یہی کیفیت ہے؟“ ویرا سنگھ نے کہا۔

”شرن گپتا۔ کہہ سکاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک پولیس چوکی ہے۔“

”ٹھیک، کیا خیال ہے کیوں نا ایک نظر اس گھر پر ڈال لیں۔“ ویرا سنگھ نے تجویز پیش کی اور اس کے بعد چاروں اس طرف چل پڑے، لیکن وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر چل رہے تھے، کیونکہ ساتھ چلنا خطرناک تھا۔ راستے میں جگہ جگہ سادہ لباس والے بھی نظر آئے جو ہر آتے جاتے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

”کمال ہے میں تو بہت بڑا آدمی بن گیا، کیا پورے ہندوستان میں ان لوگوں نے ایسے انتظامات کئے ہیں؟“

”بس مہاراج، بھگوان نے کچھ زیادہ ہی شہرت دے دی ہے، ویسے یہ راجیش گورا تو پلٹشی کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔“

تھوڑی دیر کے بعد وہ شرن گپتا کے مکان کے سامنے پہنچ چکے تھے، یہ مکان پہلی کوشی کے نام سے مشہور تھا کیونکہ مکان پر پیلا رنگ کیا گیا تھا۔ باہر سے وہ مکان نہیں بلکہ قلعہ نظر آتا تھا۔ انہوں نے مکان کے گرد ایک چکر لگا کر اندر داخل ہونے کا راستہ تلاش کیا اور پھر مطمئن ہو کر واپس چل پڑے۔

”کوئی مشکل نہیں ہے، پولیس چوکی تک خبر ہوتے ہوتے ہم واپس جا چکے ہوں گے۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور پھر رات کا سارا پروگرام طے ہو گیا۔

پروگرام کے مطابق انہیں برگد کے اس درخت کے نیچے ملاقات کرنی تھی جو پہلی کوشی کے عقب میں تھا، عقب ہی سے اس کوشی میں اندر داخل ہونے کا ایک نہایت عمدہ راستہ تھا، ان سارے کاموں سے فارغ ہو کر ویرا سنگھ اور دھرم سنگھ واپس سرائے کی جانب چل پڑے تاکہ کچھ دیر آرام کر کے واپس یہاں پہنچ جائیں۔

سرائے کے باہر دروازے پر مٹی کے تیل کا ایک لیپ روشن تھا، اندر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، دروازے سے دور ایک درخت کے نیچے دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے، جب یہ ان کے قریب پہنچے تو ان میں سے ایک کھڑا گیا اور کہنے لگا۔ ”کون ہو بھائی تم کیا سرائے میں ٹھہرنا چاہتے ہو؟“

ویرا سنگھ کو یاد آ گیا کہ اس وقت وہ دوسرے لباس میں ہیں، اسی وجہ سے انہیں پہچانا

نہیں گیا تھا۔

”ہاں ہم مسافر ہیں اور یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔“ ویراسنگھ نے جواب دیا۔

”اس وقت یہاں نہیں ٹھہر سکتے، چلو جاؤ اندر پولیس موجود ہے۔“

”پولیس۔“ ویراسنگھ ایک دم چونک گیا۔

”ہاں بھائی، ڈاکو ویراسنگھ نے تو ہر طرف آفت مچائی ہوئی ہے۔ پولیس ہر آنے والے

بندے پر نگاہ رکھ رہی ہے، ہماری سرائے میں بھی کچھ لوگ معلومات حاصل کرنے آئے تھے اور

نئے مسافروں کے بارے میں پوچھ رہے تھے، جب انہیں معلوم ہوا کہ کچھ مسافر یہاں ٹھہرے

ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ ان کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ پھر وہاں سے ان کے

سامان کی تلاشی لی گئی تو ان کے سامان میں بندوقیں نکلیں۔ سارا سامان جوں کا توں رکھ دیا گیا

ہے اور پولیس اب سرائے کے چاروں طرف چھپی ہوئی ہے تاکہ جیسے ہی وہ آئیں انہیں گرفتار

کر لیا جائے۔“

”اچھا۔ مگر ہمیں تو پولیس نظر نہیں آرہی۔“

”نظر تو ہمیں بھی نہیں آرہی، پر یقیناً وہ یہیں آس پاس چھپی ہوگی اور ویسے اندر تو

پولیس ہے ہی، جیسے ہی وہ مسافر اندر آئیں گے، پولیس والے انہیں پکڑ لیں گے۔ ہمارا مالک

ان لوگوں کی نشان دہی کے لیے وہاں موجود ہے۔“ سرائے کے نوکر نے سادگی سے بتایا۔

”چلو ٹھیک ہے ہم کہیں اور انتظام کر لیتے ہیں۔“ ویراسنگھ نے کہا اور وہ لوگ وہاں سے

واپس پلٹ پڑے۔ دھرم سنگھ کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہو گیا تھا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اب تو مجھے کچھ شبہ ہونے لگے ہیں، آخر یہاں خورجے میں

ان لوگوں کو ہم پر شک کیسے ہوا؟“

”اس وقت یہ سوچنے کا موقع نہیں ہے یہ بتاؤ پولیس سے نکر لی جائے یا خاموشی سے

یہاں سے نکل جایا جائے، ہماری بندوقیں بھی ہمارے پاس نہیں ہیں۔“

”ہاں، بندوقوں کی تو ہمیں ضرورت ہے۔“

”چلو دیکھتے ہیں تم میرے ساتھ آؤ دھرم سنگھ۔“ ویرانے کہا اور ایک لمبا چکر کاٹ کر

سرائے کے پچھلے حصے کی جانب چل پڑا، ٹوٹی ہوئی کچی دیوار کی دوسری طرف کچھ بھینسیں بندھی

ہوئی تھیں۔

ویرا سنگھ اور دھرم سنگھ بھینسوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے اور موقع دیکھ کر دیوار کو دھمکے اندر داخل ہو گئے۔ وہ سرائے کی پچھلی طرف چل پڑے تھے جہاں ان کا کمرہ موجود تھا۔ دونوں نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لئے تھے۔

یہاں کا ماحول نیم تاریک تھا، بہت فاصلے پر لائٹیں ٹنگی ٹنٹھاری تھیں۔ ویرا سنگھ اپنے کمرے کے دروازے پر جم گیا اور دھرم سنگھ کو اشارہ کیا۔ ان کے سامان میں بندوقیں اور کارتوس ہی سب سے زیادہ قیمتی تھے۔ چنانچہ دھرم سنگھ نے بندوقیں اور کارتوس کی پیٹیاں نکال لیں جو نہی دھرم سنگھ نے باہر قدم رکھا، اچانک ہی ایک آواز سنائی دی۔

”کون ہے؟ ارے دیکھو وہ کون ہے!“

✦=====✦=====✦

پاکستانی
ادبیات
مقام

اور پولیس والوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لینا، دیکھنا، پکڑنا، اس کے علاوہ اور آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ دیرانگھ بندوق میں کارتوس ڈالنے لگا۔ اس دوران دھرم سنگھ نے پستول سے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر جو بھی سامنے آیا دیرانگھ نے اس پر فائر کر دیا۔ زد میں آنے والا پولیس کا ایک حوالدار تھا۔ اس کی دلدوز چیخ گونج اٹھی اور دوڑتے ہوئے قدم رک گئے۔ پھر اُدھر سے بھی فائرنگ ہونے لگی۔

دیرانگھ نے اس عمارت میں جم کر لڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ دھرم سنگھ کو اشارہ کر کے پیچھے ہٹنے لگا، جب باہر نکلنے کا راستہ موجود تھا تو پھر عمارت میں لڑنے سے کیا فائدہ۔ اس سے قبل کہ پولیس عقب میں بھی پہنچ جائے باہر نکل جانا بہتر تھا۔

وہ دوڑتے ہوئے احاطے میں پہنچے اور وہاں سے ایک بھینس کی پیٹھ پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے۔ پولیس بھی کافی پھرتی دکھا رہی تھی، چنانچہ پولیس والے بھی دوڑتے ہوئے اسی طرف آ گئے، جونہی انہوں نے دونوں کو دیوار سے کودتے ہوئے دیکھا فوراً ہی نیچے بیٹھ کر نشانہ لینے لگے، لیکن اس سے پہلے ہی دیرانگھ اور دھرم سنگھ نے پستول سے فائرنگ کر کے انہیں ٹھکانے لگا دیا اور وہ نشانہ باندھتے باندھتے لڑھک گئے۔

اب یہاں رکنا خطرناک تھا، چنانچہ وہ سیدھے دوڑنے لگے، تھوڑے فاصلے پر کھیت پھیلے ہوئے تھے اور یہ کھیت ان کے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوئے۔ وہ کھیتوں میں گھستے چلے گئے۔ پولیس والے پہلے تو جھجکے، لیکن افسروں کے چیخنے چلانے پر وہ بھی اسی راہ ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں بھی تھیں، جن کی روشنیاں قرب وجوار میں ڈالتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ دیرانگھ نے دھرم سنگھ کا شانہ دبایا اور دونوں رک گئے۔ ”انہیں آگے بڑھ جانے

دو، وہ ہلتی ہوئی بایس دیکھ کر ہماری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔“

دونوں کھڑی فصل میں جگہ بنا کر لیٹ گئے اور پولیس والے ان کے قریب سے آگے بڑھ گئے، جب سرائے کی طرف سے آنے والے پولیس والوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تو وہ جدھر سے آئے تھے اُدھر واپس چل پڑے۔ سرائے کے قریب ہی پولیس والوں کی خاصی نفری موجود تھی اور وہ کیروسین لمپ روشن کر رہے تھے۔ اس کے بعد شاید بڑے پیمانے پر ان کی تلاش شروع کرنے کا پروگرام تھا۔

ویرا سنگھ اور دھرم سنگھ پولیس والوں سے کتر آ کر آگے بڑھ گئے، اب ان کا رخ اس برگد کے درخت کی طرف تھا جہاں چاروں نے ملنے کا پروگرام بنایا تھا۔ حالانکہ ابھی بہت وقت باقی تھا، لیکن سرائے کا ٹھکانہ چھن جانے کے بعد اُدھر اُدھر بھٹکنا مناسب نہیں تھا۔ برگد کے قرب و جوار میں دور دور تک کسی کا وجود نہیں تھا۔ انہوں نے پھیلے ہوئے درخت پر آرام کرنے کا فیصلہ کیا اور درخت پر چڑھ گئے۔ درخت کی شاخوں سے انہوں بندوقیں لٹکا دیں اور وہیں دراز ہو گئے۔

وقت مقررہ پر ہری لعل اور جے تلک اس طرف آتے ہوئے نظر آئے، وہ دونوں درخت کے پاس پہنچے تھے کہ ویرا سنگھ نے انہیں آواز دے لی اور پھر جے تلک کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

”تم لوگوں کے پاس کوئی ٹھکانہ ہے؟“ ویرا سنگھ نے سوال لیا۔

”ہاں اور یہ جگہ پولیس چوکی کے بالکل قریب ہے، پولیس والے وہاں بہت مستعد

ہیں۔“ جے تلک نے جواب دیا۔

”یہ جگہ بہت خطرناک ہو گئی ہے، میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں کا کام نمٹا لینا چاہئے، اس کے بعد یہاں سے نکل چلیں گے۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور چاروں سے آگے بڑھ گئے۔

انہوں نے خاصا فاصلہ طے کر کے شرن گپتا کی حویلی کے سامنے پڑاؤ کیا۔ شرن گپتا کی حویلی سنسان پڑی ہوئی تھی، وہ گھومتے پھرتے حویلی کے سامنے والے حصے کی طرف آئے اور پھر ایک دم ٹھنک گئے۔ کچھ گھڑسوار حویلی کے احاطے میں کھڑے ہوئے تھے اور ان کے جسموں پر پولیس کی وردی تھی۔ ویرا سنگھ نے ایک مناسب ٹھکانہ تلاش کیا اور ان لوگوں کے قریب ہو گیا۔ وہ سب خاموش تھے اور شاید کسی کا انتظار کر رہے تھے، کچھ لمحوں کے بعد ایک قومی ہیکل اور

بارعب شخص باہر نکل آیا۔ اس کا اوپری بدن نکلا تھا اور گلے میں جنو پڑا تھا۔ جونہی وہ سامنے آیا پولیس والے گھوڑوں سے اتر گئے۔

”کیا بات ہے تھانے دار جی؟“ آنے والے نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

”جے رام جی کی لالہ جی، ایک خبر لے کر آیا تھا۔“

”کہو کیا خبر لائے ہو؟“

”لالہ جی، ہمیں خبر ملی ہے کہ ڈاکو دیرا سنگھ خورجے میں داخل ہوا ہے۔“

”کیسے پتہ چلا.....؟“

”لکھی سرانے میں دو مشکوک آدمیوں کو دیکھا گیا تھا۔ پولیس وہاں موجود تھی کہ ان سے

مقابلہ ہو گیا، کئی پولیس والے مارے گئے اور وہ دونوں نکل گئے۔ ان کی جی داری اور چالاک دیکھتے ہوئے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دیرا سنگھ کے گروہ کے لوگ تھے۔ آپ کو ہوشیار کرنے آیا ہوں لالہ جی، کہا نہیں جاسکتا کہ اگر وہ ڈاکو دیرا سنگھ ہے تو کس ارادے سے خورجے میں داخل ہوا ہے۔“ تھانے دار نے کہا۔

”ہوں، پھر تو ہماری حویلی کے پاس بھی پولیس کے پہرے کی ضرورت ہے۔“ لالہ جی نے کہا۔

”یہی تو افسوس کی بات ہے لالہ جی اس سے مشکل ہے۔ ساری پولیس گشت پر ہے، جونہی کچھ لوگ فارغ ہوئے میں انہیں یہاں بھیج دوں گا۔“

”تو پھر جاؤ، مجھے پریشان کرنے کیوں آگئے ہو؟“ لالہ جی نے کہا اور گھڑسوار باہر نکل گئے۔ دیرا سنگھ اور جے تلک مسکرا رہے تھے۔

پھر لالہ جی نے حویلی کے کچھ افراد کو حویلی کے احاطے میں جمع کیا۔ یہ لوگ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے، چند نوکروں کو بندوقیس بھی دی گئی تھی اور اس کے بعد وہ چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ خود لالہ جی نے گھوم پھر کر ان ٹھکانوں کا جائزہ لیا اور شاید مطمئن ہو گئے تھے۔ اس دوران ان لوگوں کو بھی موقع مل گیا تھا، چنانچہ دیرا سنگھ نے اپنی جگہ بدل دی اور وہ لوگ حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی لالہ جی بھی اندر چلے گئے تھے، وہ شاید خود بھی انتظامات کرتے پھر رہے تھے، پھر وہ ایک ملازم کے ساتھ باہر آئے اور کمروں کے ساتھ بنے ہوئے برآمدے میں ایک موٹہ سے پر بیٹھ گئے۔ ملازم کو انہوں نے شاید

حقہ بھرنے کا حکم دیا تھا۔

جیسے ہی وہ ملازم واپسی کے لیے مڑا ویرا سنگھ نے جے تلک کو اشارہ کیا اور جے تلک اس ملازم کے پیچھے چلا گیا جو حقہ بھرنے گیا تھا۔ ملازم نے حقہ تازہ کیا، تمباکو چلم میں رکھا اور کونسلے چلم پر رکھنے کے بعد وہ حقہ اٹھانے کو جھکا ہی تھا کہ جے تلک کا گھونسا پوری قوت سے اس کی گردن پر پڑا اور وہ گرنے لگا۔ گرنے سے پہلے جے تلک کے مسلسل گھونسوں نے اسے شاید نیم غشی کی کیفیت کا شکار کر دیا تھا اور وہ گھنٹوں کے بل زمین پر بیٹھا پھر اوندھا اوندھا زمین پر لیٹ گیا۔ تب جے تلک نے حقہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا لالہ جی کی جانب چل پڑا، یقیناً یہی شخص شرن گپتا تھا۔

تمباکو کی خوشبو لالہ جی کے نھتوں میں پہنچی تو انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا اور جے تلک نے بڑی سعادت مندی سے حقہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ شرن گپتا نے حقے کی نئے منہ سے لگائی اور اپنے خیالوں میں گم بیٹھے رہے لیکن شاید پھر انہیں کوئی چیز نظر آئی وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ یہ پستول کی نال تھی جو ان کی پیشانی کے بالکل قریب تھی۔ حقے کی نئے ان کے منہ سے نکل گئی اور انہوں نے منہ پھاڑ کر نوکر کو دیکھا لیکن نوکر کی جگہ کسی اور شخص کو دیکھا کہ وہ بھونچکے رہ گئے۔ انہوں نے کہا۔ ”تت..... تم..... تم کون ہو.....؟“

”ابھی پتہ چل جائے گا شرن جی۔“ جے تلک نے کہا اور اسی دوران ویرا سنگھ، دھرم سنگھ اور ہری لعل باہر نکل آئے۔ ان کے کندھوں سے بندوقیں لٹکی ہوئی تھیں اور وہ چہروں سے بے حد خونخوار نظر آرہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو لالہ جی کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ انہوں نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن پستول کی نال ان کی پیشانی سے آگئی اور ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

+++++

رنجنا اپنی زندگی کے مشکل دور سے گزر رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے اپنے آپ پر بہت ہنسی آتی تھی اور وہ تقدیر کے بارے میں سوچنے لگتی تھی، کیا چیز ہے یہ تقدیر بھی، کیا انسان اسے اپنے ہاتھوں سے بدل نہیں سکتا، پتا جی کا دیہانت ہو گیا تھا تو بھائی نے اس طرح جیون کی الجھی ڈور سلجھائی تھی کہ رنجنا کو باپ کی موت کا احساس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ ماں پہلے ہی مر چکی تھی، لیکن رتن چند نے ماں باپ دونوں کا کردار ادا کیا تھا۔ کبھی کبھی رتن چند کے بارے میں سوچتی تو اسے

احساس ہوتا کہ اس کا بھائی اتنا بُرا انسان نہیں تھا۔ بے شک ٹھا کروں گا رہن سہن مختلف تھا۔ وہ اپنے آپ کو اونچی اور دوسروں کو نیچ ذات سمجھتے تھے۔

کبھی کبھی رات کی تنہائیوں میں اسے جئے تلک کی یاد آ جاتی تھی جس نے اسے اس طرح سنبھال لیا تھا کہ سوچ سوچ کر اس کے چہرے پر سرخی آ جاتی تھی، لیکن پھر بھائی کی موت کا تصور اسے لرزادیتا تھا۔ اس کا بھائی رتن چند جوتیل کے کڑھاؤ میں جل کر خاکستر ہو گیا تھا اور اس کی وجہ جئے تلک تھا۔ بے شک جئے تلک کی ماں اور بہن کے ساتھ جو واقعہ ہوا تھا وہ بھی رنجنا کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کام رتن چند نے نہیں بلکہ کسی دوسرے آدمی نے کیا ہے۔ جئے تلک کو کم از کم دیکھنا سوچنا تو چاہئے تھا، لیکن یہ سب کچھ نہیں ہوا اور اس کا بھائی اس سے چھین لیا گیا۔ ایسے موقعوں پر وہ دہری کیفیت کا شکار ہو جاتی تھی اور اس کے اندر ایک انوکھی نفرت جنم لینے لگتی تھی۔

بہر حال ہر دیورائے کے گھر میں تھی، لیکن پر بھورائے اور ہر دیورائے پر اسے کسی طور پر بھروسہ نہیں تھا، بس تقدیر نے اسے یہاں پہنچا دیا تھا، وہ ہر دیورائے کے پاس آنے کے بارے میں کبھی نہ سوچتی۔ رام سری بھی تھی، لیکن رام سری اس کی خالہ ہونے کے باوجود بھی عجیب و غریب عورت تھی۔ اس نے کبھی ان لوگوں سے بہت زیادہ محبت کا برتاؤ نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک ذرا الگ الگ رہتی تھی، لیکن ایسے حالات میں اگر خود رنجنا کو فیصلہ کرنے کا موقع ملتا تو وہ رام سری کے ہاں جانا پسند کرتی۔ پر بھو دیورائے اب اکثر اس کے سامنے آ جاتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک عجیب سا طنز بٹا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دو چار الفاظ بھی کہہ دیا کرتا تھا جو رنجنا کے سارے بدن میں زہر گھول دیتے تھے اور اس دن تو رنجنا کی نفرت کی تکمیل ہو گئی جب اس نے باپ بیٹے کو بات کرتے ہوئے سنا۔

”صرف رام سری ایک ایسی عورت ہے جو ہمارے راستے کاٹ سکتی ہے، میں اس کا بندوبست کر کے آیا ہوں، بڑا مکمل منصوبہ بنایا ہے میں نے، جانتے ہو منصوبہ کیا ہے؟“

”ہتاجی، آپ کا سارا جیون منصوبوں میں ہی بیت گیا ہے، میں نہیں جانتا کہ آپ کے کون کون سے منصوبے کامیاب ہوئے ہیں اور کون سے ناکام.....؟“

”بیٹا، باپ کے پاس ہو، باپ کے کندھوں پر سفر کر رہے ہو، جب خود اس سنسار میں زمین پر پاؤں رکھو گے تو پتہ چل جائے گا کہ دھرتی کیا کچھ وصول کر لیتی ہے۔“

”چلیں ٹھیک ہے، بتائیے تو سہی کیا کر کے آئے ہیں آپ.....؟“

”ہر بھجن سنگھ کو جانتے ہو جو ہمارا وکیل ہے؟“

”ہاں، جانتا ہوں۔“

”اس سے بات کی ہے میں نے زہرا کے بارے میں مکمل تفصیل معلوم کر رہا ہے وہ

اور اس دوران ہم رام سری کو لوک سے پر لوک پہنچا دیں گے۔“

”موسیٰ جی کو.....“ پر بھورائے نے حیرانی سے پوچھا۔

”موسیٰ جی، ارے وہ سب سے بڑی دشمن ہے ہماری۔ جب تک وہ جیتی ہے وہ ہمیں

زمینوں کا قبضہ نہیں لینے دے گی۔ اسے راستے سے ہٹانا بہت ضروری ہے۔“ ہر دیو پورائے نے

ہر بھجن سنگھ کے سامنے پیش کیا جانے والا منصوبہ اور اس پر عمل درآمد کے بارے میں ساری

تفصیل پر بھوکو بتائی تو پر بھو گردن ہلا کر کہنے لگا۔ ”ہتا جی بڑا دماغ ہے آپ کا۔“

وہ لوگ یہ باتیں کر رہے تھے اور رنجنا کے کانوں میں زہرا تر رہا تھا۔ اس کے ہتا کی

چھوڑی ہوئی زمینوں کے لیے یہ لوگ آپس میں خونریزی پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ہر دیو پورائے اپنی

بہن کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔ کیسی عجیب بات تھی، لیکن یہ ٹھا کر ہوتے ہی ایسے ہیں۔ دوسروں کی

زمینیں ہڑپ کرنے کے لیے انسانیت سے اتنے نیچے گر جاتے ہیں کہ انسانیت بھی ان کے نام

پر شرمسار ہو جائے۔ رنجنا کے دل میں نفرت کی آگ اور بھڑک اٹھی اور وہ سوچنے لگی کہ کیوں نہ

ہر دیو پورائے کا گھر چھوڑ کر وہ رام سری کے گھر چلی جائے۔

اس گفتگو کو تیسرا دن تھا، ہر دیو پورائے کہیں گیا ہوا تھا کہ پر بھورائے اس کے کمرے کے

دروازے کے سامنے سے گزرا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اکثر بغیر کسی اطلاع کے کھلے

دروازے سے اندر داخل ہو جاتا تھا۔ اس وقت بھی رنجنا بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ پر بھو دیو پورائے

اندر آیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”پر بھو جی، ویسے تو مجھے معلوم نہیں ہے کہ آپ نے کتنا پڑھا لکھا ہے، پر ٹھا کروں کی یہ

ریت تو نہیں ہے کہ اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کا بھی خیال نہ کریں۔ بے شک دوسروں کی بہو

بیٹیوں کی عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے، لیکن اپنی عزت کو وہ بڑا عزیز رکھتے ہیں، آپ کو

اس کی بھی چتا نہیں ہے۔“

”پرافسوس کی بات یہ ہے کہ رنجنا جی کہ تم نے اپنی عزت رکھی نہ ہماری۔“

”کیا بکواس کر رہے ہیں؟“

”میں جتنے ملک کو نہیں بھول سکتا جس کا لس تمہارے شریر میں اتر گیا تھا۔“

”تھو ہے آپ پر، آپ آج تک اس فضول بات کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے منش کو اپنا جیون کتنا عزیز ہوتا ہے۔ اگر میں ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھی رہتی تو ہاتھی ضرور مجھے کسی درخت سے دے مارتا یا پھر اپنی سوٹھ میں لپیٹ کر مجھے اپنے پیروں تلے کچل دیتا، وہ تو بس جیون بچانے والی بات تھی۔“

”بات جو کچھ بھی تھی رنجنا پر اس سے تمہاری عزت دو کوڑی کی ہو گئی۔ بھلا کون یہ بات جاننے کے بعد تمہیں اپنے چرنوں میں جگہ دے گا۔“

”مجھے کسی کے چرنوں میں جگہ کی ضرورت نہیں ہے پر بھوجی۔“

”مگر ایک انسان اس سنسار میں ایسا ہے جو تمہیں سویکار کر سکتا ہے اور وہ ہے پر بھودیو۔“

”ایک بات آپ سے کہوں پر بھوجی، سنسار میں سارے ایسے مرد مر جائیں جو مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو اور صرف آپ باقی رہ جائیں تو بھگوان کی سوگند شادی کا نام بھی کبھی زبان پر نہیں لاؤں گی۔“

”تو یہ قوف تھ سے شادی کر کون رہا ہے، تو تو لوٹ کا مال ہے، ہمارے قبضے میں ہے ہم جس طرح چاہیں تیرے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔ چل ٹھیک ہے آج تیرا یہ مان بھی ٹوٹ جانا چاہئے۔“ پر بھودیو نے شیطانی لہجے میں کہا اور رنجنا کی طرف بڑھنے لگا۔

رنجنا نے خونی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولی۔ ”جیون بڑی کشش میں گزر رہا تھا پر بھودیو جی، ایک طرف سوچتی تھی کہ عورت ہوں شاید اتنی بہادر نہ بن سکوں جتنی بننا چاہتی ہوں، یہ بھی سوچتی تھی کہ پتہ نہیں جو کچھ میرے من میں ہے وہ کبھی سکوں گی یا نہیں، اچھا ہوا آپ نے مجھے اپنے آپ کو آزمانے کا موقع دے دیا اور یوں سمجھ لیجئے کہ میرے اس مقصد کا آغاز کر دیا جو میرے من میں چھپا ہوا تھا۔“

”بالکل ہو گئی ہے بے تکی ہانک رہی ہے، لیکن تو دیکھنا میں تجھے کس طرح شانت کرتا ہوں۔“

پر بھودیو، رنجنا کے نزدیک پہنچتا جا رہا تھا اور رنجنا پیچھے ہٹ رہی تھی۔ پھر وہ اپنے بستر پر

پہنچ گئی اور دوسرے لمحے وہ اپنے بستر پر گر پڑی۔ پر بھودیو کے ہونٹوں پر بدستور شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ رنجنا نے نیچے کے نیچے سے پستول نکال لیا ہے۔ ہاں وہ اس وقت چونکا جب پستول کا رخ اس کی جانب ہو گیا۔

◆=====◆=====◆

”یہ..... یہ..... یہ کیا ہے؟“

”یہ وہ ہے پر بھودیو جی جس سے میں اپنے نئے جیون کا آغاز کر رہی ہوں۔“ یہ کہہ کر رنجنا نے پر بھودیو کے سینے کا نشانہ لیا اور دوسرے لمحے پستول کی گرجدار آواز بھری اور اس سے نکلی ہوئی گولی پر بھودیو رائے کے سینے میں پیوست ہو گئی۔

پر بھودیو کے حلق سے ایک دلخراش چیخ بلند ہوئی۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جیون اس طرح ختم ہو جائے گا، مگر دوسری گولی اس کی پیشانی کے عین درمیان لگی تھی اور سوچ کے راستے بھی بند ہو گئے۔ وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ بالکل اتفاق تھا کہ ہر دیو رائے اسی وقت حویلی پہنچا تھا اور رنجنا کے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ فائرنگ کی آواز نے اس کے جسم کو ایک لمحے کے لیے تو تھرا دیا۔ دوسرے لمحے وہ صورت حال معلوم کرنے کے لیے رنجنا کے کمرے کے دروازے سے اندر گھسا اور اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے منظر دیکھا۔

رنجنا بدستور پستول ہاتھ میں لیے مسکرا رہی تھی۔ ہر دیو نے بیٹے کو پہچان لیا اور زمین پر بکھرنے والے خون کو دیکھ کر چیخا۔ ”ہائے رام، یہ ٹوٹنے کیا کیا تھکاری ارے یہ ٹوٹنے کیا کیا، تیرا ستیاناس۔“

”ماما جی! دیکھ رہی ہوں، جان رہی ہوں، سمجھ بھی رہی ہوں، بڑے بُرے ہوتے ہیں آپ لوگ، بہت بُرے ہوتے ہیں۔ ویرا سنگھ اور جنے تلک سے مجھے سخت نفرت ہے، پر ٹھاکروں نے جو انیائے ڈھا رکھا ہے، وہ اسی طرح کے لوگوں کو جنم دے سکتا ہے، آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔“

”تیرا ستیاناس، جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا، ہائے میرا بیٹا۔“

”چھتا کی بات نہیں ہے ماما جی، اب جی یہ کام شروع ہو ہی گیا ہے تو پھر ایک کیا دو کیا۔ میں جانتی ہوں آپ مجھے جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ پر مرنے سے پہلے اپنے بھائی کا بدلہ لینا چاہتی

ہوں اس لیے معافی چاہتی ہوں شام کر دیں ماما جی، جو کیا ہے وہ آپ بھی بھریں۔“ یہ کہہ کر رنجنا نے دو گولیاں اور داغ دیں اور ہر دیورائے جی بیٹے کی لاش کے اوپر گر پڑے۔ کچھ لمحے تڑپے پھر ساکت ہو گئے۔

رنجنا پر خون سوار تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھی۔ پستول میں ابھی کچھ گولیاں اور باقی تھیں، جنہیں استعمال کرنا چاہتی تھی۔ ملازم فائروں کی آواز سن کر بھاگے اور دروازے پر پہنچے۔ کھلے دروازے سے اندر کا منظر نظر آیا تھا۔ ایک لمحے تک تو صورت حال کو نہ سمجھ سکے، لیکن جب اندر سے تڑاڑا گولیاں چلیں تو ایک دم سے ہوشیار ہو گئے۔

ایک پرانے ملازم نے ہمت کر کے مضبوط دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ رنجنا جو باہر نکلتا چاہتی تھی بند دروازے پر گولیاں برساتی رہ گئی اور پستول خالی ہو گیا۔ ملازموں نے باہر ہا ہا کار مچا دی تھی۔ حویلی کے کئی ملازم اور آگئے اور ایک دوسرے سے صورت حال معلوم کرنے لگے۔ جن ملازموں نے اندر ہر دیورائے اور پر بھود یورائے کی لاشیں دیکھی تھیں، انہوں نے ایک دوسرے کو صورت حال بتائی اور دہشت کی لہر پھیل گئی۔

کسی سمجھ دار ملازم نے پولیس کا نام لیا اور دو ملازم پولیس چوکی سے پولیس والوں کو بلانے پہنچ گئے۔ رنجنا اندر بند تھی۔ دروازہ باہر سے بند نہ ہوتا تو شاید وہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتی۔ کمرے میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے فرار کا راستہ اختیار کیا جائے، چنانچہ مطمئن ہو کر بیٹھ گئی، لیکن اس نے پستول دوبارہ بھر لیا تھا۔

پولیس کو اطلاع ہوئی۔ پولیس کی بھاری نفری پہنچ گئی۔ ملازموں نے بتا دیا کہ رنجنا شاید پاگل ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے ماما اور اس کے بیٹے کو تو گولیاں مار ہی دی ہیں، لیکن نوکروں پر بھی اس نے گولیاں چلائی ہیں۔

پولیس والے بڑی احتیاط سے آگے بڑھے۔ دروازہ کھولا تو اندر سے رنجنا نے پھر گولیوں کی بارش کر دی۔ وہ ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ”آؤ سامنے آؤ، یہ کھلونا چلانا میں نے اسی لیے تو سیکھا ہے کہ تم جیسوں کو جیون سے نجات دلا دوں۔“

”لڑکی تم جو کوئی بھی ہو پولیس سے مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ کتنی گولیاں چلاؤ گی، چلاؤ اور اس کے بعد ہم تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دیں گے، ورنہ پستول باہر پھینک دو۔“

”اس سے کیا ہوگا؟“

”ہم تمہاری حفاظت کریں گے، چقا مت کرو، ہمارا تمہارا کوئی دشمنی کا رشتہ نہیں ہے۔“

پولیس آفیسر اسے نرم الفاظ میں سمجھا رہا تھا۔

رجنٹا نے نہ جانے کیا سوچ کر پستول باہر پھینک دیا تو پولیس آفیسر نے ایک ملازم سے پوچھا۔ ”اندر اور اسلحہ تو نہیں ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے یہ پستول پھینک دیا ہو اور اب اس کے بعد؟“

”پتہ نہیں مہاراج۔“ بہر حال خاصی دیر کھٹکھٹ رہی اور اس کے بعد رجنٹا کھلے دروازے سے خود ہی باہر آگئی۔ پولیس والے فوراً اس پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے اس کی کلاں پکڑ لی تھیں۔ رجنٹا نے خاموشی سے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

+++++

راجیش گور نے اپنی دانست میں بہت مضبوط جال بچھایا تھا۔ اخبارات میں گوتم داس کے گھر اور راستے میں ملنے والی ایک دیہاتی معصوم سی لڑکی کے بارے میں خاصی نمایاں خبریں شائع ہوئی تھیں اور راجیش گور کو بس اس بات کا انتظار تھا کہ ویرا سنگھ اخبارات میں یہ خبر دیکھ کر اس طرف رخ کرے۔

بہر حال یہ ایک چال تھی جس میں کامیابی بھی ہو سکتی تھی اور وہ ناکام بھی رہ سکتا تھا۔ ادھر بے چاری سیتا نے کبھی گونا گڑھی کے علاوہ کوئی دوسرا شہر نہیں دیکھا تھا۔ معلومات اسے بے شک بہت سی باتوں کی تھیں لیکن محدود زندگی گزاری تھی۔ یہاں گوتم داس کی حویلی میں آنے کے بعد وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ کاشی رام بے چارے کو اتنا موقع نہیں مل سکا تھا کہ بیٹی کو صورت حال سے آگاہ کر سکے۔ گوتم داس ایک کاروباری آدمی تھا، لیکن راجیش گور اسے اس کی ایسی رشتے داری تھی کہ وہ راجیش گور کے منصوبے پر دل سے نہ چاہنے کے باوجود عمل کرنے پر راضی ہو گیا تھا اور اس نے سیتا کو بڑی حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔

ادھر سیتا کے دماغ میں کچھ بڑی پک رہی تھی۔ اڑتی اڑتی خبروں سے اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ ان لوگوں نے ویرا سنگھ کو پکڑنے کے لیے یہ جال بچھایا ہے۔ ویرا سنگھ کے اور اس کے معاملات بڑے عجیب تھے۔ نہ جانے کب سے دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ویرا سنگھ شروع ہی سے ایک پراسرار طبیعت کا مالک تھا۔ سیتا اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے چاہتا ہے۔ دونوں ہی خاموشی سے آنے والے وقت کا انتظار کر رہے تھے کہ یہ افتاد پڑ گئی تھی۔

بہر حال سیتا سوچوں میں گم تھی اور اس کے دل میں یہی خیال تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل بھاگے۔ راجیش گورانے حویلی کے اطراف میں پولیس کا معقول پہرہ بٹھا رکھا تھا۔ پولیس والے سادہ لباسوں میں ادھر ادھر چھپے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ کئی دن گزر چکے تھے اور ڈاکو دیرانگھ نے اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا، اس لیے ان کے انداز میں تھوڑی سی غفلت آگئی تھی اور سیتا نے اسی غفلت سے فائدہ اٹھایا۔

اس رات جب حویلی کے سارے لوگ سو گئے تو وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی اور حویلی کے پچھلے حصے کی جانب چل پڑی۔ یہاں ایک جگہ ایسی تھی جہاں سے باہر نکلا جاسکتا تھا، چنانچہ وہ اس جگہ سے باہر نکل آئی اور پھر رات کی تاریکی میں چل پڑی۔ پتہ نہیں اس کی خوش قسمتی تھی یا پولیس والوں کی غفلت کہ انہوں نے اسے نہیں دیکھا اور وہ چلتی چلی گئی۔

پھر نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر کے وہ ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں سے ریل کی پٹریاں گزر رہی تھیں۔ وہ ریل کی پٹریوں کے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور آخر کار اسٹیشن تک پہنچ گئی۔

وہ ریلوے اسٹیشن پر کھڑی ہوئی تھی کہ ایک گاڑی دور سے چمک چمک کرتی آئی نظر آئی اور مسافروں میں ہلچل مچ گئی۔ بے شک مسافر زیادہ نہیں تھے، لیکن اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ ریل میں سوار ہونا چاہتے ہیں۔ پھر وہ خود بھی ایک ریل کے ڈبے میں سوار ہو گئی۔ ڈبے میں تھوڑے ہی لوگ تھے۔ وہ سبھی کبھی ایک سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کی سیٹ کے عین سامنے ایک موٹی سی خاتون ساڑھی باندھے بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے بہت غور سے سیتا کو دیکھا تھا۔ سیتا گردن جھکائے بیٹھی رہی۔ موٹی خاتون انتظار کرتی رہیں کہ شاید اس کے ساتھ کوئی اور بھی آئے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد ریل نے اسٹیشن چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئی۔

تب اس عورت نے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو بے پوری صافہ باندھے ہوئے تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ اس کا چہرہ کافی خطرناک نظر آتا تھا۔ اس خاتون نے اس شخص کو آنکھ سے اشارہ کیا، اس نے ان کے اشارے پر سیتا کی طرف دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا تھا۔

سیتا اس اشارے بازی سے بالکل بے خبر گردن جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ نہ جانے کیا کیا خیالات اس کے دل میں آرہے تھے۔ اسے احساس تھا کہ اس کا باپ اس کی وجہ سے مشکل میں پڑنے والا تھا۔ اس کا دل بُری طرح ڈر رہا تھا، اب تک وہ نہ جانے کس طرح صبر کئے ہوئے

تھی۔ اس وقت ان لوگوں کے چنگل سے نکل کر اس نے بڑی ہمت کا ثبوت دیا تھا۔ ٹرین آگے بڑھتی رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹی ٹی آ گیا۔ وہ لوگ سے ٹکٹ طلب کرتا پھر رہا تھا اور ان کے ٹکٹ دیکھ دیکھ کر انہیں واپس کر رہا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ سیتا کے پاس پہنچ گیا۔
 ”تمہارے ساتھ کون ہے؟“ اس نے سیتا سے سوال کیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

”ٹکٹ دکھاؤ۔“ ٹی ٹی نے کرخت لہجے میں کہا اور وہ خشک ہونٹوں پر زہان پھیرنے لگی۔
 ”بی بی میں نے تم سے ٹکٹ مانگا تھا؟“

”مم..... میں میں.....“

”ادھر ٹکٹ کلکٹر صاحب ادھر۔“ اچانک ہی موٹی عورت نے ٹی ٹی کو اپنی جانب مخاطب کر لیا۔

”ان کا ٹکٹ آپ کے پاس ہے؟“

”ہاں آپ آئیے، یہ بے چاری ذرا دیر سے آئی تھی۔ میں اس کا ٹکٹ نہیں خرید سکی، آپ اس کا ٹکٹ بنا دیجئے۔“

ٹی ٹی نے اس کا ٹکٹ بنا کر موٹی عورت کے حوالے کر دیا اور موٹی عورت نے اسے رقم ادا کر دی۔ ٹی ٹی آگے بڑھ گیا، سچی موٹی عورت نے اسے اشارہ کر کے کہا۔ ”بہنا ادھر آ جاؤ، تم سے کچھ باتیں ہی کی جائیں، کافی جگہ ہے یہاں آ جاؤ۔“ موٹی عورت نے کہا اور سیتا لرزتے قدموں سے انھی اور اس کے پاس جا بیٹھی۔

”کہاں سے آ رہی ہو؟“

”مم..... مجھے نہیں معلوم۔“

”اچھا اچھا چنتا مت کرو، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹھو بیٹھو آرام سے بیٹھو، ٹھہرو ایک منٹ۔“ یہ کہہ کر موٹی عورت نے اپنے برابر کھی ہوئی باسکٹ میں سے کولڈ ڈرنک کی ایک بوتل نکالی اور گلاس نکال کر آدھا گلاس کولڈ ڈرنک سے بھرا سے دیتی ہوئی بولی۔ ”لو یہ پی لو، گھبراؤ نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

سیتا کو شدید پیاس لگ رہی تھی، موٹی عورت کا ہمدردانہ لہجہ محسوس کر کے اس نے گلاس

لے لیا اور اس کے گھونٹ لینے لگی۔ چند ہی لمحوں میں اس نے گلاس خالی کر دیا تھا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”سیتا۔“

”اچھا اچھا، کہاں کی رہنے والی ہو؟“

”گگ..... گونا، گونا گڑھی میں رہتی تھی۔“

”گونا گڑھی..... اچھا پہلے کبھی یہ نام نہیں سنا۔“

”میرا گھر اُدھر ہی ہے۔“

”یہاں کہاں آگئی تھیں؟“

”بس..... مم..... میں نہیں جانتی۔“

”کوئی بات نہیں، میرا نام کرنا دتی ہے تم بالکل چتا مت کرو، کیا تمہیں کسی سے کوئی خطر

ہے؟“

”ہاں۔“

”بالک چتا مت کرو، اگر کسی نے تمہیں چھونے کی کوشش بھی کی تو میں اس کے ہاتھ کٹو

دوں گی، مجھے اپنی ماما سمان سمجھو۔“ کرنا دتی نے کہا اور سیتا کو ایک ڈھارس کا سا احساس ہوا۔

کرنا دتی اس سے باتیں کرتی رہی، تھوڑی دیر میں سیتا نے محسوس کیا کہ وہ ایک انتہائی

مشفق اور مہربان عورت ہے۔ اس نے کہا کہ سیتا بالکل پروانہ کرے، وہ اسے اپنے ساتھ لے

جائے گی اور پھر جیسا وہ چاہے گی وہ کرے گی۔

کرنا دتی نے ایسا ہی کیا، وہ اسے ساتھ لے کر ایک شہر پہنچ کر اسٹیشن پر اتری، بڑی

مونچھوں والا شخص اب اس کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ایک تانگہ کیا اور چل پڑے۔ پھر جہاں

سیتا پہنچی وہ عجیب سی جگہ تھی۔ سیتا کو اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ کون سی جگہ

ہے۔

وہ میڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچی، یہاں دو تین لڑکیاں اور بھی تھیں۔ سب ایک دوسرے

سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ عجیب سا حلیہ بنا رکھا تھا انہوں نے، سیتا کو دیکھ کر وہ سب موٹی

عورت کے گرد جمع ہو گئیں۔

”یہ کون ہے ماما جی؟“

”میری بیٹی ہے، خبردار تم لوگوں میں سے کسی نے اس سے کوئی غلط بات کی، اسے اپنی بہنوں کی طرح اپنے ساتھ رکھو۔“

اور واقعی وہ لوگ دس دن تک سیتا کی اس طرح دیکھ بھال کرتی رہیں کہ وہ ان سے شرمندہ ہوگئی، لیکن اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شام ہوتے ہی یہاں جو محفلیں لگتی ہیں ان کا مقصد کیا ہے، سیتا گھبرائی تو تھی لیکن کرتی تو کیا کرتی۔ ایک طرف یہ خطرہ تھا کہ پولیس آفیسر راجیش گوراس کی تلاش میں ہوگا، پتہ نہیں اس نے ہتاجی کو کیا نقصانات پہنچائے ہوں گے۔

دس گیارہ دن کے بعد کرناؤتی نے اس سے کہا۔ ”سیتا! تم نے اپنے بارے میں کھل کر مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو۔ اب کافی دن ہو گئے ہیں تم نے یہاں کا ماحول دیکھ لیا، اگر تم مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بھی بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ، لیکن میں تمہیں آگے کے بارے میں بتا دوں۔ وہ بڑی مونچھوں والا جس کا نام تمہیں پتہ چل وہ گیا کہ جگو ہے۔ بہت خطرناک آدمی ہے، بندے کو مار دینا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے، میں چاہتی ہوں کہ تم بھی یہاں کے رنگ ڈھنگ سیکھ لو۔ یہاں سے نکلنا اب تمہارے لیے ممکن نہیں ہے، جیسے یہ لڑکیاں کرتی ہیں، ویسے ہی تمہیں کرنا ہوگا، اسی میں تمہاری نجات ہے، ورنہ جگو تمہیں چھرا مار کر ہلاک کر دے گا۔ نو لڑکیوں کو مار چکا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم دسویں نہ ہو۔“

سیتا لرز کر رہ گئی تھی، دروازے میں اس نے جگو کو دیکھا تھا، جگو کو دیکھ کر ویسے بھی اسے انتہائی خوف محسوس ہوتا تھا۔ مشکل میں گھر گئی تھی۔ پتہ نہیں آگے تقدیر کیا فیصلہ کرے، اس نے خاموشی سے گردن جھکا دی اور بولی۔ ”جیسا آپ کا حکم ہوگا۔ ماتاجی۔“

کرناؤتی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

+++++

شرن گپتا کے چہرے پر موت کی زردی کھنڈ گئی تھی۔ ویراسنگھ نے اس کا گریبان پکڑ کر کھڑا کر دیا اور بولا۔ ”منش کبھی کبھی اپنے آپ کو اس طرح بھول جاتا ہے کہ بعد میں اسے خود پر یقین نہیں آتا۔ شرن گپتا تو نے انسانوں کا جینا حرام کر دیا تھا، زمینیں نیلام کر دیتا تھا، جائیدادیں قرق کر لیتا تھا۔ کس دن کے لیے شرن گپتان، کیا ایسے دن کے لیے۔“

”مم..... میں میں..... تم کیا چاہتے ہو؟“ شرن گپتا نے بمشکل تمام منہ سے آواز نکالی۔

”ڈاکو کیا چاہتا ہے شرن گپتان؟“

”دولت۔“ شرن گپتا نے کہا۔

”ہاں، وہ دولت جو تم نے غریبوں کا خون چوس چوس کر حاصل کی ہے۔“

”کتنی دولت چاہئے تمہیں؟“ شرن گپتا نے سوال کیا۔

”جتنی بھی تمہارے پاس ہے۔“

”سبس..... سب نہیں دوں گا۔“ شرن گپتا عجیب سے انداز میں بولا۔

”نہ دو تمہاری موت کے بعد ہم خود تلاش کر لیں گے اور جس نے بھی ہمارا راستہ روکا

اسے تمہارے ساتھ ہی بھیج دیا جائے گا۔“

”بب..... بکواس کک..... کر رہے ہو، میں پوچھتا ہوں.....“ شرن گپتا ایک دم طیش

میں آگیا۔

تب جبے تلک کا الٹا ہاتھ اس کے جڑے پر پڑا اور شرن کی بانجھوں سے خون بہہ نکلا، وہ

گرتے گرتے بچا تھا۔ اسی وقت دیرا سنگھ نے ایک زوردار لالت اس کے پیٹ پر رسید کی اور وہ

چنچ مار کر نیچے گر پڑا۔

تب دیرا سنگھ اس کے قریب پہنچ گیا اور اس نے اپنا پاؤں شرن گپتا کی ٹھوڑی پر رکھ دیا۔

”یہیں دبا کر سارے دانت حلق میں اتا دوں گا، کیا سمجھا ورنہ ہوش میں آجا۔“ یہ کہہ کر وہ

جھکا اور اس نے ایک جھٹکے سے شرن گپتا کا گریبان پکڑ کر اسے اوپر اٹھالیا۔ شرن گپتا ندی طرح

کانپ رہا تھا۔ ایک بار پھر دیرا سنگھ نے اس کے جڑے پر ایک الٹا ہاتھ رسید کیا اور بولا۔

”تجوری کی طرف چلتے ہوئے تم نے کسی کو آواز دینے کی کوشش کی شرن گپتا تو اپنے آپ سے

ہی نہیں اس سے بھی دشمنی کرو گے جو سامنے آئے گا۔ اسے دیکھتے ہی گولی ماردی جائے گی۔ چلو

اب احتیاط سے آگے بڑھو۔“

شرن گپتا طوعاً و کرہاً چل پڑا تھا۔ جبے تلک اور ہری لعل کو باہر کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیا

گیا اور دیرا سنگھ، دھرم سنگھ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ گپتا جی نے اپنی دھوتی سے چابیاں

کھولیں۔

اور اندرونی کمرے کی طرف چل پڑے۔ جہاں دیوار میں ایک بہت بڑی تجوری موجود

تھی۔ انہوں نے خود ہی اپنے ہاتھوں تجوری کھولی۔ تجوری نوٹوں سے کچا کچج بھری ہوئی تھی۔

دیرا سنگھ نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ گپتا جی پر ڈالی اور بولا۔ ”اس دولت میں تمہیں غریبوں اور

مفلوکوں کا خون نظر آتا ہے گیتاجی.....؟“

”تم اس میں سے اپنا حصہ لے لو اور بے کار باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔“

”تم اس سنسار کو چھوڑ دو۔“ ویراسنگھ نے جملہ پورا کرتے ہی گیتاجی کو دبوچ لیا۔

ویراسنگھ دبلے پتلے بدن کا مالک بے شک تھا، لیکن گونا گڑھی کے رہنے والے اچھی طرح جانتے تھے کہ ویراسنگھ بگڑے ہوئے سانڈ کی گردن موڑ کر اسے نیچے گرا دیتا ہے۔ شرن گیتا کسی چڑیا کی طرح ویراسنگھ کے شکنجے میں پھنسا ہوا تھا اور اس کی زبان باہر نکل پڑی تھی۔ ویراسنگھ نے اسے گردن دبا کر ہلاک کر دیا۔ گولی اس لیے نہیں چلائی کہ آواز نہ ہو۔ پھر اس نے دھرم سنگھ سے کہا۔ ”قیمتی زیورات اور سونے کے سکے چادر میں باندھ لو اور یہ سارے نوٹ بھی۔“

دھرم سنگھ ایسے کاموں کا ماہر تھا اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا کام مکمل کر لیا تھا، لیکن پھر اچانک ہی ان لوگوں کو سنبھلنا پڑا وہ آڑ میں آ گئے۔

جے تلک نے اطلاع دی۔ ”ایک تھانے دار جو پہلے بھی یہاں موجود تھا کچھ سپاہیوں کے ساتھ دوبارہ آیا ہے۔ اس نے ایک ملازم کو اندر بھیجا ہے اور کہا ہے کہ وہ گیتاجی سے ملنا چاہتا ہے۔“

”اس ملازم کا کیا ہوا.....؟“ ویراسنگھ نے سوال کیا۔

”وہ میں نے پکڑ لیا ہے اور ہری لعل باہر گیا ہے، میں نے تھانے دار کو اندر بلا لیا ہے۔“ جے تلک نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

باہر قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ سنائی دی تو جے تلک اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ ہری لعل، شرن گیتا، کے نوکر کی حیثیت سے تھانے دار کے ساتھ اندر آ رہا تھا، جے تلک نے بھی رخ بدل لیا۔

تھانے دار آتے ہی شروع وہ گیا۔ ”کوئی پتہ نہیں چل سکا لالہ جی، مجھے گئے ہوئے ہی کتنی دیر ہوئی ہے، البتہ میں نے چار سپاہی حویلی کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیئے ہیں۔ مجھے تو رات بھر گشت کرنا ہے، کوئی بات ہو تو آپ مجھے فوراً ہی خبر کرا دیں۔“

”کیا ضروری ہے تھانے دار جی کہ وہ شہر ہی میں ہو؟“ جے تلک نے بھاری لہجہ

میں کہا۔

”ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ واردات کرتے ہی شہر سے نکل گیا ہو۔“ تھانے دار نے کہا اور اچانک ہی وہ خاموش ہو گیا۔ اسے ایک دام احساس ہوا تھا کہ جو آواز اس سے مخاطب ہے وہ شرن گپتا کی نہیں ہے۔ اس احساس کے ساتھ اس کا ہاتھ پستول پر پڑا، لیکن اسی وقت اس کی دونوں ٹانگیں زمین سے بلند ہو گئیں اور چہرہ زمین سے ٹکرا گیا اور وہ دونوں ہاتھوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ البتہ اس نے اس دوران پستول نکال لیا تھا۔

پھر اس نے چیخنے کی کوشش کی، لیکن جے تلک نے دونوں ہاتھوں کے ٹکچے سے اس کی گردن کس لی۔ اس لیے کوئی آواز نہیں نکل سکی اور وہ تکلیف کے عالم میں ہاتھ پاؤں پٹختے لگا اور کچھ ہی دیر کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔

جے تلک کی گرفت بھی معمولی نہیں تھی، وہ جانتا تھا کہ ویرا سنگھ اس وقت کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہے، اس لیے اس نے تھانے دار کی گردن اس زور سے دبائی کہ تھانے دار کے حلق سے چند خراہٹوں کے بعد اور کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ جب جے تلک کو یہ اندازہ ہو گیا کہ تھانے دار اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو اس نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا اور پھر وہ اس کا لباس تارنے لگا۔ اس نے کہا۔ ”جاؤ ہری لعل کم از کم تین سپاہیوں کو اندر لے آؤ، ویسے کتنے سپاہی باہر ہیں؟“

”اتفاق سے تین ہی ہیں، گھوڑوں پر آئے تھے اور انہیں سیکورٹی کے لیے باہر پھیلا دیا ہے۔“ ہری لعل نے جواب دیا۔

”لے آؤ پھر ان تینوں کو بھی۔“ جے تلک نے ہنس کر کہا اور ویرا سنگھ اس کا مقصد سمجھ گیا۔ تین سپاہی اندر آئے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا، یہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور اس کے بعد ان کی وردیاں اتار کر پہن لی گئیں، یہ وردیاں اس وقت بہت کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں اسی لیے یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ تھانے دار کی وردی ویرا سنگھ نے پہن لی، تھوڑی سی ڈھیلی تھی لیکن پھر بھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پھر ویرا سنگھ نے کہا۔ ”ہاں جے کام ہو گیا، چلو اب یہاں سے سیدھے رام سروپ کے گھر چلتے ہیں۔“

جے تلک نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“

راستے میں کئی جگہ انہیں پولیس گشت ملا، لیکن کسی نے ان پر توجہ نہیں دی اور آخر کار وہ

رام سروپ کے گھر پہنچ گئے۔ ویرا سنگھ نے رام سروپ کے گھر کے دروازے پر دستک دی اور اندر کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھل گیا اور ایک بوڑھے نے باہر جھانکا۔

”کون ہو بھائی کہاں سے آئے ہو اس سے؟“
 ”رام سروپ جی کا گھر یہی ہے۔“ ویرا سنگھ نے سوال کیا۔
 ”ہاں یہی ہے، مگر وہ تو.....“

”ہاں جی..... میں رام سروپ سے مل کر آیا ہوں، اسی نے اس گھر کا پتہ بتایا تھا، بابا جی یہ ایک بھینٹ رکھ لیں اور جب رام سروپ آپ سے ملنے آئے تو اس سے کہہ دیں کہ اس کے دوست نے اس کا قرضہ وصول کر لیا ہے۔“ ویرا سنگھ نے ایک پوٹلی بوڑھے کو دیتے ہوئے کہا۔
 ”اگر تم رام سروپ کے دوست ہو بیٹا تو ٹھہرو میں اندر انتظام کرتا ہوں کچھ دیر رک جاؤ۔“ بوڑھے نے پوٹلی لیتے ہوئے کہا۔ اس پوٹلی میں اتنا کچھ تھا کہ رام سروپ رئیس بن کر ساری زندگی گزار سکتا تھا۔

”نہیں بابا جی آپ اس پوٹلی کو سنبھال کر رکھ لیں۔ اس سے میں نہیں رک سکتا، ہاں پھر کبھی ادھر سے گزر ہوا تو ضرور آؤں گا۔“
 ”تمہارا نام کیا ہے بیٹا.....؟“

”یہ بھی آپ کو رام سروپ ہی بتائے گا۔ دوبارہ آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اس پوٹلی کو سنبھال کر رکھیں اور رام سروپ کے سوا کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور پھر بوڑھے کی بات سننے بغیر اس نے گھوڑا موڑ لیا۔

اب ان لوگوں کا رخ بابولل کے گھر کی طرف تھا۔ اگر یہ لوگ پولیس کی وردی میں نہ ہوتے تو اس وقت شہر میں نقل و حرکت کسی طور ممکن نہیں تھی۔ نہ جانے کہاں سے اس چھوٹے سے شہر میں اتنی پولیس آگئی تھی۔ چپے چپے پر پولیس والے گھوم رہے تھے۔ کسی نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آخر کار وہ بابولل کے اڈے پر پہنچ گئے۔

اس کے دروازے پر پہنچ کر ویرا سنگھ نے ایک بار پھر دستک دی۔ بابولل بڑی مشکل سے جاگا تھا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ ان لوگوں کو نہ پہچان سکا، البتہ بعد میں وردی اور پولیس کے گھوڑوں کو دیکھ کر متعجب رہ گیا تھا۔

”پپ..... پولیس۔“ اس کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی۔ ”کیا بات ہے داروغہ جی خیریت تو ہے.....؟“

”ہاں بابولعل جی بالکل خیریت ہے لیکن میں داروغہ نہیں ہوں، بلکہ تمہارے بچپن کے دوست رام سروپ کا دوست ہوں۔“ ویراسنگھ نے کہا۔
بابولعل آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اس کے چہرے پر سنسنی کے آثار پھیل گئے، پھر اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”گھوڑوں سے اتر آؤ مہاراج، لاؤ میں گھوڑے پچھواڑے باندھ آؤں۔“ بابولعل کی آواز کپکپا رہی تھی۔

ویراسنگھ گھوڑے سے اتر آیا اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی۔ بابولعل گھوڑے لے کر چل پڑا اور تقریباً پانچ منٹ کے بعد واپس آ گیا۔
”اندر آ جاؤ ویرے مہاراج، بڑے بھاگ ہیں میرے کہ آپ جیسے مہان انسان سے بھیٹ ہوئی۔“

”لگ رہا ہے رام سروپ نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا ہے۔“ ویراسنگھ نے اندر داخل ہو کر کہا۔

”چٹھی آئی ہے اس کی میرے پاس، میرا ٹک گیا تھا، واپس آیا تو مجھے رام سروپ کی چٹھی بھی ملی، اس نے لکھا ہے کہ ممکن ہے تم میرے پاس آؤ، میں تو خود تمہارا پرستار ہوں ویراسنگھ مہاراج، مجھ جیسے معمولی انسان کی ایسی تقدیر کہاں تھی کہ آپ کے درشن ہوتے۔“
”جب رام سروپ نے تمہیں میرے بارے میں بتا ہی دیا ہے بابولعل تو پھر میں بھی کچھ باتیں کر لوں تم سے۔“

”داس ہوں آپ کا، ویسے ویرے مہاراج آپ ہی ہیں نا؟“ بابولعل نے کہا۔
”ہاں اور یہ میرے ساتھی جنے تلک، ہری لعل اور دھرم سنگھ ہیں۔“ ویراسنگھ نے کہا پھر بولا۔ ”تمہیں شرن گپتا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں بابولعل؟“

”شیطان کو کون نہیں جانتا مہاراج، ہزاروں بے بسوں کا خون اس کی تجوری میں بند ہے۔ سیڑوں گھروں کو برباد کر دیا ہے اس نے۔ خود میرا یار رام سروپ اسی کا ستایا ہوا ہے، اسے نہ جانوں گا تو پھر کسے جانوں گا۔“ بابولعل نے کہا۔

”فکر مت کرو اب وہ کسی کو نہیں ستائے گا، میں نے اس سے حساب کر لیا ہے۔ ہاں تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے، لیکن بابلعل بڑی ایمانداری سے اور سوچ سمجھ کر، کرو گے؟“

”پوچھو مت ویرے مہاراج بس حکم دو۔“ بابلعل بولا۔

ویرا سنگھ نے وہ گٹھری کھول دی جس میں دولت کے انبار تھے، بابلعل کا سانس بند ہونے لگا تھا اتنی دولت دیکھ کر۔ ویرا سنگھ نے اس میں سے نوٹوں کی بہت سی گڈیاں اٹھا کر جیبوں میں ٹھونس لیں اور پھر تینوں ساتھیوں کو بھی اشارہ کیا۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، لیکن اب بھی گٹھری زیورات اور نوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔

ویرا سنگھ نے بابلعل کو اشارہ کیا اور بولا۔ ”یہ دولت تمہارے پاس میری امانت ہے، لیکن تم اسے محفوظ نہیں رکھو گے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اسے ان لوگوں پر خرچ کرو گے جو شرن گپتا کے ستائے ہوئے ہیں، کسی نام کی ضرورت نہیں ہے، کوئی حساب رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بس خاموشی سے ان لوگوں کی مدد کرنا، بولو بابلعل، کام مشکل تو نہیں ہے۔“

”بہت مشکل ہے مہاراج، بہت بڑی ذمہ داری ہے یہ۔“ بابلعل پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

”تمہیں یہ ذمہ داری اٹھانا ہوگی بابلعل۔“

”جو حکم۔“ بابلعل بولا۔

پھر ویرا سنگھ نے دونوں مٹھیوں میں زیورات بھرے اور نوٹوں کی بہت سی گڈیاں اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں اور بولا۔ ”یہ موڈی کے مال میں تمہارا حصہ ہے، اب تم بھی اس ڈاکے میں شریک ہو گئے، رام سروپ کا حصہ میں اس کے پتا کو دے آیا ہوں۔“

”اوہ ویرے مہاراج یہ بہت ہے۔“ بابلعل کی آواز لرز رہی تھی۔

”اس جھگڑے کو اب ختم کریں، اس مال کو محفوظ کر دو، اس کے بعد یہ بتاؤ کہ ہمیں دہلی کیسے پہنچاؤ گے.....؟“

”کب جائیں گے مہاراج؟“ بابلعل بولا۔

”آج ہی رات خورجہ چھوڑ دینا چاہتا ہوں کیونکہ پولیس شہر کے چپے چپے پر مجھے تلاش کر

رہی ہے۔“

”کوئی چٹا نہیں۔ میں خود آپ کو دہلی چھوڑنے چلوں گا۔ ایک ٹرک پر مال لد گیا ہے،

رات کو ساڑھے گیارہ بجے میں نے ایک ٹرک دہلی بھیجا ہے، دوسرا تیار کھڑا ہے، اسے صبح سرات بجے جانا تھا، لیکن وہ ابھی جائے گا، آپ آرام کریں میں انتظام کر کے آتا ہوں۔“ بابوعل نے کہا۔

ویرا سنگھ مطمئن ہو گیا تھا، بابو لال نے تمام انتظامات کئے اور پھر رات کی تاریکی میں ٹرک نے خورجے سے دہلی کا سفر شروع کر دیا، بابوعل ان کے ساتھ تھا۔

فضا میں جس چھپا ہوا تھا، نہ جانے کیوں یوں لگا رہا تھا جیسے کوئی اہم واقعہ ان کا انتظار کر

رہا ہو۔

✦=====✦=====✦

یہ اس کتاب کا اختتام ہے

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ بابولعل نے ٹرک کی رفتار کافی تیز رکھی تھی۔ راستے میں وہ لوگ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ بابولعل نے سوال کیا۔

”آپ نے پہلے دلی دیکھی ہے؟“

”نہیں، ہم پہلی بار دہلی جا رہے ہیں، ویسے ایک بات بتاؤ بابولعل۔ ہمارے پاس ہتھیار ہیں، ان ہتھیاروں کو ساتھ لے کر سڑکوں پر نہیں پھرا جاسکتا، ہم انہیں کہیں چھپانا چاہتے ہیں۔“

”اس کی آپ چٹانہ کریں مہاراج۔ بے شمار جگہیں ہیں۔ ویسے آپ لوگ دہلی میں ہوٹل میں ہی ٹھہریں گے نا؟“

”ہاں ظاہر ہے۔“

”تب دھن راج ہوٹل ٹھیک رہے گا، صاف ستھرا بھی ہے، کھانا پینا بھی اچھا ہے، سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے تھوڑے فاصلے پر ٹوٹی باؤلی کا علاقہ ہے، ہم بندوقیں باؤلی میں چھپا سکتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر انہیں فوراً حاصل کیا جاسکتا ہے۔“

ٹھیک، بہت اچھی بات ہے، پہلے باؤلی کے پاس رک جانا اس کے بعد ہوٹل سے کچھ دور اتار دینا۔“

”ٹھیک ہے، ویسے میں آپ کو ہوٹل جانے والی تمام سڑکوں اور وہاں کے مشہور بازاروں کے بارے میں بتائے دیتا ہوں۔“

ان لوگوں نے بابولعل کی باتیں بڑے غور سے سنی تھیں اور انہیں ذہن نشین کر لیا تھا۔ ٹوٹی باؤلی کھنڈروں کا علاقہ تھا۔ وہاں پہنچ کر بابولعل نے ٹرک روک دیا اور وہ لوگ نیچے اتر آئے۔

کچھ دیر کے بعد یہاں ہتھیار چھپا دیئے گئے اور اسی جگہ لباس بھی تبدیل کر لئے گئے، پھر وہ سب دھن راج ہوٹل پہنچ گئے۔ جہاں انہیں کمرے حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی

تھی، نیند اور تھکن سے ان کی بُری حالت تھی اس لیے سب نے سونے کا فیصلہ کیا اور دوسرے دن بارہ بجے تک سوتے رہے۔

نہادھو کر صبح کا ناشتہ کیا۔ پرانی طرز کی دو منزلہ عمارت تھی مگر صاف ستھری تھی۔ ناشتے کے بعد وہ بازار کی سیر کو نکلے اور ایک تانگے میں سوار ہو کر چل پڑے، پھر ایک بڑے بازار میں انہوں نے تھوڑی سی خریداری کی اور بہت دیر تک بازاروں میں گھومتے رہے۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد سوچا جانے لگا کہ آگے کیا کرنا ہے۔

”میرا خیال ہے ویرا سنگھ جی یہاں دلی میں ہمیں اپنی آمد کی خبر کر دینی چاہئے۔“
 ”وہ کیسے؟“

”کل کر دیں گے ہم؟“ جے تلک نے کہا اور ایک دم ہنس پڑا۔ ویرا سنگھ کو اس نے پوچھنے کے باوجود تفصیل نہیں بتائی تھی، البتہ دوسرے دن جو واقعات پیش آئے انہیں اخبارات نے بڑا بڑا چڑھا کر پیش کیا تھا اور تفصیل کچھ یوں تھی کہ خورجے کی خوزیز ڈکیتی کے بعد یہی سوچا جا رہا تھا کہ ویرا سنگھ دہلی ضرور آئے گا۔ چنانچہ اب اندازہ ہو گیا ہے کہ ویرا سنگھ دہلی پہنچ چکا ہے، جبکہ اعلیٰ آفیسر راجیش گورا اس کی تلاش میں خورجے کے آس پاس مارا مارا پھر رہا ہے۔

اطلاع کے مطابق تین پولیس اسٹیشنوں میں دھوبیوں کی یلغار ہو گئی، وہ اپنے گدھوں کی چوریوں کی رپورٹیں درج کرانے آئے تھے، اسٹیشن انچارج سخت حیران تھے کہ ایک ہی دن میں اتنے سارے گدھے کون چرا کر لے گیا۔ بعد میں یہ گدھے راجیش گورا کے دفتر سے دستیاب ہوئے، چونکہ انہوں نے دارالحکومت میں ویرا سنگھ کی گرفتاری کے سلسلے میں اپنا الگ دفتر قائم کیا ہے اور راجیش جی اس وقت دلی میں موجود نہیں ہیں اس لیے دفتر کی نگرانی صرف دو سپاہی کر رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ تین افراد دان گدھوں کو ہانکتے ہوئے لائے تھے۔

سپاہیوں نے انہیں عمارت میں داخل ہونے سے روکا تو ان میں سے ایک نے سپاہیوں پر حملہ کر دیا اور ان کے سر پر سریے مار کر انہیں بے ہوش کر دیا۔ رات کا وقت تھا، علاقے کے لوگوں کی اس وقت کی نیندیں حرام ہو گئیں، جب اچانک نئے قائم کئے ہوئے دفتر سے بے شمار گدھوں کے ریٹکنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

وہ سب عمارت کے گرد جمع ہو گئے تھے، اندر گدھوں کا باقاعدہ ”اجلاس“ جاری تھا۔ چونکہ پولیس کی عمارت تھی اس لیے لوگ اندر نہیں داخل ہوئے، لیکن فوری طور پر اس

علاقے کے تھانے دار کو اطلاع دی گئی، تھانے دار صاحب نے اس عمارت کو کھولا تو گدے نکل بھاگے۔ ان کی گردنوں میں اعلیٰ افسروں کے ناموں کی تختیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ کسی کے گلے میں ٹائی بندھی ہوئی تھی تو کسی کے سر پر بیٹ تھا۔ ایک گدھے کے گلے میں راجیش گوراجی کے نام کی تختی بھی لٹکی ہوئی تھی اور اس کے پاس سے ایک کاغذ برآمد ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

”دیر اسٹگھ، راجیش گورا کا دہلی میں سواگت کرتا ہے۔“

لوگوں پر نہ جانے ان خبروں کا کیا رد عمل ہوا تھا، لیکن دیر اسٹگھ خوب ہنسا تھا، پھر وہ بولا۔
 ”اب ہمارے راجیش گورا مہاراج واپس آئیں گے۔ تم نے یہ کر تو ڈالا ہے جیسے، مگر اب ان کا سواگت بھی ایسا ہی ہونا چاہئے، میرے من میں ایک ترکیب ہے۔“ اس نے اپنے ساتھیوں کو پوری بات بتائی۔

جسے تلک نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے، سارے انتظامات آج ہی کرنے ہیں۔“
 راجیش گورا خورجے سے دہلی آیا اور اسے دفتر میں گدھے باندھ کر اس کے منہ پر کا لک لگانے کی اطلاع ملی تو اندر سے اس کی نہ جانے کیا کیفیت ہوئی تھی۔ اس نے کئی دن پہلے اخبارات کے ذریعے ایک چال چلنے کی کوشش کی۔ پتہ نہیں کہ دیر اسٹگھ نے وہ اخبارات دیکھے تھے یا نہیں، بہر حال وہ منتظر تھا۔ البتہ اسے اندر ہی اندر یہ احساس تھا کہ اس کی ساری شہرت خاک میں ملتی جا رہی ہے۔ وہ انتہائی غصے میں آ گیا تھا۔

ادھر جب دیر اسٹگھ کی دہلی میں آمد کی اطلاع ہوئی تو سرمایہ داروں میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے حکومت سے رابطے شروع کر دیئے کہ دیر اسٹگھ کی دہلی آمد ایک بُرا شگون ہے، اس سلسلے میں ایک بہت بڑے افسر اعلیٰ نے راجیش گورا کے ساتھ مل کر کچھ منصوبے ترتیب دیئے۔ افسر اعلیٰ کا نام درلش ورما تھا۔

ایک شام درما کو اطلاع ملی کہ ایک ہوٹل کا بیران سے ملاقات کے لیے آیا ہے۔ بیرے نے کھلوایا تھا کہ وہ دیر اسٹگھ کے بارے میں اطلاع لے کر آیا ہے۔ اس لیے فوراً ہی اسے اندر بلا لیا گیا۔ درما صاحب کے آفس میں راجیش گورا بھی موجود تھا، آنے والا ایک درمیانی سی شخصیت کا آدمی تھا۔

”کیا بات ہے، کیا تم دیر اسٹگھ کے بارے میں کوئی خبر لائے ہو؟“

”جی مائی باپ، آپ مجھے یہ بتائیے کہ دیر اسٹگھ کی گرفتاری پر جو انعام رکھا گیا ہے وہ ملے

گا بھی یا نہیں.....“

”انعام کی رقم کا حکومت نے اعلان کیا ہے اس لیے وہ ضرور تمہیں ملے گی۔ بتاؤ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

”ایسے نہیں بتائیں گے سرکار، انعام کی آدھی رقم پیشگی دلوائیں تب ہم بتائیں گے۔“

”تمہارا نام کیا ہے.....؟“ راجیش گورانے سوال کیا۔

”گووند راج۔“

”دیکھو گووند راج تم سے جس انعام کا وعدہ کیا گیا ہے وہ تمہیں ضرور ملے گا، لیکن ویرا سنگھ کی گرفتاری کے بعد۔“

”سرکار بعد میں کون پوچھے گا اور پھر پولیس والے، ناسر کارنا۔“ بیرا واپس جانے لگا۔

راجیش گورانے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”رک جاؤ۔ کیوں تمہاری شامت آرہی ہے، میں اگر چاہوں تو تمہیں بند کر سکتا ہوں، کوئی ضمانت بھی نہیں ہوگی تمہاری۔“

”تو کرونا سرکار، پھر ویرا سنگھ کا پتہ کس سے پوچھو گے۔“ بیرا ابھی ایک ڈھیٹ تھا۔

”تم آخر کیا چاہتے ہو.....؟“ راجیش گورانے پوچھا۔

”انعام کی آدھی رقم۔“

”اور اگر ویرا سنگھ گرفتار نہ ہو سکتا تو؟“

”گولی مار دیں سرکار ہمیں جو سن چاہے کریں، رقم اسی بات کی تو لیں گے۔“

”دیکھو، تھوڑی سی رقم کا بندوبست ہم لوگ کئے دیتے ہیں، تم بیٹھو لیکن یہ کان کھول کر سن لینا کہ اگر وہ گرفتار نہ ہوا تو تمہیں پھانسی پر لٹکا دوں گا۔“ اس بار دریش ورمانے کہا۔

”منظور ہے سرکار۔“ بیرے نے سینہ ٹھونک کر کہا۔

اس کے بعد رقم کا انتظام کیا جانے لگا۔ بہر حال کہیں نہ کہیں سے رقم جمع کر لی گئی تھی اور بیرے کو یہ رقم دیتے ہوئے راجیش گورانے کہا۔

”یہ رقم رکھ لو مگر یہ بات یاد رکھنا کہ اگر تمہاری بتائی ہوئی باتیں غلط ثابت ہوئیں تو پھر تم ایک لمبی مصیبت سے نہیں بچ سکو گے۔“

”منظور ہے سرکار، وہ ہمارے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔“

”تمہارے ہوٹل میں۔“

”جی سرکار، دو کمرے لیے اس نے پچھلی رات گانا سننے بھی گئے تھے، میں نے تصویریں دیکھی ہیں ویرا سنگھ کی اس لیے اسے پہچان لیا ہے۔“

”لیکن انہیں گرفتار کرنے کی کیا ترکیب ہو، اگر ہم ہوٹل کو گھیرے میں لیتے ہیں اور ویرا سنگھ کو خبر ہو جاتی ہے تو وہ مقابلہ کرے گا، وہ بے دریغ قتل و غارتگری پر اتر آیا ہے۔ ہم بے گناہ لوگوں کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ کوئی ایسی ترکیب ہو کہ ہوٹل والوں کو نقصان نہ پہنچے۔“

”ارے ہم نے پیسے کا ہے کے لیے ہیں مہاراج، بس اپنے ساتھ کچھ اور بیروں کو ملانا پڑے گا۔ ہم انہیں دودھ میں بے ہوشی کی دوا دے دیں گے۔ خطرہ ہی نہ رہے گا ٹھساٹھس اور دھما دم کا۔“

”یہ کام کر سکتے ہو تم۔“ راجیش گورائے کہا۔

”ہم پر چھوڑ دیں مائی باپ۔ آپ دیکھیں آپ کا یہ داس کس طرح آپ کے کام آتا ہے۔“

بیرا واقعی کام کا آدمی تھا۔ اس سے اور بھی بہت سی باتیں طے ہوئیں۔ منصوبے کے مطابق بیرے نے ان کے لیے ایک کمرہ لے لیا اور راجیش گورائے اپنے کچھ اہم لوگوں کے ساتھ اس کمرے میں منتقل ہو گیا۔

دریش ورماجی کو پولیس کے بہت بڑے افسر تھے لیکن ان دنوں ویرا سنگھ پورے ملک کے لیے وبال جان بنا ہوا تھا اور اس کی گرفتاری جس کے ہاتھوں ہوتی اسے بہت شہرت ملتی اس لیے ورماجی خود بھی راجیش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

منصوبے کے مطابق یہ لوگ بیرے کے مہیا کئے ہوئے کمرے میں آرام کرنے لگے۔ وہ رات گہری ہونے اور بیرے کے اپنا کام کرنے کے منتظر تھے۔

بیرا انہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد خبریں دے رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ”میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ صاحب بس کچھ دیر اور..... آپ کے لیے چائے لاؤں؟“

”لے آؤ اور جلدی کام کرو۔“ راجیش نے کہا اور بیرا واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے لے آیا۔ راجیش اور دوسرے لوگوں نے چائے پی مگر کچھ ہی لمحوں میں اسے اپنی پلکیں جھکتی محسوس ہوئیں۔ دماغ پر گہرا بوجھ پڑا ہوا تھا۔ دوسرے لوگوں کی

کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی اور پھر وہ انٹا غفل ہو گئے۔

ان کے لڑھکنے کے چند منٹ کے بعد ویرا سنگھ جے تلک اور دھرم سنگھ اندر آ گئے۔ بیرے کے روپ میں ہری لعل تھا۔ اندر آتے ہی انہوں نے پھرتی سے بے ہوش پولیس افسروں کی وردیاں اتار کر خود پہن لیں۔ ان کا اسلحہ قبضے میں کیا۔ پھر ان سب کی گردنوں میں دلچسپ تحریروں والی تختیاں لٹکائی گئیں اور پھر یہ سب باہر نکل آئے ہوٹل کے کاؤنٹر پر آ کر ہری لعل نے کاؤنٹر کلرک کو اس کمرے کا نمبر بتاتے ہوئے کہا۔

”وہاں کچھ معزز مہمان روم سپروائزر کو آوازیں دے رہے ہیں ذرا دیکھ لو۔“ یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے۔

کاؤنٹر کلرک نے سپروائزر کو خبر کی اور پھر وہ ہنگامہ ہوا کہ لطف ہی آ گیا۔ راجیش گورا اور دوسرے افسروں کو وہاں سے اٹھوایا گیا اور لوگوں کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔

اس رات ویرا سنگھ نے پانچ ڈاکے ڈالے۔ یہ ڈاکے بڑے بڑے نامی گرامی رئیسوں کے ہاں ڈالے گئے تھے۔ ان وارداتوں میں چار افراد قتل بھی ہوئے، ان میں دو بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ ایک بابو دھونی مل جو آئندہ الیکشن میں بڑی دھوم دھام سے حصہ لے رہے تھے اور ملک کے بڑے سرمایہ داروں میں سے تھے اور دوسرا ایک سینہ کا پُر جوش نوجوان بیٹا جس نے ڈاکا زنی کے دوران دھرم سنگھ کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

گویا یہ رات دہلی پر قیامت کی رات تھی۔ ہوٹل والی واردات کھلی واردات تھی۔ اخبارات کے لیے اتنی دلچسپ کہانیاں موجود تھیں کہ پورے اخبار میں نہ سائیں۔ ان تختیوں کے فوٹو چھاپے گئے تھے جو پولیس افسران کے گلے میں پڑی ہوئی تھیں۔

راجیش گورا کی بُری حالت تھی اس کے علاوہ دلی کے ہولناک ڈاکے۔ سارا دہلی پولیس کی جنونی کارروائیوں کی زد میں تھا۔ جھلائے ہوئے پولیس والوں نے نہ جانے کسے کسے گرفتار کیا تھا۔ اس کے علاوہ پولیس کمشنر سے اخبار نویسوں کی شکایت کی گئی تھی کہ انہوں نے پولیس کا کوئی احترام نہیں کیا اور ان کی زبردست توہین کی ہے۔ ان اخبار نویسوں کو کمشنر آفس میں طلب کر لیا گیا تھا اور کئی اخبارات پر مقدمہ قائم کرنے کی تجویز دی گئی تھی۔

راجیش گورا نے اخبارات میں جو دعوے کئے تھے ویرا سنگھ دہلی آ کر ان دعوؤں کا جواب دینا چاہتا تھا اور اس کو کوشش سے اس کا دل نہیں بھرا تھا۔ انہوں نے اب ہوٹل میں نہ رہنے کا

فیصلہ کیا تھا اور بالکل ہی کی مدد سے اپنے لیے ایک معمولی سی جگہ حاصل کر لی تھی اور اب وہاں آرام کر رہے تھے۔

راجیش گورا کو سب سے بڑا دکھ بیٹا والی چال کی ناکامی کا تھا۔ اس نے گوتم داس کو ہدایت کر دی تھی کہ کوئی بھی نئی بات ہو تو اسے فوراً خبر کی جائے۔ اس کے علاوہ گوتم داس کے گھر کے ارد گرد پولیس بھی کافی تعداد میں لگائی گئی تھی، لیکن پچھلے دنوں سے وہ بے حد مصروف تھا، اس لیے گوتم داس سے نہیں مل سکا تھا۔ اسے آس تھی کہ شاید ویرا سنگھ اس طرف متوجہ ہو اور کوئی کام بن جائے، لیکن دہلی میں جو کچھ ہوا تھا اور ویرا سنگھ نے جس طرح اس کا چیلنج قبول کر کے اپنی کارروائی کی تھی، اس نے راجیش گورا کو خاصا مضطرب کر دیا تھا۔

اب تک اس نے جتنے بھی کام کئے تھے ان میں اسے کامیابی حاصل ہوئی تھی، اچھی سوچ اور اعلیٰ کارکردگی کا حامل تھا، لیکن ویرا سنگھ کے مقابلے پر وہ ناکام ہی رہا تھا۔ ویرا سنگھ نے دہلی آ کر جو ہا ہا کر چائی تھی اس نے بھی راجیش گورا کو بُری طرح نروس کر دیا تھا۔ ہر تیسرے چوتھے دن کسی نہ کسی بڑے آدمی کے ہاں کامیاب ڈاکا ڈالا جاتا، قتل و غارتگری کی جاتی اور پھر خاص طور سے راجیش گورا کے لیے پیغامات چھوڑ جاتے۔ راجیش گورا اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام ہو چکا تھا۔

بڑے بڑے سیٹھ سا ہوکاروں کی طرف سے کہا جا رہا تھا کہ ویرا سنگھ ڈاکے تو باقاعدہ ڈال رہا تھا، لیکن راجیش گورانے جس طرح اخبارات میں اسے لکارا تھا اور بڑے بڑے بلند بانگ دعوے کئے تھے، ان کی وجہ سے دہلی آ کر ویرا سنگھ نے اس کا چیلنج قبول کیا تھا اور اسے بدترین شکست دی تھی۔

اس سلسلے میں اخبارات خاص طور سے خوب حاشیہ آرائی کر رہے تھے، انہوں نے صاف لہجے میں کہا تھا کہ جس طرح دھن راج ہوٹل میں راجیش گورا اور دریش ورا جیسے اعلیٰ ترین آفیسروں کو بے ہوش کر کے ان کے گلوں میں تختیاں ڈال دی گئی تھیں تو بھلا ویرا سنگھ کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ ان کی گردنیں دبا کر ان کی لاشوں کے تختے پیش کر دیتا، مگر اس نے جان بوجھ کر انہیں زندگی دی تھی اور چتاؤنی دی تھی کہ اگر ہمت ہے تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔

اس سلسلے میں خاص طور سے پارلیمنٹ میں بحث ہوئی تھی اور راجیش گورا کو بھی طلب کر لیا گیا تھا۔ کچھ اعلیٰ عہدے داران نے تو اس سلسلے میں خاصی نکتہ چینی کر کے تجویز پیش کی تھی کہ

راجیش گورا کو واپس ممبئی بھیج دیا جائے۔ اس طرح اس کے چیلنج کے مقابلے میں ویرا سنگھ کا غصہ ختم ہو جائے گا اور راجیش گورا کی شکست سے خوش ہو کر وہ اپنی ان کارروائیوں میں کمی کر دے گا لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ حکومت کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

البتہ کبھی غازی آباد، کبھی شاہدرہ اور کبھی دہلی کے نواحی علاقوں میں بڑے بڑے سیٹھوں اور ساہوکاروں کا کریا کرم ہو رہا تھا۔ ہر جگہ سے شواہد مل رہے تھے کہ وہ صرف چار آدمی ہیں، لیکن چالیس پر بھاری۔ پولیس نے کہاں کہاں کیا کیا کارروائی نہ کر لی۔ سیٹھ ساہوکار کو نے کھدروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے، حکومت کو برا بھلا کہا جا رہا تھا مگر کوئی کارروائی کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

راجیش گورا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ابھی تک ویرا سنگھ کی نظر اس دن کے اخبارات پر نہیں پڑی جس دن سیتا کی تصویر اخبارات میں چھپوا کر گوتم داس کا حوالہ دیا گیا تھا یا پھر ویرا سنگھ نے اسے اس قابل نہیں سمجھا کہ وہاں جا کر کوئی کارروائی کرے، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ ایک بار پھر اخبارات میں وہ تصویر چھپوائی جائے اور اس نے یہ عمل کر ڈالا۔

تصویر اسی حوالے سے شائع کی گئی تھی کہ ابھی تک اس لڑکی کے ورثاء کا پیسہ نہیں چل سکا، لڑکی کا ذہنی توازن ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے ورثاء کے بارے میں بتا سکے، بس اس نے اپنا نام سیتا بتایا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ تصویر شائع کرنے کے بعد اس نے بھیس بدلا اور گوتم داس کی طرف چل پڑا۔ گوتم داس کے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اسے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، جس کی وجہ سے اسے ان لوگوں پر شدید غصہ آیا جنہیں اس نے یہاں متعین کیا تھا۔ گوتم داس اسے اپنی حویلی میں ہی مل گیا۔ وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا، اس نے راجیش گورا کو پہچان کر اس کا سواگت کیا۔

”ابھی تک کوئی ایسا عمل تو نہیں ہوا گوتم داس جی جس سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ ڈاکو ویرا سنگھ، سیتا کی تلاش میں آپ کے گھر کے آس پاس نظر آیا ہے۔“

”کیا کیا کروں، میں تو اتنے دن سے بیمار پڑا ہوں، آپ میری حالت دیکھ رہے ہو گے، میری حالت بڑی خراب ہو گئی ہے، سارا کاروبار چوٹ ہو گیا ہے، میں بڑی مشکل کا شکار ہوں، کس منہ سے آپ سے کہوں کہ جو ہو گیا ہے وہ انتھ ہے۔“

”گوتم داس جی کہانیاں سنانے کے بجائے مجھے بتائیے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”کئی دن ہو گئے مہاراج، وہ لڑکی یہاں سے نکل گئی۔“

”کیا؟“ گوتم داس کے حلق سے نکلنے والی دھاڑ بے حد خوفناک تھی۔

”نہ جانے یہ سب کیسے ہو گیا، جبکہ میرے نوکر چاکر بھی اس کی نگرانی کر رہے تھے اور باہر آپ کی پولیس بھی لگی ہوئی تھی، مگر کافی دن پہلے ایک صبح جب نوکرانی اسے ناشتہ دینے گئی تو پتہ چلا کہ وہ موجود نہیں ہے، ساری حویلی تلاش کر لی گئی اور اس کے بعد میری جو حالت ہوئی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں آپ کو خبر دوں، میرے آدمی آج تک باہر جگہ جگہ بھٹک رہے ہیں، ہر جگہ تلاشی لے لی گئی۔ ہر جتن کر لیا گیا، انتظار کر رہا ہوں آج تک کہ کہیں سے اس کی خبر ملے۔ لڑکی ہوا میں اڑ گئی یا زمین میں سما گئی کچھ پتہ نہیں چلتا۔“

”گوتم داس جی تم نے تو میرا سارا منصوبہ ہی خراب کر دیا۔“

”اب ایسے کام میں نے پہلے کبھی کئے ہیں گوراجی، آپ خود ہی بتائیے آپ نے بھی تو پولیس لگا رکھی تھی۔“

”تمہیں فوراً ان لوگوں کو اطلاع دینی چاہئے تھی جنہیں یہاں میں نے پہرے پر مقرر کیا

ہے۔“

”کیا کرتا مہاراج، میرے سامنے تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں، مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی مل جائے تو آپ سے رابطہ

کروں اور کہوں کہ بھیا اسے لے جاؤ یہاں سے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔“

راجیش گورا، گوتم داس سے زیادہ سے زیادہ کیا کہہ سکتا تھا، سوائے برا بھلا کہنے کے۔ یہ تو

انتہائی خوفناک عمل ہوا تھا۔ ایک اور ناکامی اس کے مقدر میں لکھ گئی تھی اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ

جس طرح بھی بن پڑے اس کیس سے دستبردار ہو کر واپس ممبئی پہنچ جائے۔ چاہے اس کی نیک

نامی کو کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ پہنچے۔ ویرا سنگھ نے اسے صحیح معنوں میں پست کر کے رکھ دیا

تھا۔ یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی تھی، نہیں کہا جاسکتا تھا کہ سیتا کہاں گئی، معصوم سی لڑکی تھی، زندگی

میں کبھی وہ گونا گڑھی سے باہر نہیں نکلی تھی لیکن پھر بھی یہ خیال ذہن میں تھا کہ ممکن ہے واپس

اپنے گھر پہنچ گئی ہو۔ سوچا کہ گونا گڑھی سے معلومات حاصل کرے۔

ویرا سنگھ نے اچھی طرح دہلی کے سرمایہ داروں کو لوٹا تھا، جس گھر میں وہ رہ رہا تھا وہ ایک انتہائی بد حال شخص کا ٹوٹا پھوٹا گھر تھا، لیکن اسی ٹوٹے پھوٹے گھر کو ویرا سنگھ نے اپنی جنت بنا لیا تھا اور وہاں بڑے اطمینان سے رہ رہا تھا۔ یہ گھر ایک بد حال شخص مہندرناتھ کا تھا۔ مہندرناتھ ان لوگوں کی بڑی خدمت کر رہا تھا۔ پھر اس دن جب یہ نئے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک ہی جنے تلک اخبارات لیے ہوئے واپس آیا۔ اخبارات ان کے لیے بڑی اہم معلومات کا ذریعہ ہوا کرتے تھے اور وہ ان سے کبھی غافل نہیں رہتے تھے، لیکن آج جنے تلک کے چہرے پر کوئی بہت ہی خاص بات تھی۔ اس نے ایک اخبار ویرا سنگھ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”ویرا ذرا یہ تصویر دیکھو۔“

ویرا سنگھ نے جنے تلک کے لہجے پر چونک کر تصویر پر نگاہیں دوڑائیں اور اچانک اس کے دل کو دھکا سا لگا۔ سیتا اس کے دل سے آج تک نہیں نکلی تھی، یہ الگ بات ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا مشن بدل دیا تھا، لیکن محبت دل سے نہیں مٹ سکتی تھی۔

دیر تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سیتا کی تصویر دیکھتا رہا، دھرم سنگھ اور ہری لعل بھی کچھ سنجیدہ ہو گئے تھے کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے ویرا سنگھ کے چہرے کا یہ رنگ نہیں دیکھا تھا۔ پھر ویرا سنگھ نے وہ خبر پڑھی اور اس کے بعد اس نے سردنگا ہوں سے جنے تلک کو دیکھا۔

”کیا کہتے ہو جنے۔“

”فوراً ہی گوتم داس کے گھر پہنچا جائے، میں نے اسے پہچان لیا ہے، یہ سیتا ہی ہے۔“

ویرا سنگھ کے ہونٹوں پر ایک پھیکسی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ نفی میں گردن ہلانے لگا، جنے تلک نے تعجب سے اسے دیکھا اور بولا۔ ”نہیں ویرے ساری باتیں اپنی جگہ، سارے کام اپنی جگہ، ہم سیتا کی خبر تو ضرور لیں گے۔“

”پاگل ہے تو جنے، آگیا راجیش گورا کے جال میں۔“ ویرا سنگھ نے بدستور پھیکسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”جنے تلک چونک پڑا۔“ راجیش گورا کا جال۔“

”یہی تو سمجھ اور نا سمجھی کی بات ہے جنے۔ تمہارے خیال میں راجیش گورا نے ہمارے بارے میں ہمارے علاقوں سے معلومات نہیں حاصل کی ہوگی، ہو سکتا ہے کسی پاگل نے اسے بتا دیا ہو کہ میں اور سیتا ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں۔“ ویرا سنگھ کی آواز میں پہلی بار ایک

لرزش سی محسوس کی گئی تھی۔

دھرم سنگھ اور ہری لعل نے چونک کر اسے دیکھا، جنے کے چہرے پر ایک انوکھا تاثر تھا، وہ دیرا سنگھ کے بچپن کا دوست تھا اور دونوں ایک دوسرے کے دل کا حال بخوبی جانتے تھے۔

دھرم سنگھ نے کہا۔ ”کچھ ہمیں معلوم ہو سکے گا مہاراج؟“

”نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ جنے ہو سکتا ہے یہ راجیش گورا کی کوئی چال ہو، گونا گڑھی سے اسے کچھ معلومات حاصل ہوئی ہوں اور اس نے یہ کھیل کھیلا ہو۔“

”پھر بھی دیرے ہم اس خبر کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔“

”ہم اس خبر کو نظر انداز نہیں کریں گے، لیکن گوتم داس کے دیئے ہوئے پتے پر بھی دوڑے ہوئے نہیں چلے جائیں گے، بلکہ ہمیں فوراً ہی گونا گڑھی جانے کی تیاریاں کرنی چاہئے ہیں۔ وہاں سے صحیح معلومات حاصل ہو سکیں گی اور اس کے بعد ہم یہ فیصلہ کریں گے ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔“ دیرا سنگھ نے کہا۔

جنے کی آنکھوں میں محبت اُمڈ آئی۔ ”تو مہان ہے دیرا سنگھ تو مہان ہے۔ تیری سوچیں بہت اونچی ہیں، ٹھیک کہتا ہے تو۔ ہمیں الگ الگ اور چالاکی کے ساتھ گونا گڑھی جانا ہوگا۔“

”اب تم تیاریاں کرو جنے، دلی میں ہم نے کافی کھیل کھیل لئے۔ یہ مال جو ہم نے حاصل کیا ہے ہمیں رگھیرا کے پاس چھپانا ہوگا اور اس کے بعد وہیں سے ہم گونا گڑھی کا سفر کریں گے، مگر بھیس بدل کر۔“

”ٹھیک ہے۔“ جنے تلک نے جواب دیا۔

کافی مشکل اور محنت کا کام تھا۔ بابولعل بہترین ساتھی ثابت ہوا تھا۔ سارے انتظامات اس نے کئے تھے اور بہترین منصوبہ بندی کے ساتھ وہ دہلی سے نکلتا تھا۔ پولیس نے دہلی سے باہر جانے والے ہر راستے کو سیل کر رکھا تھا لیکن بابولعل چونکہ ٹرانسپورٹ کا کام کرتا تھا اور خوب تجربے کا ر تھا۔ اس نے ٹرک میں پھل بھرے تھے۔ دیرا سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے مزدوروں کا بھیس بدلاتھا۔ اس طرح وہ دہلی سے نکلے تھے۔

پولیس واقعی بڑی مستعد تھی لیکن یہ لوگ دہلی سے نکل آئے تھے جبکہ ان کے پاس اسلحہ اور دہلی سے لوٹی ہوئی دولت کے انبار تھے۔ تمام کام منصوبے کے مطابق ہوئے۔ رگھیرا کے گھر کو دولت کا جھنڈا بنایا گیا۔ پھر یہاں سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ گونا گڑھی کا سفر کیا گیا۔

جس وقت وہ گونا گڑھی پہنچے رات کے تین بجے تھے۔ طے کیا گیا کہ صبح پانچ بجے کاشی رام کے گھر جایا جائے۔ وہ اسی وقت جنگل پانی سے واپس آیا کرتا تھا۔ رات کا باقی وقت تجماع کے امرودوں کے باغ میں گزارا گیا تھا۔ اسی کے سامنے ویرا سنگھ کے اپنے کھیت تھے۔ ویرا سنگھ دیر تک ان جگہ ہوئے کھیتوں کو دیکھتا رہا تھا۔ جنے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے چہروں پر ماضی کی تصویریں چسپاں تھیں۔ آخر کار جنے تلک اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور ویرا سنگھ نے چونک کر اسے دیکھا۔ جنے تلک کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ سرخ ہو گیا۔

”نہیں جنے۔ یہ سب کچھ نہیں۔ ہم ان چیزوں سے ناتا توڑ چکے ہیں۔ انسان زمین، دھن، دولت، ہمیں کسی چیز سے اپنائیت نہیں ہے۔ ہم انسان نہیں رہے کچھ مت سوچو بہت کچھ کرنا ہے ہمیں ابھی۔“

جنے تلک کے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ تھا، لیکن وہ خاموش رہا۔
صبح وہ پروگرام کے مطابق کاشی رام کے گھر جا پہنچے۔ گرمیوں کے دن تھے، کاشی رام گھر کے باہر چار پائی پر لیٹا ہوا تھا۔ اجنبی لوگوں کو آتے دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔
”کون ہو۔ کون ہو بھائی۔“

”چا چا جی میں جنے تلک ہوں۔ شنائی کھ کا جنے تلک، یہ میرے ساتھ ویرا سنگھ ہے۔“
جنے تلک نے آگے بڑھ کر کہا۔

اور کاشی رام اچھل پڑا۔ کچھ دیر وہ ان لوگوں کو گھورتا رہا۔ پھر اچانک اٹل پڑا۔ ”بڑے نامی گرامی ڈاکو بن گئے ہوتم لوگ، بندوں کو کیڑے کھوڑوں کی طرف مار رہے ہو۔ کرپا کرو گے مجھ پر۔ مار دو مجھے بھی۔ دو کوڑی کی عزت ہو گئی ہے میری۔ لوگ مجھے دیکھ کر ہنستے ہوئے گزر جاتے۔ مار دو ایک گولی میرے سینے میں بھی۔ مار دو مجھے بھی۔“

ویرا سنگھ آگے بڑھا اور اس نے کاشی رام کی گردن پکڑ لی اور بولا۔ ”سیتا کہاں ہے چا چا

جی؟“

”لے گیا اسے راون۔ لٹ گئی ہماری عزت تمہاری وجہ سے۔“

”چا چا جی۔ سیتا کہاں ہے؟“ ویرا سنگھ نے کاشی رام کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”پولیس لے گئی اسے۔ تمہاری تلاش میں آئی تھی۔ ست پرکاش نے دشمنی کی پانی نے۔“

پولیس افسر کو بتا دیا کہ وہ تم سے پریم کرتی ہے۔ بس یہاں آگیا اور.....“ کاشی رام نے پوری تفصیل اسے بتا دی۔

ویرا سنگھ سکون سے یہ سب کچھ سن رہا تھا، کاشی رام سے تفصیل سننے کے بعد اس نے جئے تلک کو اشارہ کیا اور وہ خاموشی سے واپس پلٹ پڑے۔ کاشی رام حیرت زدہ انداز میں انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

ویرا سنگھ نے گونا گڑھی سے باہر جانے والے راستے پر قدم اٹھا دیے تھے۔ جئے تلک نے اس وقت تک اس سے کوئی سوال نہیں کیا جب تک وہ گونا گڑھی سے باہر نکل گئے۔ ویرا سنگھ نے صرف اتنا کہا۔ ”ہم رام سروپ کے گھر چل رہے ہیں۔“

ویرا سنگھ کی جو کیفیت تھی اسے دیکھ کر جئے تلک نے اس سے کوئی سوال نہیں، البتہ رام سروپ نے بڑی محبت سے ان سب کا سواگت کیا تھا۔ ایک دن اور ایک رات ویرا سنگھ بالکل خاموش رہا۔ دھرم سنگھ اور ہری لعل کے لیے یہ بات ذرا تعجب کی تھی کہ ویرا سنگھ بھی کسی سے محبت کرتا ہے، یہ ایک حیران کن خبر تھی۔

بہر حال ایک دن اور ایک رات گزارنے کے بعد جب صبح ہوئی تو ویرا سنگھ نے جئے تلک سے کہا۔ ”میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ راجیش گورائے سیتا کو وہاں پہنچایا بھی ہے یا نہیں۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ہم پولیس کی وردی میں گوتم داس کے پاس پہنچ جائیں اور اس سے پوچھیں کہ سیتا کہاں ہے کیونکہ یہ بات طے ہے کہ اخبار میں اشتہار دینے کے بعد راجیش گورائے گوتم داس کے گھر کے آس پاس پولیس ضرور لگائی ہوگی۔ ہم وردی سے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“

جئے تلک، دھرم سنگھ اور ہری لعل جانتے تھے کہ یہ ایک انتہائی خطرناک قدم ہے، لیکن ویرا سنگھ کے کسی حکم سے انحراف ان کی فطرت میں نہیں تھا۔ سب نے جان جو کھم کا یہ کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پولیس کی وردی کئی بار ان کے کام آئی تھی اور اس بار بھی بالکل اتفاقیہ طور پر یہ کارگر رہی۔ راجیش گورائے جھلاہٹ میں گوتم داس کے گھر سے اپنے آدمی ہٹا لئے تھے۔ سیتا کے اس طرح غائب ہو جانے سے اس پر بہت برا اثر پڑا تھا اور اس سے ویرا سنگھ کو فائدہ حاصل ہوا۔ پولیس کی ایک جیپ بھی حاصل کر لی گئی تھی جو ویرا سنگھ کی تلاش میں گشت کرنے والے

پولیس والوں سے چھینی گئی تھی۔ اسی جیب میں ویرا سنگھ، گوتم داس کی حویلی پہنچ گیا، پولیس دیکھ کر ملازموں نے گیٹ کھول دیا اور ویرا سنگھ نے گاڑی اندر داخل کر دی۔

گوتم داس کے بارے میں پتہ چلا کہ اندر موجود ہے۔ راجیش گورا کے جانے کے بعد وہ کافی غمناک تھا، کیونکہ راجیش گورانے اسے بہت برا بھلا کہا تھا۔ ایک بار پھر اسے اطلاع ملی کہ پولیس آئی ہے تو وہ جھلا سا گیا۔

”میں نے تو گورا سے تعلقات کی وجہ سے تعاون کیا تھا، یہ میری ذمہ داری تو نہیں تھی۔“ وہ جھلایا ہوا ڈرائیونگ روم میں داخل ہوا۔ پولیس کی وردی میں ویرا سنگھ، جنے تلک، دھرم سنگھ اور ہری لعل موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر گوتم داس کو تعظیم دی۔

”ہم آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنے آئے ہیں مہاراج۔“

”بابا، میں باز آیا تمہاری اس معلومات سے۔ صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں کوئی سڑک پر پڑا ہوا آدمی نہیں ہوں۔ متری جی سے بات کروں گا اور کہوں گا کہ یہ سب کیا ہے، پولیس زبردستی اپنا کام کسی کو نہیں سونپ سکتی اور وہ بھی مجھے جیسے شریف آدمی کو جس کا جیون بے داغ ہے۔“

”آپ چتنا نہ کریں مہاراج، ہم بس آپ سے چند باتیں کر کے چلے جائیں گے۔“

”ہاں بولو۔“

”گوتم داس جی، آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ لڑکی بیٹا، جیسے راجیش گورا اپنے ساتھ لائے تھے کہاں ہے۔“

”وہ لڑکی یہاں سے بھاگ گئی۔ بس اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔“

”وہ یہاں سے کب اور کیسے بھاگی گوتم داس جی.....؟“

”بس جی سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئی۔ ہم نے اتنا تلاش کرایا جتنا کہ شاید پولیس بھی تلاش نہیں کر سکتی تھی۔ پر ایسا لگتا ہے کہ وہ دھرتی میں سا گئی یا آکاش میں پرواز کر گئی۔ بس بابا اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں معلوم۔“

ویرا سنگھ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ٹھیک ہے آؤ چلتے ہیں۔“ اس نے جنے تلک سے کہا اور جنے تلک نے چونک کر اسے

دیکھا، مگر ویرا سنگھ کا موڈ کچھ اور نظر آ رہا تھا۔ باہر نکل کر وہ پولیس کی جیب میں بیٹھا اور جیب

آگے بڑھ گئی تو جے تلک نے کہا۔ ”گوتم داس کو تم نے کچھ نہیں کہا دیرے۔“
 ”یارٹو نے دیکھا نہیں سیدھا سادہ آدمی تھا۔ راجیش گورا کی پوری چال میری سمجھ میں آگئی، لیکن افسوس وہ بے چارہ نا کام رہا۔“
 ”اب کیا ارادہ ہے؟“
 ”دیکھتے ہیں، آگے کیا کر سکیں گے؟“ ویرا سنگھ کا لہجہ کچھ ٹنڈا حال سا تھا۔

+++++

پولیس آفیسر ہرچن پال جس نے ہر دیورائے کی حویلی سے اس کی اور اس کے بیٹے کی قاتل رنجنا کو گرفتار کیا تھا۔ رنجنا کو لے کر پولیس ہیڈ کوارٹر آگیا اور رنجنا سے معلومات حاصل کی جانے لگیں۔ ہرچن پال کو رنجنا کے بارے میں خاصی تفصیل معلوم ہوئی تھی۔ رنجنا نے رام سری کے بارے میں بھی بتا دیا تھا کہ وہ اس کی خالہ ہے، چنانچہ رام سری سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ہرچن پال نے اعلیٰ حکام سے اجازت لی اور رنجنا کو لے کر چل پڑا۔

ہرچن پال جس نے ایک بارڈاکو راون پانڈے سے مقابلہ کیا تھا اور راون پانڈے کے دو بھائیوں کو گولیاں مار دی تھیں، راون پانڈے کی نگاہوں میں تھا اور راون پانڈے نے کنیش جی کے مندر میں سوگند کھائی تھی کہ ہرچن پال کو ختم کرنا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مشن ہے۔ چنانچہ وہ اور اس کے آدمی مستقل ہرچن پال کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور جب ہرچن پال رنجنا کو لے کر رام سری کی طرف چلا تو راون پانڈے اس کے تعاقب میں تھا۔

اسے کوئی تفصیل تو معلوم نہیں تھی، لیکن رتناولی کے ریلوے اسٹیشن پر جب ٹرین رکی تو راون پانڈے اپنا کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ راون پانڈے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ٹرین میں چڑھ گیا۔ اس نے پورا منصوبہ بنالیا تھا اور اس کے آدمی اس کی ہدایات کے مطابق کام کر رہے تھے۔ کھیڈہ کے ریلوے اسٹیشن پر ٹرین نہیں رکتی تھی لیکن راون کو یہیں اپنا کام کرنا تھا۔ بہت چھوٹا اسٹیشن تھا۔ ٹرین کو آگے جانے کا سگنل نہیں ملا تو وہ اس ویران سے اسٹیشن پر جا رکی۔ جہاں بس آکاڈکا آدمی نظر آ رہے تھے اور یہ لوگ بھی راون ہی کے ساتھی تھے۔

راون پانڈے اس ڈبے میں آگیا۔ اس کے ساتھیوں نے ہرچن پال کے ساتھ آئے ہوئے پولیس والوں پر اندھا دھند فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کیا تو ڈبے میں دہشت پھیل گئی۔ لوگ خوفزدہ ہو کر چیخ و پکار کرنے لگے تو راون پانڈے دھاڑ کر بولا۔ ”سارے کے سارے چپ

ہو جاؤ حرام خورو، ورنہ بھون کر رکھ دوں گا۔ ہم ڈاکا مارنے نہیں آئے۔ بلکہ اسے لے جانے آئے ہیں جس نے ہمارے کلیجے میں آگ لگا رکھی ہے۔ اٹھ رے ریلوے والے تیرے باپ کے نوکر نہیں ہیں کہ یہیں کھڑے رہیں گے۔“

ہرچرن پال نے پستول نکالنے کو شش کی توراون پاٹے نے رائفل کا باٹ اس کے سر پر مارا اور ہرچرن پال خون میں نہا گیا۔

راون نے اس کا پستول نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ رنجنا یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی اور اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

”اٹھ رے دیر ہو رہی ہے۔“ پاٹے نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور انہوں نے ہرچرن پال کو گریبان سے پکڑ کر اٹھالیا۔

”میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔“ رنجنا ایک دم بول پڑی۔

”گھروالی تو لگے تا ہے اس کی۔ پر ساتھ ہے تو، تو بھی چل۔ اس کے اتم سنسکار میں حصہ لے لیتا۔“ راون پاٹے نے کہا۔ پر رنجنا کے بندھے ہاتھ دیکھ کر چونک پڑا۔ ”اوہ قیدی ہے اس کی۔ ہاتھ کھولے دیتے ہیں تیرے بھاگ جا۔“

”مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔“ رنجنا نے عاجزی سے کہا۔

راون پاٹے نے جھلا کر کہا۔ ”ستی ہوگی اس کے ساتھ کیا۔ چل جلدی مر، دیر کا ہے کر رہی ہے۔“

راون، ہرچرن پال کو لے کر نیچے اتر گیا۔ رنجنا بھی نیچے اتر آئی تھی۔ ٹرین کے ڈبوں سے لوگ گردنیں نکال نکال کر جھانک رہے تھے۔ راون کے ساتھی دو جیپوں میں تھے۔ رنجنا اور ہرچرن کو بھی ایک جیپ میں بٹھایا اور پھر ڈاکوؤں نے زبردست ہوائی فائرنگ کی اور جیپوں کو لے کر چل پڑے۔

رنجنا پُر سکون نگاہوں سے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہی تھی اور اس کے دماغ میں چرخیاں چل رہی تھیں۔ وہ لمحہ لمحہ بدلتے ہوئے حالات میں اپنے لیے راستے تلاش کر رہی تھی۔

رنجنا ہرچرن پال کے ساتھ راون پاٹے نے ایک لمبا سفر کیا اور پھر سرخ پتھروں والے پہاڑی علاقے میں ایک پہاڑی کے دامن میں بنے غاروں کے پاس جھپیں جا رکیں۔

یہ راجستھان کا ایک ویران پہاڑی سلسلہ تھا۔ ان غاروں میں راون پاٹے کی رہائش تھی۔

رنجنا کو بھی ایک غار میں منتقل کر دیا گیا، اس کے ہاتھ کھول دیئے گئے تھے۔ زخمی ہر چرن پال کے زخم پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔

غاروں میں پہلی رات گزر گئی۔ دوسرے دن غاروں کے آس پاس خوب چہل پہل تھی۔ رنجنا اپنے غار میں ہی تھی کہ دو آدمی اس کے پاس آئے۔
 ”پانڈے جی مہاراج نے کہا ہے کہ تم بھی اگر ہر چرن پال کی ملی دیکھنا چاہو تو باہر آ سکتی ہو۔“

”کیسی؟“ رنجنا نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔ تم جب چاہو باہر آ سکتی ہو۔ تمہیں اتنا بتا دیا جائے کہ یہاں ان پہاڑوں میں ہر طرف موت بکھری ہوئی ہے، مرنے کو من چاہے تو کسی پہاڑ پر چڑھ کر نیچے کود جانا۔ بھاگنے کی کوشش کرو گی تو ایک مشکل موت مرنا پڑے گا، باقی تمہاری مرضی۔“
 ”یہاں کوئی عورت نہیں ہے۔“ رنجنا نے پوچھا۔

”نہیں، فساد کی جڑ کو یہاں سے دور رکھا گیا ہے۔ تمہارا بھی کر یا کرم جلدی ہو جائے گا۔ ویسے اماں ساگی یہاں رہتی ہے اس کا بیٹا راون مہاراج کے ہاتھ مارا گیا تھا، راون جی اسے یہاں لے آئے تھے تب سے وہ یہیں رہتی ہے۔“

رنجنا گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ انوکھی سچویشن آگئی تھی۔ اس نے کچھ سوچا ضرور تھا لیکن ڈاکوؤں کے اس گروہ میں آکر اسے بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اسے ضرورت کی ہر چیز مہیا کی گئی تھی۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو خوف سے اس کی بری حالت ہو گئی ہوتی، لیکن اس کی زندگی اب عام زندگی سے بہت مختلف ہو گئی تھی۔ وہ خود اپنے آپ کو اپنا نہیں سمجھتی تھی۔

تھوڑے دن پہلے کی بات تھی کہ وہ ایک شوخ الہڑدو شیزہ تھی جو زندگی کے ہر دن سے لطف حاصل کرتی تھی لیکن اب صورت حال مختلف تھی۔ اس کے دل میں صرف ایک آرزو تھی۔ ویرا سنگھ سے اپنے بھائی کی موت کے بدلے کی آرزو۔ ہاں رات کی تنہائیوں میں کبھی کبھی اس کے اندر الہڑ رنجنا جاگ اٹھتی تھی اور ایک گہرہ درد چہرہ آنکھوں میں ابھرتا، لیکن پھر یہ احساس بھی رتن چند کی کرناک چینوں میں مدغم ہو جاتا تھا اور وہ دوہری کیفیت کا شکار ہو جاتی تھی۔

غاروں سے باہر کا ماحول بہت بھیانک تھا۔ ہر طرف بے آب و گیاہ چٹیل چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ لوگ چل پھر رہے تھے۔ بہت سی آنکھوں نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کوئی اس سے

مخاطب نہیں ہوا۔ کافی دور ایک جگہ لوگ جمع ہو رہے تھے۔ نہ جانے وہاں کیا ہو رہا تھا۔ وہ متحسّس انداز میں اس طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گئی۔ پھر کی دوسلیں پاس پاس زمین میں نصب تھیں۔ پیچھے ایک لمبی سل سے ہر چرن پال بندھا ہوا تھا اس کے چہرے پر مردنی نظر آرہی تھی۔ رنجنا سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اچانک سب لوگ پیچھے دیکھنے لگے۔ رنجنا نے بھی دیکھا۔

راون پاٹے ایک عجیب سا لباس پہنے اس طرف آ رہا تھا۔ اس کا لباس زرد رنگ کا تھا۔ سر پر سرخ رنگ کی مہٹی پندھی ہوئی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ کچھ لمحوں میں وہ قریب آ گیا۔ وہاں موجود لوگ بالکل خاموش تھے۔ راون پاٹے ان دونوں سِلوں کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ بڑے پیار سے ان سِلوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آگیا ہے یہ۔ سرن، دیکھ لو، وچن پورا کر دیا ہے ہم نے بگن، پکڑ لائے ہیں ہم اسے۔ ہماری بکلی سو بیکار کرو، لاؤرے لاؤ اسے۔ لے آؤ ہمارے بیروں کے چرنوں میں..... لاؤ۔“

چند افراد ہر چرن پال کو سل سے کھول کر لے آئے۔ ہر چرن پال پھرایا ہوا تھا۔ پھر اس خونی کھیل کا آغاز ہو گیا۔ ہر چرن کو دونوں سِلوں کے درمیان جھکا کر کھڑا کیا اور ایک چمکتی ہوئی تلوار راون پاٹے کے ہاتھ میں دے دی گئی۔

چشم زدن میں ہر چرن کی گردن اس کے شانوں سے جدا ہو کر وہ جاگری اور اس کے بدن سے خون کا فوراہ بلند ہو گیا۔

پاٹے نے یہ خون دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرے پر ملا اور اس کا چہرہ بے حد بھیا نک ہو گیا۔

دوسری طرف رنجنا کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ اسے کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں اپنے بھائی کا بدن غوطے کھاتا نظر آ رہا تھا۔ اس کی ولد و زچیں کانوں میں گونج رہی تھیں اور رنجنا کا چہرہ انگاروں جیسا ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگی تھیں۔ اسی وقت راون پاٹے نے اسے دیکھا۔

راون پاٹھ لے اس وقت ایک جنونی کیفیت میں تھا، جس کا اظہار اس کے چہرے سے ہوتا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں رنجنا کی آنکھوں میں گڑ کر رہ گئی تھیں۔ رنجنا بھی اس وقت دوسرے جہان میں تھی، کچھ دیر کے لیے وہ بھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے اور اس نے کیا دیکھا ہے، وہ تو بس چشم تصور سے رتن چند کے بدن کو جلتے تیل کے کڑھاؤ میں جلتے دیکھ رہی تھی اور اسے اس کی اذیت اپنے وجود میں محسوس ہو رہی تھی۔

راون پاٹھ لے تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے قریب آ گیا، اس نے رنجنا کے شانے پر ہاتھ رکھا تو رنجنا چونک پڑی۔ اس نے نظریں ہٹا کر راون پاٹھ لے کا چہرہ دیکھا اور پھر نہ جانے کیا ہوا، آگے بڑھ کر اس نے اپنا سر راون پاٹھ لے کے سینے پر رکھ دیا اور اس کے بعد اس طرح کلیجہ بھاڑ کر روئی کہ وہ جو سنگدل تھے، ڈاکو تھے، رحم نہ آشنا تھے، محبتوں سے دور تھے لرز کر رہ گئے۔ خود راون پاٹھ لے کے ہاتھ آہستہ آہستہ رنجنا کے سر پہنچ گئے۔

”نہ نہ مت رو، ہمارے سامنے، ہمیں آنسوؤں سے نفرت ہے، ہماری آنکھوں کے آنسو سوکھ گئے ہیں، ہم کسی کے آنسوؤں کی پروا نہیں کرتے۔ مت روری، اگر ہماری آنکھیں بھیگ گئیں تو ہم ڈاکو نہیں رہیں گے، مت چھین ہم سے ہمارا سجاؤ، مت روری۔“ آہستہ آہستہ راون پاٹھ لے کی آواز بجھتی چلی گئی۔ وہ رنجنا کو سہارا دے کر ایک طرف چل پڑا۔

”آجا ہمارے ساتھ، یہ کیا کر دیا تو نے، کیا ہو گیا تھے کیا ہو گیا ہے، آجا ہمارے ساتھ آجا بیٹا۔ آجا بھائی تھے دو ہمارے، صرف انہیں بیٹا کہا تھا ہم نے، ٹو کہاں سے بچ میں آگئی، ایک بار پھر ہمارے منہ سے یہ شبدھ نکل گیا ہے۔“ راون پاٹھ لے، رنجنا کو سہارا دیتے ہوئے اپنے غار میں واپس آ گیا۔

رنجنا نہ جانے کتنے عرصے کے بعد روئی تھی، بھائی کی موت کا غم اس کے سینے میں تھا اور

اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا، جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ ویرا سنگھ نے اس کے بھائی کو زندہ تیل کے کڑھاؤ میں جلا ڈالا تھا، تب سے اس کے سینے میں مسلسل سوزش تھی۔ کئی بار اس نے سوچا تھا کہ ویرا سنگھ کے مقابلے پر نکلے اور اس سے رتن چند کی موت کا انتقام لے لیکن پھر دل مسوس کر رہ جاتی۔

اس کے بعد تقدیر اسے دھکے کھلاتی رہی، یہاں تک کہ پر بھود یورائے نے اسے جگایا اور اس نے دونوں باپ بیٹوں کو قتل کر دیا، پھر اس کے بعد جب اس نے راون پاٹھ سے کو پولیس افسر سے اپنے بھائیوں کی موت کا انتقام لینے دیکھا تو اس کی دل کی آگ شدت سے بھڑک اٹھی۔ اس کی آنکھیں خون میں ڈوب گئیں، نہ جانے راون پاٹھ سے ان خونی آنکھوں سے کیسے متاثر ہو گیا کہ ایک دم سے حالات نے پلٹا کھایا۔ راون پاٹھ نے اپنے آدمیوں کو ٹھنڈا شربت لانے کے لیے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد دودھ کے شربت کا جگ غار میں پہنچ گیا۔ راون پاٹھ نے اپنے ہاتھ سے گلاس بھرا اور بولا۔ ”بھائی کے ہاتھ سے دے رہا ہوں، منع مت کرنا۔“

رنجنہ نے گلاس لیا اور غٹا غٹ کر کے چڑھا گئی، سینے کی جلن میں تھوڑی سی کمی ہوئی تھی، راون پاٹھ نے ایک اور گلاس بھرا اور بولا۔

”لے یہ بھی پی لے۔“ رنجنہ نے وہ گلاس بھی پی لی۔

”کیا ہو گیا تھا تجھے، تُو وہی ہے تاجسے ہر چرن پال کے ساتھ لے کر آئے تھے؟“

”ہاں!“

”مگر تیرے ہاتھ کس نے باندھے ہوئے تھے، ہیں، کس نے باندھا تھا تجھے؟“

”اسی پولیس افسر نے۔“

”کیوں؟“ راون پاٹھ نے پوچھا۔

”میں نے دورا کھشش مار دیئے تھے، انہی کے قتل کے الزام میں ہر چرن نے مجھے

گرفتار کیا تھا اور اب مجھے میری موسیٰ کے پاس لے کر جا رہا تھا۔“

”قتل کئے تھے تُو نے دو، ارے جیتی رہ، یقیناً کسی ایسے ہی کو قتل کیا ہوگا، چل چھوڑ ہم

اپنے بھائیوں کی موت کا غم بھولنا چاہتے ہیں۔ نہ جانے کب سے کوشش کر رہے ہیں، آج اس سرے کو خون میں نہلا کر تھوڑی سی تسلی ہوئی ہے۔ ہمارے سرن اور گجن واپس نہیں آ سکتے،

بھگوان کی سوگند انہی کے لیے ہم ڈاکو بنے تھے، اس سرے پولیس افسر نے بڑی بے دردی سے مار ڈالا انہیں۔ ارے گرفتار کر لیتا، کہا تھا ہم نے اس کمینے سے کہ جیون لے کر تجھے کیا ملے گا، سزا دلوا دینا انہیں، مگر طاقت کے نشے میں پور تھا، گولیاں مار دیں ان دونوں کو، ہمارے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ بڑا پریم کرتے تھے ہم ان سے، اب ٹول مل گئی۔ پرتو نے بتایا انہیں اپنے بارے میں کچھ، تو بتا؟“

”بتاؤں گی، ضرور بتاؤں گی۔ سنو۔ رنجنا ہاڑا ہے ہمارا نام، پتا کا نام بھرم چند ہاڑا تھا، پتا کے دیہانت کے بعد بھائی نے ہمیں پالا پوسا، رتن چند ہاڑا ہمارے بھائی کا نام تھا۔“

”ہیں، رتن چند ہاڑا، وہ تو نہیں جس کی حویلی ڈاکو ویرا سنگھ نے جلادی تھی؟“

”ہاں وہی۔“

”اور حویلی میں سارے کے سارے جل کر مر گئے تھے؟“

”میں نہیں مری تھی، پتہ نہیں بھگوان نے مجھے کیوں جیتا رکھا، پتہ نہیں کون سا ایسا پاپ کیا تھا میں نے جس کی وجہ سے مجھے اپنے بھائی کی موت کا غم برداشت کرنا پڑا۔“

”رتن چند ہاڑا کو تو ویرا سنگھ نے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر جلا ڈالا تھا۔“

”ہاں راون چند، تم نے اپنے بھائیوں کی موت کا انتقام لیا تو میرا دل درد سے بھر گیا، میں عورت ہوں بے بس ہوں۔ انہوں نے میری عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی، حالانکہ ہر دیو رائے میرا ماما تھا اور پر بھورائے ماما کا بیٹا، پر انہوں نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔ پر بھو مجھے زنگی بنانا چاہتا تھا، میں نے مار دیا اسے اور اس کے پتا کو بھی کیونکہ انہیں مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، میری زمینوں کو حاصل کرنا چاہتے تھے وہ کمینے۔ جب میں نے دیکھا کہ کس طرح ایک طاقتور بھائی نے اپنے بھائیوں کی موت کا انتقام لیا تو میرا دل خون کے آنسو رو پڑا۔ میں نے سوچا کہ کاش میں بھی رتن چند ہاڑا کی موت کا انتقام ڈاکو ویرا سنگھ سے لے سکتی۔“ رنجنا کا لہجہ میں جوش میں ڈوبا ہوا تھا۔

راون پانڈے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا، پھر اس نے رنجنا کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اب تیرا ایک بھائی اور پیدا ہو گیا ہے رنجنا، ماریں گے سروں کو پکڑ کے دے دیں گے تجھے۔ اسی طرح باندھ دیں گے ان کمینوں کو پتھر کی سل سے اور پھر تیرا من چاہے جو کرنا، ہماری تلوار سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، پھر تیل کے کڑھاؤ

میں جیتا جلا دینا۔ راوون پاٹے تجھ سے وعدہ کرتا ہے کہ تجھے اس کا موقع دے گا۔“
 رنجنا راوون پاٹے کے چہرے پر لرزتے ہوئے جذبات کے سائے دیکھ رہی تھی جن میں سچائی ہی سچائی تھی، اس کے دل کو بھائی کی موت کے بعد پہلی بار بڑی ڈھارس کا احساس ہوا۔ پھر اس دن کے بعد سے راوون پاٹے کا رویہ ایک دم بدل گیا، اسے ہر طرح کی آسائش فراہم کی گئیں، اس بوڑھی عورت کو اس کے پاس ہی بھیج دیا گیا تھا۔ جوان ڈاکوؤں کے درمیان تنہا عورت تھی۔ بڑی اچھی عادت کی مالک تھی پر تنہائی کا شکار رہتی تھی، لیکن اب وہ رنجنا کے ساتھ لگی رہتی تھی، اس کی خدمت بھی کرتی تھی، راوون پاٹے اکثر اس سے ملاقات کرتا تھا۔

”مت سمجھنا کہ پاٹے تیرے کام سے غافل ہو گیا ہے، ایسا نہیں ہے، سسر آج کل بڑے میدان مار رہا ہے، پورے یوپی میں اس نے اودھم مچا رکھا ہے، پولیس کی حالت خراب کر دی ہے، مگر چتا مت کر، آئے گا راوون پاٹے کے پھندے میں۔ ہم گلے میں پنہ باندھ کر اس کی زنجیر تیرے ہاتھ میں دے دیں گے۔ وعدہ ہے یہ ہمارا، سنا ہے ان دنوں دلی میں ہے، ہم نے اپنے چار کھوجی اس کی تلاش میں بھیج دیئے، بس داؤ کلنے کی دیر ہے، دیکھ لینا کس طرح وہ ہماری مٹھی میں آتا ہے؟“

”میں انتظار کر رہی ہوں بھابی۔“ رنجنا نے کہا اور راوون پاٹے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر غار کے دروازے سے باہر نکل گیا۔



پتھر میں بے شک جو تک نہیں لگتی، لیکن دیر اسٹھ پتھر تو نہیں تھا، اس وقت جب وہ بھی انسانوں کی طرح جی رہے تھے اور زندگی سے بھرپور تھے۔ ایک بار جتنے تک نے دیر اسٹھ سے کہا تھا۔

”دیرے ایک بات پوچھوں، سچ بتائے گا؟“

”بتاؤں گا۔“ دیر اسٹھ نے ترنگ میں کہا۔

”ٹو سیتا سے پریم کرتا ہے؟“

”کرتا ہوں۔“

”اس سے دواہ کرے گا۔“

”پتہ نہیں۔“

”جھوٹا جواب ہے۔“

”نہیں سچا ہے، میں نے تجھے بتا دیا کہ میں اس سے پریم کرتا ہوں، اس کے من میں کیا ہے مجھے نہیں معلوم، اگر کبھی اس نے زبان کھولی تو دیکھوں گا، ورنہ جیون بھر خاموشی سے اس سے پریم کرتا رہوں گا۔“

”اور اگر اس نے کبھی زبان نہ کھولی تو کسی اور سے بھی دواہ نہیں کرے گا۔“

”کبھی نہیں کروں گا، بس اس سے آگے کوئی سوال نہیں۔“ یہ کہہ کر ویرا سنگھ نے آنکھیں

بند کر لی تھیں۔ جتنے تک جانتا تھا کہ اب وہ اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں بولے گا۔

ان دنوں ویرا سنگھ کے چہرے پر جو اسی نظر آنے لگی تھی، اسے دیکھ کر جتنے تک کو وہ وقت یاد آ جاتا تھا جب انہوں نے ایک جنگل میں بسیرا کیا ہوا تھا۔ ویرا سنگھ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ایک تیز دھار چاقو سے ایک سخت لکڑی چھیل رہا تھا۔ جتنے تک نے کہا۔ ”اداس ہو دیرے۔“ ویرا سنگھ نے اس سوال پر چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

”ہاں، بیٹا یاد آرہی ہے۔“

”ایک سوال کروں دیرے؟“

”بول۔“

”وہ مل جائے تو اس سے شادی کر لو گے۔“

”اسے اس کے ماما پتا کے پاس پہنچا دوں گا، اگر اس نے میرے پریم کے لیے زبان

بھی کھول دی تو بھی اس سے دواہ نہیں کروں گا۔“

”کیوں؟“ جتنے تک نے چونک کر پوچھا۔

”تو نہیں جانتا جتنے تک، دواہ تو ہم نے کر لیا ہے، بندوق سے۔ اب تو ہمارا ایک ہی

کام ہے، اس کے علاوہ کسی اور کام کے نہیں رہے۔ پر میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔“

”کیا؟“

”ہم اس جنگل میں پڑے کیا کر رہے ہیں کون سا سوگ منارے ہیں ہم۔ یہ تو اپنی سوگند

سے غداری ہے۔“

”ایسی بات نہیں دیرے۔ ہم تھوڑا سے گزار کر کام شروع کر دیں گے اور آگ

برسادیں گے ان پر۔ کیا یاد کریں گے یہ سرے بھی۔ پر میں ایک بات سوچ رہا ہوں؟“
 ”کیا؟“

”گوتم داس کی باتیں یاد ہیں تمہیں۔ راجیش گورا کو بھی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سیتا گوتم داس کے پاس سے نکل گئی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد راجیش گورا کا کیا رد عمل ہوگا، کیا اس نے سیتا کو تلاش کر لیا ہوگا؟“

ویرا سنگھ سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ”اگر اس نے سیتا کو حاصل کر بھی لیا تو دوسری بار وہ اس کے ذریعے ہم پر جال ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ کیونکہ گوتم داس اسے ضرور بتا دے گا کہ ہم اس تک پہنچ گئے ہیں، اسے اپنی اس ناکامی پر بھی بہت غصہ آیا ہوگا کیونکہ وہ یہی تو چاہتا ہے کہ ہم سیتا کی تلاش میں وہاں آئیں۔“

”میرے من میں ایک اور بات ہے وہ یہ کہ ہمیں گونا گڑھی میں اپنا ایک آدمی چھوڑنا چاہئے اور اگر سیتا وہاں پہنچ جائے تو وہ بس ہمیں اس کے آجانے کی خبر دے دے۔“

”نہیں ہم ایسا نہیں کریں گے، راجیش بھی سوچ سکتا ہے کہ شاید ہم سیتا کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں اور وہ وہاں نگاہ رکھے گا۔ ویسے بھی گونا گڑھی کون سی دور ہے؟ ہم خود وہاں چل کر معلوم کریں گے، البتہ چلو دہلی چلتے ہیں دیکھیں اپنے راجیش جی اب کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک گندا کام کیا ہے، کاشی جی کی عزت خاک میں ملا کر انہوں نے اوجھے پن کا ثبوت دیا ہے، مرد میدان میں آکر مقابلہ کرتے ہیں، عورتوں کی آڑ میں حملہ کرنے والے عزت کے قابل نہیں ہوتے چلو دہلی چلیں۔“ ویرا سنگھ مسکرا کر بولا۔

◆=====◆=====◆

راجیش گورا ابھی تک دہلی میں ہی مقیم تھا۔ اس سے کہیں بڑے عہدے کا پولیس آفیسر دریش ورما بھی منہ چھپائے بیٹھا ہوا تھا لیکن چونکہ راجیش گورا اس سلسلے میں نمایاں طریقے سے منظر عام پر تھا، اس لیے سازی شامت اسی کی آرہی تھی۔ پولیس کمشنر نے راجیش گورا کو طلب کر لیا۔ اس نے راجیش گورا کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ”حکومت نے ویرا سنگھ جیسے ایک دیہاتی کو گرفتار کرنے کے لیے بڑے چیلنج کے ساتھ تمہیں بلایا تھا لیکن کیا ہوا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں اخبارات میں تصویریں چھپوانے کا شوق ہے۔“

”نہیں سر، یہ بات نہیں ہے۔“ راجیش گورا نے شرمندگی سے کہا۔

”گویا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔“ کمشنر غرایا۔
 ”نہیں سر۔“

”اپنے حواس کنٹرول میں رکھو گورا، جو کچھ بول رہے ہو اس پر غور کرو۔ تم نے بمبئی سے آتے ہی اخباری بیانات دینا شروع کر دیئے اور اب تمہاری اس درگت کی کہانیاں چھپ رہی ہیں، صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی پولیس کی بدنامی ہو رہی ہے، حکومت کی بدنامی ہو رہی ہے، لوگ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ حکومت فیل ہو گئی۔“
 ”جناب عالی اس سلسلے میں میرا ایک اور خیال ہے۔“ راجیش گورانے کہا۔
 ”وہ کیا، جلدی کہو۔“

”میرا تو اپنا یہ خیال ہے کہ ویرا سنگھ کی پشت پر حکومت کے بہت بڑے بڑے عہدیداروں کے ہاتھ ہیں اور اسے ہر طرح سے ان کی پشت پناہی حاصل ہے۔“
 ”یہ بات تو گرفتاری میں ناکام ہونے والے بھی لوگوں نے کہی ہے۔“
 ”مگر یہ بات ٹھیک ہے سر۔“ راجیش گورانے کہا۔
 ”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔“
 ”ثبوت تو نہیں لیکن آپ خود سوچیں کہ ایک ڈاکو پورے اتر پردیش کی پولیس کو نچا رہا ہے۔“

”اس کی وجہ پولیس کی نااہلی ہے۔“ کمشنر نے کہا۔
 ”ہو سکتا ہے سر۔“ راجیش گورا مردہ لہجے میں بولا۔

”ہو نہیں سکتا مسٹر گورا میں عاجز آچکا ہوں اس نام کو سن کر، جو کچھ یہ شخص کر چکا ہے وہ ہماری بدنامی کے لیے کافی ہے، تم بڑی تنخواہیں ہیں لیتے ہو اور گورنمنٹ کی طرف سے تمہیں ہر طرح کی مراعات حاصل ہیں۔ سنو مائی ڈیزر راجیش گورا! دو ہی صورتیں ہیں اسے گرفتار کر دیا پھر استعفیٰ دے دو، میں کوئی تیسری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔“ پولیس کمشنر نے سخت لہجے میں کہا اور راجیش گورا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ تو اسے اندازہ تھا کہ حکمرانی ڈانٹ ڈپٹ زبردست ہوگی، لیکن نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اپنے مشن میں ناکام رہ کر وہ خود بھی جان چھڑا کر واپس جانے کے لیے تیار تھا، لیکن اس سے استعفیٰ طلب کیا گیا تو اس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔ اس کی ساری نیک نامی ختم ہو جائے گی اور یہ

بات شہرت پائے گی کہ ویرا سنگھ کی وجہ سے راجیش گورا کو استعفیٰ دینا پڑا۔ بہت دعویٰ کر کے آیا تھا اور پھر وہ سب خوشی سے ناچ اٹھیں گے جنہیں راجیش گورا کے ہاتھوں نقصان پہنچا تھا۔

اس نے نظریں اٹھا کر کمشنر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”سر میں استعفیٰ بھی دے سکتا ہوں، لیکن استعفیٰ دینے کے باوجود میں ویرا سنگھ کے مد مقابل ہی رہوں گا، کیونکہ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی شکست ہے اور میں نے آج تک شکست قبول نہیں کی ہے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے اپنے طور پر کام کرنے کی اجازت دیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ پولیس کی نفری کے ساتھ اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا لیکن اب میں اکیلا ہی اس کیس کو نمٹاؤں گا۔“

کمشنر کے انداز میں کچھ نرمی نظر آئی، پھر اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، اس سلسلے میں تم جو کچھ بھی کرو گے اس کی رپورٹ مجھے براہ راست دو گے اور میں آج ہی تمام افسران کو لکھ رہا ہوں کہ جب بھی تمہیں پولیس کی مدد درکار ہو تم ان سے رجوع کر سکتے ہو، جاؤ لیکن مجھے اپنی رپورٹیں ضرور دیتے رہنا۔“

”یس سر۔“ یہ کہہ کر راجیش گورا کمشنر کے کمرے سے نکل آیا۔

وہ اپنی رہائش گاہ پر پہنچا اور گھر پہنچ کر اس نے کچھ ضروری کارروائی کی۔ اس نے دریش ورماد اور دوسرے تمام افراد سے معذرت کر لی کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کام نہیں کرے گا بلکہ آئندہ اپنے طور پر اس سلسلے میں کام کرے گا۔ پھر وہ اپنے طور پر منصوبہ بندی کرنے لگا۔

کمشنر سے ڈانٹ ڈپٹ کا یہ تیسرا دن تھا۔ اس وقت وہ اپنے گھر کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا اپنے نئے منصوبوں پر غور کر رہا تھا کہ گھر کا ایک ملازم اس کے پاس آیا اور بولا۔ ”سریہ لفافہ ایک آدمی دے گیا۔“

راجیش گورا نے جلدی سے وہ لفافہ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا، پرچے

پر لکھا ہوا تھا:

”راجیش گورا مہاراج بے رام جی کی، آپ نے ویرا سنگھ کی گرفتاری کے

لیے جو بیانات دیئے تھے، ان کے جواب میں آپ کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے،

ویرا سنگھ کا مشورہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے بمبئی

واپس چلے جائیں اور بمبئی میں ویرا سنگھ کے مفادات کی نگرانی کریں۔ ویسے

بڑے شرم کی بات ہے کہ اتنے بڑے پولیس افسر ہو کر آپ ایسی ناقص منصوبہ

بندیاں کرتے ہیں، ہوٹل دھن راج میں آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ساری بمبئی پولیس کے لیے ویرا سنگھ کی طرف سے ایک تحفہ تھا، اس سے پہلے دوسری چال بھی چل چکے ہیں۔ گونا گڑھی سے کاشی رام کے ہاں آپ نے اس کی بیٹی کو اٹھا لیا تھا، کیا ایک اعلیٰ افسر کو یہ بات زیب دیتی ہے۔ آپ کو یہ بھی پتہ چل چکا ہو گا کہ ویرا سنگھ، گوتم داس کے ہاں جا چکا ہے، وہاں بھی آپ کے منہ پر کا لگ لگی اور آپ ایک لڑکی کو اپنا ذریعہ بنا کر بھی اپنا کام نہیں کر سکے۔ آپ کو نا کامی کا سامنا کرنا پڑا، آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، اس کا فیصلہ بھی آپ ہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ٹھیک ہے دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔“

راجیش گورا بہت دیر تک یہ خط ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا، اسے احساس ہو رہا تھا کہ ویرا سنگھ دہلی ہی میں موجود ہے لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ ویرا سنگھ نے اسے اپنے مفادات کی نگرانی کے لیے کہہ کر اتنی بڑی گالی دی تھی کہ وہ سوچ نہیں سکتا تھا، بہر حال اس کی بے عزتی پر بے عزتی ہو رہی تھی، اگر سیتا کے بارے میں کچھ پتہ چل جائے تو شاید اس سے ہی کوئی بات بن سکے۔ کشنر کے دفتر میں بھی اس کی جو بے عزتی ہوئی تھی اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ درلش ورماجی چھٹی پر چلے گئے تھے، کئی دن گزر گئے، وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا، چوتھے دن اسے ایک اور خط ڈاک سے موصول ہوا، یہ بھی ویرا سنگھ کی طرف سے ہی تھا۔

”آپ ابھی تک دلی میں موجود ہیں، راجیش گوراجی، ہم آپ پر بل بل نگاہ رکھ رہے ہیں، بہت دن ہو گئے نہ آپ نے کچھ کیا نہ ہم نے۔ چلے کھیل شروع کرتے ہیں۔ غازی آباد کے راج سندالی، آپ جانتے ہیں پچھلے دور میں وزیر آپااشی رہ چکے ہیں، پتہ نہیں اتنی دولت انہوں نے کہاں سے حاصل کر لی، ہم نے انہیں نگاہ میں رکھا ہے۔ اپنی وزارت کے دوران انہوں نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں، غریبوں کی بستیوں کو آگ لگوا کر ان جگہوں پر قبضہ کیا ہے اور وہاں پلازے بنوائے ہیں، خیر چھوڑیئے، منگل کی رات کو ان کی تجوریاں خالی ہو جائیں گی، منگل میں ابھی تین دن باقی ہیں اگر آپ چاہیں تو انتظام کر لیں۔ وہاں ہماری آپ کی بھینٹ ہوگی، کیا کہتے ہیں راجیش جی آر ہے ہیں منگل کی رات کو آپ سے ملنے کو بڑا امن چاہتا ہے۔“ (آپ کا ویرا سنگھ)

خط پڑھ کر راجیش گورا کی بری حالت ہو گئی تھی، وہ پرچہ مٹھی میں دبائے ادھر ادھر ٹہلنے لگا، اسے چاروں طرف دیراسنگھ کے بھوت نظر آرہے تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

گوریش ورمائن دنوں چھٹیوں پر تھے لیکن اس دوران ایک دوبار ٹیلی فون پر راجیش گورا سے ان کی بات ہو چکی تھی۔ اس وقت بھی راجیش گورا کے دل میں یہی بات سائی کہ دریش ورماجی سے مشورہ کرے۔ چنانچہ وہ ورماکو فون کر کے ان کے پاس پہنچ گیا۔ ورماجی بے چارے خاصے غڈ حال تھے، راجیش گورا نے ساری تفصیل ان کے سامنے بیان کی تو ورماجی پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔ پھر بولے۔ ”دیکھو راجیش گورا میرا خیال ہے کہ ویراسنگھ نے تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، وہ تمہیں غازی آباد بلانے کے بعد دہلی میں کوئی بڑی کارروائی کرنا چاہتا ہے، اس کی خواہش ہے کہ تم منگل کی رات دہلی چھوڑ دو کیا سمجھے۔“

”بات سمجھ میں آئی ہے ورماجی، پر میں اسے کامیاب نہیں ہونے دوں گا بلکہ اس دھوکا دہی کا جواب دھوکے سے ہی دوں گا۔ البتہ یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ دہلی میں ویراسنگھ کو واردات کرنے سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟“

”ظاہر ہے ویراسنگھ نے پچھلے دنوں دہلی میں جوڈا کے ڈالے ہیں، ان میں سارے ہی بڑے بڑے لوگوں کو نشانہ بنایا ہے اور اب بھی اس کے ذہن میں یہی بات ہوگی، میں سمجھتا ہوں کہ ایک بار پھر ان کی فہرست تیار کرو جو باقی بچ گئے ہیں اور اندازہ لگاؤ کہ وہ کسے نشانہ بنانا چاہتا ہے، لیکن نہایت خفیہ طریقے سے یہ کام کرنا ہوگا۔“ ورماجی کے اس فیصلے پر عملدرآمد کے لیے راجیش گورا نے کمشنر سے رابطہ قائم کیا اور بہت بڑی نفری سادہ لباس میں طلب کر لی۔

پیر کی شام کو جب وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اردلی نے کسی کے آنے کی اطلاع دی اور راجیش گورا چونک پڑا۔

”کون ہے وہ؟“

”پتہ نہیں صاحب نام نہیں بتاتے اپنا، کہہ رہے ہیں کہ راجیش گورا سے ملنا چاہتا ہوں۔“

دفعتاً ہی راجیش گورا کے ذہن میں ایک خانہ سا کھل گیا، اسے وہ پیر یاد آ گیا جس نے اسے بیوقوف بنا کر دھن راج ہوٹل میں پہنچایا تھا اور وہاں اس کی انتہائی بے عزتی ہوئی تھی۔

”شاید پھر کوئی ایسی ہی کارروائی ہو رہی ہے۔“ دوسرے لمحے اس نے سرکاری پستول چیک کیا اور اسے میز کے نیچے چھپالیا، پھر اردلی سے بولا۔ ”بلاؤ کون ہے۔“

اردلی باہر نکل گیا، چند لمحوں کے بعد ایک دراز قامت آدمی اندر داخل ہو گیا۔ باریک ملل کی دھوٹی اور کرتے میں وہ بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ راجیش گورا اسے غور سے دیکھنے لگا، اسے شبہ ہو رہا تھا کہ اس شخص کا قد و قامت وہی ہے جو بیرے کا تھا، ضرور یہ بھیس بدل کر آیا ہے، میز کے نیچے پکڑے ہوئے پستول پر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔

”آئیے مہاشے جی کیا بات ہے؟“ اس نے سوال کیا۔

”آپ راجیش گورا ہیں نا؟“

”جی ہاں میں ہی راجیش ہوں فرمائیے۔“

”یہ پرچہ دیکھئے۔“ آنے والے نے ایک لفافہ نکال کر راجیش گورا کے سامنے رکھ دیا اور راجیش گورا کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے ایک ہاتھ سے لفافہ کھولا اور اس میں سے ایک پرچہ نکال لیا، لکھا تھا۔

”شریمان راج سندالی جے رام جی کی، سنا ہے لوگوں کا سکھ چین لوٹنے میں آپ نے کمال کر رکھا ہے، بہت پریشان کیا ہے غریبوں اور بڑی دولت جمع کی ہے آپ نے، چلے کوئی بات نہیں، منگل کی رات کو ہماری آپ سے بھینٹ ہوگی، سارے حساب چکالیں گے آپ سے۔ ویرانگھ۔“

راجیش گورانے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو خونیں نگاہوں سے دیکھا اور دوسرے لمحے میز کے نیچے سے ہاتھ نکال کر اس پر پستول تان لیا۔

”آج ٹوچ کر نہیں جاسکے گا، بہروپے، میں آج تیری ساری چالاکی نکال دوں گا۔“ وہ پستول لے کر کھڑا ہو گیا۔

سامنے بیٹھا شخص حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا تھا، اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں راجیش گورا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک اس پولیس آفیسر کا دماغ کیوں خراب ہو گیا ہے، وہ ایک معزز آدمی تھا، پچھلے دور حکومت میں وزیر رہ چکا تھا۔ ویسے بھی خاندانی آدمی تھا، پڑکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیدادیں اور زمینیں اتنی زیادہ تھیں کہ بعض جگہوں کے بارے میں اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی ملکیت ہیں۔ آیا تو وہ ویرانگھ کا خط لے

کر تھا، لیکن الٹی آنتیں گلے پڑ گئی تھیں اور راج سندالی تعجب بھری نگاہوں سے راجیش گورا کو دیکھ رہا تھا۔

راجیش گورا نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”تو کیا سمجھتا ہے، پہلے تو نے جو کچھ کیا ہے اس میں بے شک ٹوکامیاب رہا، لیکن اب.....“ یہ کہہ کر راجیش گورا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے راج سندالی کا گریبان پکڑ لیا اور بولا۔ ”اس بار بھی تو نے بہت اچھا میک اپ کیا ہے۔“ یہ کہہ کر راجیش گورا نے راج سندالی کے بال پکڑ لیے اور کئی بار انہیں زور زور سے جھٹکا دیا۔ راج سندالی کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ ظاہر ہے اس کے بال اصلی تھے، بالوں کو چھوڑ کر راجیش گورا نے اس کی مونچھ پکڑ لی۔

راج سندالی نے کچھ کہنا چاہا تو راجیش گورا کے اٹنے کا تھپڑ اس کے رخسار پر پڑا اور اس کا منہ دوسری طرف گھوم گیا، اسی وقت ایک اردلی اندر داخل ہو اس نے کہا۔

”سرور ماجی آپ کو بلار ہے ہیں، کوئی ایمر جنسی ہے۔“

”ہوں یہ لو پستول، تم اسے دیکھو، اگر یہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو اس کے دونوں پیروں میں گولی مار دینا۔“

”یس سر۔“ اردلی نے راجیش گورا کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور راجیش گورا سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو گھورتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دریش ورما کے آفس میں داخل ہو گیا، ورما ماجی بھی گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے، راجیش گورا کو دیکھ کر انہوں نے مغموم انداز میں گردن ہلائی اور سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، گورا کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کچھ بری خبریں ہیں راجیش گورا۔“

”میں ہر خبر سننے کے لیے تیار ہوں ورما ماجی، آپ جانتے ہیں کہ میرے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔“

”ہاں اور اس کا مجھے افسوس ہے، لیکن مزید افسوسناک خبر یہ ہے کہ اوپر سے ہدایات آئی ہیں کہ آپ کو واپس بمبئی بھیج دیا جائے اور آپ کی جگہ کسی اور افسر کا تعین کیا جائے۔“

راجیش گورا نے رخت نگاہوں سے ورما ماجی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اور آپ جانتے ہیں کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔“

”قصور ہے یا نہیں یہ کون دیکھتا ہے، یہ جو بڑی بڑی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ سمجھتے

ہیں کہ ہر طرح کے مجرم ہاتھ باندھ کر ہمارے سامنے پیش ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ لیجئے ہمیں گرفتار کر لیجئے، گوراجی اور میں کچھ نہیں کہتا لیکن جس کا نام دیرانگھ ہے وہ شیطان کا بھی باپ ہے، ہر چیز سے واقف ہو جاتا ہے اور اس کی چالیں ایسی ہیں کہ دیکھنے اور سننے والے بس دانتوں میں انگلی دبا کر رہ جائیں۔“

”تو پھر میرے لیے کیا حکم ہے، ابھی کچھ دیر پہلے ایک شخص میرے پاس آیا ہے، اس کا نام راج سندالی ہے۔“

”ہاں ہاں تو یہ بڑا مشہور آدمی ہے، غازی آباد کا سب سے بڑا رئیس۔“

”لیکن میں آپ کو بتاؤں یہ وہی شخص ہے جو بیرابن کر ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے

ہمیں ایک کامیاب دھوکا دیا تھا۔“

”کیا؟“ دریش ورا حیرت سے اچھل پڑا۔

”ہاں، وہی ہے میں اسے اپنے آفس میں بٹھا آیا ہوں۔“

”اوہو، میرا خیال ہے اگر ایسی بات ہے تو تم فوراً اسے گرفتار کر لو، وہ بہت خطرناک

آدمی ہے، کیا تمہارے آفس میں بیٹھا ہوگا۔“

”ہاں، میں اس کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔“ راجیش گورانے کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے جاؤ اسے دیکھو، ابھی اس سلسلے میں تھوڑا سا وقت ہے ہمارے پاس اگر

کوئی کام کی بات بن سکتی ہے تو بناؤ، میں اس حکم کو رکھوں گا جو مجھے تمہارے سلسلے میں دیا گیا

ہے۔“

”بہر حال دیکھ لیجئے، ممکن ہو تو آپ کمشنر صاحب سے بات کر کے اس بارے میں بتا

دیتے، میرا تو کام جاری ہے بلکہ اب تو مجھے بھی ضد ہو گئی ہے، میں دیرانگھ کو گرفتار کر لوں یا

پھر..... یا پھر.....“ راجیش گورانے بات پوری نہیں کی۔ عقل آگئی تھی کہ کہیں جذبات

میں آکر کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھے جو بعد میں اس کی نوکری کے لیے خطرہ بن جائے۔

وہ آفس میں واپس آ گیا، اردلی نے پتہ نہیں راج سندالی کے ساتھ کیا کیا تھا کہ راج

سندالی غڈ حال سا کرسی سے پشت لگائے بیٹھا تھا، وہ اندر داخل ہوا۔

اردلی اس وقت افسر اعلیٰ بنا ہوا تھا۔ وہ بولا۔ ”سرجی بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا، میں نے

تھوڑی سی پھینٹی لگا دی ہے۔“

”ہوں۔ بھی کیا کہتا ہے ٹو، راج سندالی ہے ٹو، کروڑ پتی ارب پتی۔“

”میں کچھ بھی نہیں ہوں، بس ایک بات کا خیال رکھنا جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے جواب میں جو کارروائی کروں گا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

جواب میں راجیش گورا کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔

”مجھے جواب دے کہ کون ہے ٹو۔ تیرا نام کیا ہے، ویرا سنگھ کہاں ہے.....؟“ راج سندالی نے کوئی جواب نہیں دیا تو راجیش گورا بولا۔ ”اسے لاک اپ میں ڈال دو، جاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اردلی نے کچھ دوسرے سپاہیوں کو بلایا اور کچھ لمحوں کے بعد راج سندالی کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔



جنے تلک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ زندگی میں پہلی بار ویرا سنگھ کے دل کو چوٹ لگی ہے، وہ اس کا بہت پرانا ساتھی تھا۔

وہ واحد شخص تھا جسے یہ بات معلوم تھی کہ سیتا اور ویرا سنگھ آپس میں محبت کرتے ہیں، لیکن یہ بھی ناقابل فہم بات تھی کہ دونوں نے ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ پتہ نہیں یہ کس طرح کی محبت تھی۔ ہاں اب جبکہ ویرا سنگھ نے ٹھاکروں کو خون تھکوا دیا تھا اور وہ بہت آگے بڑھ چکا تھا، اچانک سیتا کے بارے میں خبریں سننے کے بعد وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔ اسے خوش کرنے کے لیے جنے تلک ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

راج سندالی کے ہاں ڈاکہ ڈالنے کا انداز بھی بہت مختلف تھا اور جنے تلک اس بار بڑے دلچسپ انداز میں کام کر رہا تھا۔ وہ خط جو راج سندالی کو بھیجا گیا تھا راج سندالی اسے لے کر دارالحکومت آیا تھا اور بھاگ دوڑ کرنے کے بعد پولیس کے اعلیٰ افسران سے اس نے خط سمیت ملاقات کی تھی۔ چنانچہ جنے تلک، دھرم سنگھ کے ساتھ مل کر باقاعدہ راج سندالی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس کے ایک ایک قدم سے اسے واقفیت حاصل ہوتی جا رہی تھی۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ بالوعل اب باقاعدہ ان لوگوں کے معاملات میں شامل ہو چکا تھا اور بڑے کام کا آدی ثابت ہو رہا تھا۔ بہر حال دونوں خبریں بڑی تفصیل کے ساتھ ویرا سنگھ تک پہنچی تھیں، پہلی خبر راجیش گورا پر پڑنے والی ڈانٹ ڈپٹ کے بارے میں تھی اور دوسری راج سندالی کے بارے میں تھی۔

”جب پھر راجیش گوراجی کی وجہ سے ہم ایک فائدہ اور کیوں نہ اٹھائیں۔“ ویراسنگھ
 ”کون سا؟“

”راجیش گورانے راج سندالی کو قید کر دیا ہے، تھوڑے بہت وقت کے بعد اسے اصل
 بات کا پتہ چل جائے گا لیکن ہم اس لمحے سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔“ ویراسنگھ نے اپنی تدبیر
 اپنے تمام ساتھیوں کو بتائی تو سب نے اس سے پورا اتفاق کیا اور طے کیا کہ آج شام تک
 ضروری کارروائیاں مکمل ہو جانی چاہئیں۔ انہوں نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لئے۔

اس وقت شام کے چھ بجے تھے، جب تمام لوگ ویراسنگھ کے پاس جمع ہو گئے، جنے تلک
 نے پولیس کی وردیاں ویراسنگھ کے سامنے رکھ دی تھیں۔

”بابولعل کہاں ہے.....؟“ ویراسنگھ نے سوال کیا۔

”وہ اپنے مشن پر روانہ ہو گیا ہے، بلکہ یوں سمجھیں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہے، ہمیں
 جتنا گھاٹ پر اس سے ملنا ہے۔“

”جتنا گھاٹ پر کیوں.....؟“ ویراسنگھ نے سوال کیا۔

”اس کے پاس حکومت کا ایک خاص اجازت نامہ ہے، اس وقت وہ ویراسنگھ کو تلاش
 کرنے والی پارٹی کا ایک رکن ہے۔“

”بہت اچھے، پولیس کی جیپ حاصل ہو چکی ہے اور ہمارا کام بھی تیار ہے۔“ ویراسنگھ
 نے اس سارے منصوبے سے اتفاق کیا۔

اور پھر اس شام موسم کچھ خاص گہرا ہو گیا تھا، تاریکی کے ساتھ کچھ سردی بھی تھی،
 ویراسنگھ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جتنا گھاٹ چل پڑا۔ سب کے سب پولیس کے جوانوں کی
 وردی میں تھے، ان کے پاس وافر مقدار میں ایمونیشن موجود تھا۔ جتنا گھاٹ کے کنارے پر
 پندرہ سپاہیوں کا ایک دستہ موجود تھا، انہیں راجیش گورانے متعین کیا تھا اور انہیں جگن لعل نامی
 حوالدار کنٹرول کر رہا تھا اور سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ بابولعل نے اسی سے دوستی گانٹھ رکھی
 تھی، بلکہ جگن لعل نے بابولعل کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کے لیے بہت عمدہ بھاجی اور
 ترکاری کا بندوبست بھی کیا تھا، چنانچہ ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔

بارش شروع ہو گئی تھی، ان لوگوں نے نشہ آور ادویات کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا، بابو
 لعل نے یہ چیزیں مہیا کی تھیں اور اپنے کام میں کامیاب ہو گیا۔ وہ سارے سپاہی مست ہو گئے

اور اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے منصوبے کا آغاز کر دیا، جگن لعل جی کو ساتھ رکھا گیا تھا، چنانچہ غازی آباد سے تقریباً ایک میل دور ایک دھرم شالہ کے پاس ان لوگوں نے پہلا پڑاؤ ڈالا۔

”یہ کون سی جگہ ہے؟“ جگن لعل نے پوچھا۔

”سورگ ہے جگن لعل جی آئیں، ذرا معائنہ کر لیں کہ سورگ کیسا ہوتا ہے۔“ بابو لعل نے کہا۔ جگن لعل کو اتار کر سورگ میں لے جایا گیا، جہاں جا کر ان کے ہاتھ پاؤں کس دیئے گئے اور باقی سپاہیوں کے صافے اتار کر انہیں بھی کس دیا گیا تھا۔ یہ لوگ نشے میں ہونے کی وجہ سے کوئی جدوجہد نہیں کر سکے اور پھر یہاں سے ایک دوسرے منصوبے کا آغاز ہوا۔

باریک ملل کی دھوٹی اور کرتے میں ویرا سنگھ کو راج سندالی کا روپ دیا گیا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ غازی آباد پہنچ کر دھرم سنگھ نے راج سندالی کی حویلی کی نشاندہی کی اور ہلکی ہلکی بارش کی مدھر آواز میں سوتے ہوئے لوگوں کو جگایا گیا۔ ویرا سنگھ نے ایک اونٹنی شال بدن پر پلیٹ لی تھی تاکہ اس کی صورت نمایاں نہ ہو۔

جنے تلک نے ایک ملازم سے کہا کہ وہ راج سندالی کے بیٹے کرم سندالی کو چگا دے اور ملازم دوڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کرم سندالی سردی سے کانپتا ہوا پہنچ گیا، اس نے غور بھی نہیں کیا کہ کمبل میں لیٹا ہوا اس کا باپ ہے یا نہیں، اس نے کہا۔ ”کیا بات ہے پتا جی خیر تو ہے؟“

”تم جاؤ اور تجوری کی چابیاں لے آؤ۔“ ویرا سنگھ نے بھاری لہجے میں کہا اور کھانسنے لگا۔

”ہج..... چابیاں پتا جی۔“

”ہاں بیوقوف بک بک کئے جا رہا ہے، اس سے پہلے کہ ویرا سنگھ ہمیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دے، ہم اپنی دولت سرکار کے پاس محفوظ کر دیں گے، جاؤ ساری تجوریاں کھول کے جو کچھ موجود ہے یہاں لے آؤ، دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔“ اور پھر دھرم سنگھ اور ہری لعل کرم سندالی کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

کرم سندالی اس وقت نیند میں تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کسی قدم کم ہو گئی تھیں۔ اس کے سامنے پولیس کے بڑے بڑے افسر تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کا باپ موجود تھا، وہ ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد خاصی بڑی بڑی گٹھریاں دھرم سنگھ اور ہری

لعل اٹھا کر لائے اور ویرا سنگھ کے سامنے رکھ دیں۔

”کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔“ ویرا سنگھ نے کرم سندالی سے پوچھا۔

”نہیں ہتاجی، چاروں تجوریاں صاف کر لی ہیں۔“

”چلئے افسر صاحب اسے سرکاری خزانے میں محفوظ کر دیں، دیکھتا ہوں ویرا سنگھ کیسے

ہمارا مال لوٹے گا اور..... کرم سندالی، کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے خاموش رہنا۔“

”جی ہتاجی۔“ کرام سندالی نے سعادت مندی سے کہا اور وہ سب خاموشی سے

وہاں سے نکل آئے۔

پھر جیب واپس چل پڑی تو دھرم سنگھ نے کہا۔

”میرے خیال میں یہ آج تک کا سب سے بڑا ڈاکہ ہے۔“

”کتنا مال ہوگا؟“

”میں صحیح اندازہ بھی نہیں لگا پارہا، نوٹوں کی تعداد کافی ہے اور سونے کا وزن آپ خود

دیکھ رہے ہو۔“

”ہاں میں دیکھ رہا ہوں، اب اسے محفوظ کرنے کا بھی سوال ہے، بہر حال ٹھیک ہے کچھ

نہ کچھ لیس گے۔“ ویرا سنگھ نے کہا اور بارش میں بھیکتے ہوئے وہ کسی نامعلوم منزل کی جانب چل

پڑے۔



دہلی ہنگامی حالات سے گزر رہا تھا، بات صرف راجیش گورا تک ہی محدود نہیں تھی۔

ہندوستان بھر کی پولیس ویرا سنگھ کی تلاش میں تھی۔ ہر جگہ سے حکومت پر لے دے ہو رہی تھی، ان

دنوں دو ہی ڈاکوؤں کا راج تھا، ایک طرف راون پاٹے تھا جس کا نام کبھی کبھی سننے کو مل جاتا

تھا، لیکن جب سے ویرا سنگھ نے وارداتیں شروع کی تھیں، اس وقت سے راون پاٹے کا نام

پیچھے چلا گیا تھا اور اب ہر طرف ”ویرا سنگھ، ویرا سنگھ“ گونج رہا تھا۔

ویرا سنگھ کی وارداتوں میں ذہانت بھی ہوتی تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک

مخصوص طبقے کا دشمن تھا۔ ان دنوں دہلی ویرا سنگھ کی زد میں تھا اور ہر طرف خوف و دہشت کا راج

تھا کہ نہ جانے کب اور کہاں وہ کوئی خونی واردات کر بیٹھے۔ پولیس پوری طرح چوکنی تھی، دہلی

کے چپے چپے پر پولیس تعینات تھی اور دن رات گشت کرتی رہتی تھی، اس کے علاوہ بڑے بڑے

بازاروں میں جو ہریوں کی دکانیں اور دوسری بڑی بڑی کاروباری جگہوں پر بھی پولیس چوکس تھی۔ ہر جگہ ویرا سنگھ کے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں، انہیں مکمل بے شک کہا جاسکتا تھا کہ ابھی تک کہیں سے کوئی امید افزا خبر نہیں ملی تھی۔

ادھر راجیش گورا کی حالت خراب تھی، اسے بڑے کروفر کے ساتھ بمبئی سے بلایا گیا تھا، بے چارے نے اپنی جیسی کوششیں بھی کی تھیں، سیتا کا معاملہ واقعی اس کی ذہانت کا اظہار کرتا تھا لیکن اب کیا کہا جائے کہ وہاں بھی وہ بد قسمتی کا شکار رہا تھا۔ اس نے اپنے طور پر ویرا سنگھ سے نمٹنے میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی تھی، لیکن تقدیر ہی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ویرا سنگھ کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

روٹھی تقدیر کو منانے اور اپنی عزت کو بچانے کے لیے راجیش گورا کئی بار چھپ کر دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں بھی گیا تھا، منتیں مرادیں بھی مانی تھیں اور بھینٹ بھی چڑھائی تھی، لیکن دیوی دیوتا غائب اس بارے میں کچھ اور سوچ رہے تھے۔

پچھلے دن تو سخت مصروفیت کے گزرے تھے اور راجیش گورا کو ایک پل کی بھی فرصت نہیں ملی تھی، اس وقت بھی دفتر میں دریش درما سے باتیں کر رہا تھا۔ اس وقت گفتگو کا موضوع وہی خط تھا جس میں ویرا سنگھ نے راج سندالی کے بارے میں لکھا تھا، وہ خاص طور پر دریش درما کے پاس آیا تھا، دل کی باتیں اس سے کر لیتا تھا، کیونکہ دونوں ہی مل کر آہ وزاریاں کر رہے تھے۔

”سب سے بڑی بات یہ ہے درماجی کہ منگل کا دن گزر گیا، آج بدھ ہے لیکن غازی آباد سے کسی واردات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ویرا سنگھ نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش تھی اور یقیناً اس کا ارادہ ہوگا کہ ہماری توجہ دوسری طرف مبذول کر کے یہاں دہلی میں کوئی واردات کرے۔ پر ہماری بھرپور کوششوں کی وجہ سے وہ کہیں اپنا کام نہیں کر سکا، میں ساری رات جاگتا رہا ہوں اور خود بھی گشت کرتا رہا ہوں کہ کہیں سے ویرا سنگھ کا سراغ مل جائے۔“

”اس آدمی پر تم نے کوئی کام نہیں کیا جسے تم نے پکڑ کر بند کیا ہے؟“

”ارے ہاں اچھا یاد دلایا آپ نے۔ آج اس کی کھال اتارتا ہوں کچھ تو پتہ چلے گا

ہی۔“

”آپ اس دوران اس سے ملے بھی نہیں ہیں.....؟“

”نہیں مگر آج میں اسے دیکھتا ہوں۔“

”پتہ نہیں کیوں میرے من میں تھوڑے ڈر کا احساس ہے۔“

”کیا؟“

”ایک بات بتائیے، غازی آباد سے راج سندالی کے ہاں سے آپ کو کوئی خیر خبر نہیں

ملی.....؟“

”اُدھر ضرور سکون ہوگا، اس کی وجہ سے راج سندالی نے مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا۔“

”میرا من ڈر رہا ہے گوراجی۔ آپ نے کسی کو وہاں بھیج کر راج سندالی کی خیریت نہیں

معلوم کی.....؟“

”اس کی ضرورت ہی نہیں تھی، میں نے جڑ جو پکڑ لی ہے۔“ راجیش گورانے مسکراتے

ہوئے کہا لیکن دریش ورما کا چہرہ سکڑ گیا تھا۔

”نہیں راجیش گورا، میرے خیال میں آپ کو غازی آباد کی خبر ضرور لینی چاہئے

تھی۔ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ راج سندالی ہمارے ملک کا بہت بڑا دولت مند ہے، پولیس

کشنر سے بھی اس کی بڑی دوستی ہے، آپ کو کم از کم وہاں تعینات اپنے آدمیوں سے ضرور ملنا

چاہئے تھا۔“

”آپ مجھے ڈر رہے ہیں دریش جی؟“

”یہ بات نہیں ہے، اصل میں جب بنی بگڑتی ہے تو ایسے بگڑتی ہے نہ بنائے نہیں بنتی،

آئیے اٹھئے ذرا اس کے پاس چلتے ہیں۔“ دریش ورما جی کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں

تھے۔

”آئیے..... ویسے بھی اب اس کی زبان کھلوانے کے لیے بارے میں سوچ رہا ہوں،

ٹھہرے میں کسی کو بلا کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔“ راجیش گورانے پُر

جوش لہجے میں کہا۔



تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک آدمی کو طلب کر لیا اور اس سے راج سندالی کے بارے میں پوچھا۔ اس آدمی نے بتایا۔ ”بس مرنے ہی والا ہے۔ پاگل ہو گیا ہے، گالیاں بکتا رہتا ہے اور کہتا ہے ہم سب کو چھانسی دلوادے گا، ہم نے بھی اس کا دماغ اچھی طرح ٹھیک کر دیا ہے۔ کھانے پینے کو نہیں دیا اور اب وہ زمین سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہا ہے۔“

راجیش گورا ہنسنے لگا، لیکن درلش ورمائے اسے باہر دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”لگ رہا ہے آپ نے کوئی بہت بڑی غلطی کر ڈالی ہے راجیش گوراجی، جلدی چلے بھگوان کے لیے، جلدی چلے۔“ راجیش گورا نے چونک کر انہیں دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا اور باہر آ کر دونوں جیب میں بیٹھ گئے۔

”اگر وہ راج سندالی ہی نکلا تو کیا ہوگا، کیا آپ اسے صورت شکل سے پہچانتے ہیں، راجیش گوراجی.....؟“

”ایں..... نہیں پہچانتا تو نہیں ہوں، مگر میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“
”سمجھ جائیں گے، ڈرائیور گاڑی تیز چلاؤ۔“ ورماجی نے بے چینی سے کہا اور ڈرائیور نے جیب کی رفتار تیز کر دی۔

ورماجی نے پوچھا۔ ”کیا آپ نے اسے کھانا دینے کے لیے منع کر دیا تھا۔“
”نہیں ایسی کوئی بات نہیں کہی، لیکن آپ بالکل چھتا نہ کریں، یہ وہی بندہ تھا جس نے میرا بن کر مجھے دھوکا دیا تھا۔“

”میں تو ڈر رہا ہوں کہ اگر وہ راج سندالی ہی نکلا تو کیا ہوگا، آپ نہیں جانتے راج سندالی پولیس کمشنر کی ناک کا بال ہے۔“

ورماجی کی یہ دل ہلا دینے والی اطلاع سن کر راجیش گورا کا دل بھی دھڑکنے لگا تھا۔ پھر

اس کے بعد راستے بھر خاموشی رہی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے رہے۔ یہاں تک کہ وہ جگہ آگئی جہاں راجہیش گورانے راج سندالی کو قید کر رکھا تھا۔

نہایت غلیظ کوٹھری تھی، جس کے کھر درے فرش پر راج سندالی نیم غشی کی کیفیت میں پڑا ہوا تھا۔ درماجی کے اشارے پر راجہیش گوراجی کے آدمی اسے کوٹھری سے نکال کر ایک کمرے میں لے آئے اور درلش ورمائے صاف پہچان لیا کہ وہ راج سندالی ہی ہے۔ درلش ورمائے کا چہرہ اتر گیا تھا، ادھر راج سندالی نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا۔

ورماجی نے سرونگا ہوں سے راجہیش گورا کو دیکھا اور بولے۔ ”فسوس گوراجی اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔“

”کیا مطلب؟“

”یہ راج سندالی ہی ہیں۔“

”مم..... مگر۔“ راجہیش گورا کا دل ایک بار پھر بیٹھنے لگا۔

”آپ نے ان کی جو درگت بتائی ہے اس کے لیے آپ جواب دہ ہیں، براہ کرم انہیں میری کوٹھی پر پہنچا دیں۔ میں یہاں ان سے بات بھی نہیں کر سکتا، میں خود کو آپ کے جرم میں شریک کر کے اپنی پوزیشن خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔“

”مم..... مگر درماجی آپ کو یقین ہے کہ یہ راج سندالی ہی ہے۔“ راجہیش گورانے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

”جی مجھے یقین ہے۔“ ورمائجی بولے اور واپسی کے لیے پلٹ پڑے۔

راجہیش گورا اپنی جگہ پتھر سا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اس کے تابوت میں آخری کیل ہے، اس کے بعد اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی، اس سے ایک اور بڑی غلطی ہو گئی تھی، ورمائجی اس سے بڑے افسر تھے اس لیے راج سندالی کو ان کے پاس پہنچانا بھی ضروری تھا، وہ جا چکے تھے۔ اس مرحلے پر انہوں نے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی، اب جو کچھ بھی بنتی تھی راجہیش گورا پر ہی بنتی تھی۔ وہ راج سندالی کو لے جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

دوسری طرف درلش ورمائجی سخت پریشان تھے، انہوں نے فوراً کچھ لوگوں کو غازی آباد دوڑا دیا تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ راج سندالی کے گھرانے پر کیا ہمتی۔ ان لوگوں کو انہوں نے یہ ہدایت کر دی تھی کہ تفصیلات معلوم کر کے فوراً واپس آئیں۔

انہوں نے فوری طور پر ڈاکٹر کو بھی طلب کر لیا تھا اور پھر راجیش گورا کا انتظار کیا جانے لگا۔ ڈاکٹر صاحب آئے تھے اور اس کے تھوڑی دیر کے بعد راجیش گورا، سندالی کو لے کر پہنچ گیا۔

ڈاکٹر صاحب کو صورتِ حال بتائی گئی۔ انہوں نے راج سندالی کو دیکھا اور بولے۔ ”تشویش کی بات نہیں ہے، بھوکے اور پیاسے رہنے سے یہ حالت ہو گئی ہے، فوری غذا دی گئی تو حالت بگڑ جائے گی۔ اس لیے تھوڑے سے دودھ سے ابتدا کی جائے۔“

راج سندالی کو دودھ دیا گیا اور ڈاکٹر نے طاقت کی کچھ دوائیں بھی دودھ کے ساتھ استعمال کرنے کے لیے دی تھیں۔ آہستہ آہستہ راج سندالی کی حالت بہتر ہونے لگی۔

ہوش میں آنے کے بعد ان کی نگاہ سب سے پہلے راجیش گورا پر پڑی تو وہ غصے سے کانپنے لگے۔ ”تمہیں اگر میں نے پھانسی نہ لگوائی تو میں بھی اپنے باپ کی اولاد نہیں ہوں، سمجھے، تمہیں تمہیں.....“ راج سندالی گورا راجیش گورا پر بے پناہ غصہ تھا۔

دریش ورماجی، راجیش گورا کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔

”میں نے کچھ لوگوں کو غازی آباد دوڑایا ہے، دیکھیں وہاں سے کیا اطلاع ملتی ہے؟“

”تو کیا آپ کے خیال میں؟“ راجیش گورا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”جی ہاں، آپ نے ویرا سنگھ کے لیے کافی آسانیاں فراہم کر دی تھیں، میرا خیال ہے

کہ ویرا سنگھ اتنا بیوقوف نہیں ہوگا کہ آپ کی دی ہوئی مراعات سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکتا۔“

”آپ ایسی باتیں نہ کریں ورماجی، اب بتائیے میں کیا کروں؟“

”افسوس، یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے گوراجی، اس سلسلے میں اگر میں آپ کی کوئی مدد کرنا

بھی چاہوں تو نہیں کر سکتا۔ ایک بار جو کچھ آپ کی وجہ سے میرے ساتھ ہو چکا ہے، میں اسے

کبھی نہیں بھولوں گا، اگر اب بھی آپ اس کارروائی کی اطلاع مجھے دے دیتے تو میں آپ کو کوئی

مشورہ دے سکتا تھا، لیکن آپ نے نہ جانے کیوں مجھ سے یہ بات پوشیدہ رکھی۔“

”مجھے بتائیے اب آپ اس سلسلے میں کیا کریں گے؟“

”کچھ بھی نہیں، یہ کیس ابھی آپ کے پاس ہے، ہاں ایک معزز آدمی کی تیار داری ضرور

کروں گا، اس کے بعد راج سندالی جو کچھ کریں گے اس کے ذمے دار بھی وہ خود ہوں گے۔“

راجیش گورا تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ”مجھے اجازت دیں۔“

”اگر آپ چاہیں گے راجی تو میرے آدمیوں کی واپسی کا انتظار کر لیں۔“

”نہیں میں چنانا ہوں، اطلاع مجھے بھجوا دی جائے۔“ اس کے بعد وہ وہاں سے چلا آیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا استعفیٰ تیار کیا۔ صورت حال کا اب اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا، پولیس کمشنر کے رویے کا بھی تعین کر لیا تھا اس نے، چنانچہ اب واپسی کی تیاریوں کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

پھر اسے درما کی طرف سے اطلاع مل گئی۔ اس نے اطلاع بھجوائی تھی کہ ان کے آدمیوں کے ساتھ راج سندالی کا بڑا بیٹا بھی آیا ہے اور اس نے ایک خوفناک کہانی سنائی ہے۔ کہانی یہ ہے کہ ویرانگہ ان کی ساری تجوریاں خالی کر کے لے گیا ہے اور یہ کام اس نے راج سندالی کے حلقے میں کیا ہے۔

راجیش گور اس اطلاع پر خاموش ہو کر رہ گیا تھا۔ بہر حال ویرانگہ نے اسے بری طرح شکست دی تھی اور اب وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔
شام کو پانچ بجے پولیس کمشنر کے ہاں طلبی ہو گئی۔ راجیش گور اس برے وقت کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ وہ چل پڑا، استعفیٰ وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔
پولیس کمشنر کے پاس ہی راج سندالی بھی بیٹھا تھا۔ پولیس کمشنر کی آنکھوں میں بھی نفرت نظر آئی تھی۔

”بہت بڑے آدمی کے ساتھ آپ نے جو سلوک کیا ہے راجیش گور اس کے لیے کون سی سزا مناسب رہے گی؟“
”جو آپ پسند کریں سر.....“

”میں آپ سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو پولیس میں یہ عہدہ کس طرح ملا اور وہ جو آپ کے نام کے ساتھ آپ کے کارناموں کے دم چھلے لگائے گئے ہیں، ان میں کیا کسی کارنامے میں کوئی حقیقت تھی؟“

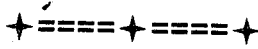
”یہ سوال آپ میرے افسروں سے ہی کر سکتے ہیں۔ میں استعفیٰ لے کر حاضر ہوا ہوں۔“ راجیش گور نے کہا۔

”استعفیٰ۔“ پولیس کمشنر بھڑک اٹھا۔ ”کیسا استعفیٰ میں نے آپ کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے ہیں، آپ پر اس جرم میں مقدمہ چلایا جائے گا، آپ کو اس کی عبرتناک

سزا ملے گی۔“

”بہتر ہے۔“ راجیش گورانے کہا اور پولیس کمشنر نے اسے پولیس کی تحویل میں دے

دیا۔



رنجنا راون پاٹلے کے ساتھ رہ رہی تھی، ڈاکوؤں کی زندگی سے اسے پہلی بار واقفیت ہو رہی تھی لیکن وہ بہت زیادہ جذباتی کیفیت کا شکار تھی اسے جینے سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ ہو صرف یہ سوچتی تھی کہ کسی طرح ویرانگہ کے ہتھے چڑھ جائے۔

راون پاٹلے اس دوران دو تین بار ڈاکے ڈالنے گیا تھا، صرف ایک بار وہ کامیاب وہ کر آیا تھا اس نے اپنے لوٹے ہوئے مال کی کافی نمائش کی تھی۔

”بھابی، مجھے ویرانگہ چاہئے، بس ایک بار وہ میرے ہاتھ آجائے اور میں اپنے ہاتھوں سے اسے جیتا جلا دوں تو آپ سمجھ لیں میرا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر بھابی میں بھی آپ کے ساتھ ڈاکے ڈالا کروں گی اور رنجنا کا نام بھی گونجا کرے گا، ویرانگہ تو جل کر راکھ ہو چکا ہوگا، یہی میری آرزو ہے۔“

راون پاٹلے ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”پوری کوشش کر رہے ہیں میرے کھوجی، آج دو کھوجی واپس آ رہے ہیں، میرا خیال ہے تھوڑی سی دیر کے بعد وہ پہنچنے والے ہوں گے۔“

آنے والے کھوجی دلی سے آئے تھے۔ راون پاٹلے نے انہیں رنجنا کے سامنے ہی طلب کر لیا، کھوجیوں نے کہا۔ ”ویرانگہ کے ٹھکانے کا تو پتہ نہیں چل سکا مہاراج، لیکن یہ بالکل کھری بات ہے کہ وہ ان دنوں دلی میں ہے اور وہاں خوب لوٹ مار کر رہا ہے۔ بڑی کہانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کے بارے میں مہاراج، بمبئی پولیس کے ایک بہت بڑے پولیس افسر کو اس نے ناکوں جتنے چہوا دیئے ہیں۔ آٹھ بڑے ڈاکے مارے ہیں اس نے وہاں، اتنی دولت لوٹی ہے کہ ہم نے کبھی سننے میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔“

راون پاٹلے کا الٹا ہاتھ کھوجی کے منہ پر پڑا اور وہ لڑھک گیا۔ ”کتے! تجھے ویرانگہ کے گیت گانے کے لیے رکھا ہے میں نے۔“

”شما مہاراج شما، ہمیں یقین ہے کہ وہ دلی میں قدم جمائے ہوئے ہے، ہم اگر چاہیں تو اسے دلی میں چھاپ سکتے ہیں۔“

”اور تم دونوں اسے چھوڑ کر چلے آئے، آگے اس کا کیا قدم ہوگا، یہ جاننے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔“

”ایسا نہیں ہے مہاراج، ہمارے دوستی وہاں موجود ہیں اور اس کی کارروائیوں پر نظر رکھ رہے ہیں، ہو سکتا ہے وہ بہت جلد اس کے ٹھکانے کا بھی پتہ لگالیں۔“

”تم میں سے ایک واپس چلا جائے اور مجھے آکر بتائے کہ دلی میں اس نے کہاں ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔“ دونوں کھوجی واپس چلے گئے تو راون پاٹے سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔ ”رجننا، مجھے کانچی پوری جانا ہے۔ کانچی پوری میں ڈاکہ مار کر میں اپنے آدمیوں کو ادھر بھیج دوں گا اور ہم دونوں دلی نکل چلیں گے، تو میرے ساتھ چل۔“

کانچی پوری جاتے ہوئے شانی مکھ سے گزرتا ہوتا تھا لیکن راون پاٹے نے ایک لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ رجننا نے پہلی بار ایک ڈاکو کو ڈاکہ ڈالتے ہوئے دیکھا، لیکن یہ ڈاکہ بڑا دلچسپ رہا تھا۔ کانچی پوری کے اس جاگیردار کو کہیں راون پاٹے کے آنے کی بھٹک مل گئی تھی، چنانچہ اس نے معقول بندوبست کیا تھا۔ راون پاٹے جب کانچی پوری میں جاگیردار کی حویلی کے پاس پہنچا تو وہاں گہرا سناٹا تھا اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

راون پاٹے نے ہر خیال لہجے میں کہا۔ ”یہ اندھیرا میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ لیکن تھوڑی دیر کے بعد یہ اندھیرا راون پاٹے کی سمجھ میں آ گیا، جب اچانک سامنے سے گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ راون پاٹے کے تین آدمی وہاں ہلاک ہو گئے۔ راون پاٹے نے بھاگ کر ایسی جگہ پناہ لی جہاں سے وہ گولیوں سے محفوظ رہ کر حملہ کر سکے۔

جاگیردار نے ایک اور کام کیا تھا، اس نے حویلی کے سامنے گوبر کے مورچے بنوائے تھے، اس نے پولیس سے مدد نہیں لی تھی بلکہ اس کے آدمی گوبر کے ان مورچوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور مورچوں پر بار بار پانی ڈالا جاتا تھا، تاکہ وہ گیلے رہیں۔ یہ اس کی حکمت عملی تھی، راون پاٹے کی چلائی ہوئی گولیاں مورچوں پر لگتیں اور گوبر میں جا کر ٹھنڈی ہو جاتیں، جبکہ دوسری طرف سے جاگیردار کے آدمی ان پر آگ برسائے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد راون پاٹے کو اندازہ ہوا کہ انہیں پیچھے ہٹنا پڑے گا، رجننا بھی گولیاں چلا رہی تھی لیکن بے مقصد۔

یہ اس کی زندگی کا ایک ناکام ڈاکہ تھا، پانچ آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ راون

پاٹے کو پسپائی اختیار کرنا پڑی اور آخر کار وہ وہاں سے چل پڑے، جاگیر دار نے بڑا احسان کیا تھا ان پر کہ پولیس کو طلب نہیں کیا تھا۔ غالباً اسے اس بات کا احساس ہو گا کہ وہ خود ہی ڈاکوؤں سے نمٹ سکے گا اور واقعی اس نے کامیابی سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کر کے انہیں بھاگ دیا تھا۔

رنجنا نے پیچھے بستی کے لوگوں کو جشن مناتے ہوئے دیکھا، انہیں پتہ چل گیا تھا ڈاکو بھاگ گئے ہیں۔

راون پاٹے غصے میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اس کو نیچا دکھانا اب میرے جیون کا سب سے بڑا مان ہے، پر ابھی اسے موقع دوں گا تھوڑا سا۔“ کافی دور آنے کے بعد راون پاٹے نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ شانتی مکھ کی آبادی ہے، رات کو وہاں رکنا ہوگا، اس کے بعد ہم وہاں سے آگے کے جنگلوں کو نکل جائیں گے، ہو سکتا ہے پولیس ہمارا مقابلہ کرے۔“

شانتی مکھ کا نام سن کر رنجنا کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ یہ روشنیاں اس آبادی کی تھیں، جہاں اس نے پہلی بار آنکھ کھولی تھی اور جہاں سے اس کے جیون کی کہانی وابستہ تھی، لیکن اس نے راون پاٹے سے کچھ نہ کہا۔ جوں جوں شانتی مکھ کی روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں، رنجنا کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی بڑھتی جا رہی تھی۔

اسے دیوالی کی وہ رات یاد آگئی جب وہ دیوالی دیکھنے نکلی تھی اور جنے ملک نے اسے ہاتھی کی پیٹھ سے بچایا تھا۔ اتفاق کی بات یہ کہ اس وقت وہ جس طرف سے گزر رہے تھے یہ وہ جگہ تھی جہاں جنے ملک نے درخت میں لٹک کر رنجنا کو ہاتھی کی پیٹھ سے اٹھایا تھا۔ بے اختیار رنجنا کے منہ سے نکل گیا۔

”کیا ہم رات کو یہاں رکیں گے بھابی؟“

”ہاں کیوں۔“

”مجھے یہیں رکنا ہے، آپ یہیں پڑاؤ ڈال لیں۔“

”ٹھیک ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ راون پاٹے نے کہا اور ڈاکوؤں نے

اسی جگہ اپنے رکنے کا بندوبست کر لیا۔ وہ درخت بالکل سامنے تھا، جس سے رنجنا کی زندگی کا اہم ترین واقعہ منسوب تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ درخت کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ منظر اس کی آنکھوں

میں گھوم رہا تھا۔

وہ زار و قطار رونے لگی، اس کے منہ سے آہستہ آہستہ نکل رہا تھا۔ ”بھگوان یہ ساری کھلوڑ میرے سامنے کیوں ہوئی۔ میں نے تو سب کچھ برداشت کر لیا تھا۔ میں نے اسے ایک کسک بنا کر سینے میں چھپا لیا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ ایک نیچ ذات ہے، وہ میرا نہیں ہو سکتا، پر یہ سب کچھ۔ اس کے ہاتھوں میرے بھائی کی موت، میرا بھائی میرا رتن..... ہائے رام جلتے تیل میں اس کا شریہ ہائے رام۔“

اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ تبھی ایک بھاری ہاتھ اس کے شانے پر آگیا۔ پھر راون پاٹھ کے کی آواز ابھری۔ ”میں جانتا ہوں شانتی کھ تیری بستی ہے، مجھے خیال نہیں رہا تھا، ورنہ میں یہاں پڑاؤ نہ ڈالتا۔“

رنجنا راون پاٹھ کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رنجنا کہہ رہی تھی۔ ”انہوں نے میرے بھیا کو تیل میں بھون دیا تھا، بھاجی..... کیسا چیخا ہوگا میرا بھائی..... بھاجی میرا ایک کام کر دو۔“

”ہاں بول۔“

”میں اس جگہ کو شمشان بنا دینا چاہتی ہوں جہاں رتن چند کے ساتھ یہ انیائے ہوا، بھگوان کی سوگند جے تک کی ماں اور بہن کو میرے بھیا نے نہیں مارا تھا۔ پر بدلہ میرے بھیا سے لیا گیا۔ وہاں بس مردے جلیں گے، جہاں میرے بھیا کو جلا یا گیا، میرا ساتھ دو گے بھاجی!“

”کیوں نہیں..... میں سب کو جگاتا ہوں۔“ راون پاٹھ نے کہا اور پھر وہ رنجنا کو سہارا دے کر وہاں سے اٹھا کر اپنے آدمیوں کی طرف چل پڑا۔

کچھ ہی لمحوں میں یہ لوگ تیار ہو کر شانتی مکھ میں داخل ہو گئے جو سامنے ہی تھا۔ آبادی میں داخل ہوتے ہی راون پاٹھ نے فائرنگ شروع کر دی اور بستی والے گھبرا گھبرا کر جاگ گئے۔ راون پاٹھ کے آدمی راون پاٹھ کے کہنے پر اعلان کر رہے تھے۔

”شانتی مکھ کے لوگو..... باہر نکل آؤ..... اپنے گھر روشن کر دو کوئی گھر کے اندر نہ رہے سب باہر آ جاؤ۔“

لوگوں نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ وہ گھبرا گھبرا کر کہہ رہے تھے کیا ویرا سنگھ اپنے دوست کی بستی لوٹنے آیا ہے، کیا جئے تلک بھی اس کے ساتھ ہے۔ جب تقریباً ساری بستی ایک جگہ جمع ہو گئی تو راون پانڈے نے رنجنا کو اشارہ کیا۔

رنجنا جوش میں بھری ہوئی تھی، اس نے آگے آنے کے بعد کہا۔ ”شاننی کھ کے لوگو! پہچانو مجھے میں کون ہوں، بیٹی تھی میں تمہاری..... مالک کہتے تھے تم مجھے، ہم تمہارے بچ رہتے تھے، میرے بھائی رتن چند نے کبھی تم لوگوں کو نقصان نہیں پہنچایا۔ ہنستے بولتے جیون کٹ رہا تھا۔ پھر ایک راکشش نے ہمارے پر یوار کو تباہ اور برباد کر دیا، تم سب اسے جانتے ہو، ویرا سنگھ، جئے تلک..... ان کی بات کر رہی ہوں میں، میرے بھائی کو تیل کے کڑھاؤ میں جلادیا گیا، تم سب نے یہ تماشا دیکھا، کسی نے میرے بھائی کی سہائتا نہیں کی، ہم تمہارے اپنے تھے، تم نے ہمارے ساتھ غیروں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ میں اتفاق سے بچ گئی۔ شاید اس لیے کہ بھگوان نے میرے بھائی کا بدلہ تم لوگوں سے لینا تھا، میرے ہاتھوں تمہیں سزا ملنی تھی، ارے تم میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو انہیں سمجھاتا کہ جئے تلک کی ماما اور بہن کا خون رتن چند نے نہیں کیا بلکہ وہ کوئی اور ہی تھا۔ پر کسی نے جئے تلک اور ویرا سنگھ کے ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، بلکہ خوشی سے میرے بھائی کی چیخیں سنیں، شاننی کھ کے لوگو، تم وہ ہو جن کے پر یوار میں میری کچھ سکھیاں بھی تھیں، کبھی کی بات ہے اب کی نہیں ہے، میں اگر چاہوں تو پورے شاننی کھ کو راکھ کا ڈھیر بنا دوں۔ آج بھگوان نے مجھے اتنی شکتی دی ہے، پر نہ جانے کس کے نام پر میں تمہیں معاف کر رہی ہوں، مجھے وہ گھربتاؤ جہاں میرے بھائی کو کڑھاؤ میں ڈالا گیا۔ ایک منٹ کے اندر اندر مجھے اس گھر کی طرف لے چلو، اگر تم نے دیر کی تو یہ ساری رائفلیں تم پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں گی۔ دو آدمی سامنے آؤ۔ اس گھر کا مالک کون ہے، کیا وہ تمہارے بچ موجود ہے۔“

بے چارہ بنواری لعل تیلی ہانپتا کانپتا آگے آگیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”جئے ہو کماری رنجنا کی میں تو مجبور تھا، انہوں نے مجھے بندو قوں کی نال پر رکھ لیا تھا۔“

”وہاں چلو، کیا نام ہے تمہارا؟“

”بنواری، بنواری لعل۔“

”وہاں چلو جہاں میرے بھائی کو جیتا جلایا گیا تھا اور تم لوگ بھی آؤ۔“ رنجنا نے مجمع کو

اشارہ کیا تھا اور خود بنواری لعل کے گھر کی جانب چل پڑی۔

بنواری لعل کو اس کے خاندان کے ساتھ اس گھر کے صحن میں کھڑا کیا گیا اور اس کے بعد رنجنا نے اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ عورتیں، مرد، بچے سب کو ہلاک کر دیا، چاروں طرف ہا ہا کار بج گئی تھی اور رنجنا خونی نگاہوں سے اس پورے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

”مجھے لگ رہا ہے کہ آج یہ سب میرے بھائی کی چیخوں میں آواز سے آواز ملا کر چیخ رہے ہیں۔ بھاجی احسان مانتی ہوں آپ کا، آپ نے میرے من کو شانتی دی ہے، شانتی کھ والو! بدلے کی اس آگ کو تم نے بھڑکایا تھا، میں پھر بھی تمہارے ساتھ انصاف کر رہی ہوں۔ آؤ بھاجی اب ہم شانتی کھ میں نہیں رکیں گے۔“ رنجنا نے کہا۔

راون پانڈے نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب واپس چل پڑے۔ بستی کے لوگ عجیب سی کیفیت کا شکار تھے، بنواری اور اس کا خاندان موت کی نیند سو چکا تھا۔



راجیش گورا اس وقت حکومت کے لیے ایک الجھی ہوئی داستان بن گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی میں اس نے بہت سے کارنامے سرانجام دیئے تھے اور خود حکومت کے بہت بڑے بڑے عہدیداران اس کی ذہانت کا لوہا مانتے تھے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ دیرانگھ کے سامنے اس کی نہیں چل سکی تھی۔ اس میں اس کا اتنا بڑا قصور نہیں تھا، دیرانگھ تو بڑے بڑے پولیس افسروں کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا، اس نے جس طرح ڈاکو بننے کے بعد مختلف شہروں میں تہلکہ مچا رکھا تھا، اس سے خود بڑے بڑے وزیر کانپ رہے تھے اور اس خوف کا شکار تھے کہ دیکھو اس کا اگلا نشانہ کون بنتا ہے۔

ٹھاکروں نے حکومت کی ناک میں دم کر دیا تھا اور پھر کسی بہت بڑی طاقت کی طرف سے راجیش گورا کی حمایت کا اعلان ہوا۔ یہ بات پارلیمنٹ میں اٹھائی گئی کہ ایک اعلیٰ پولیس آفیسر جس کا ماضی شاندار کاموں سے بھرا ہوا ہے کسی سلسلے میں ناکام رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے کال کوٹھری میں ڈال دیا جائے، راجیش گورا کو موقع دیا جائے کہ وہ دیرانگھ کے خلاف کام کرتا رہے یا پھر وہ شخص سامنے آئے جو یہ چیلنج قبول کرے وہ اتنے عرصے کے اندر اندر دیرانگھ کو گرفتار کر لے گا۔

بات آگے بڑھتی رہی اور پھر ایک دن راجیش گورا کو باہر نکال لیا گیا اور اسے اطلاع دی

گئی کہ حکومت نے اس کا استعفیٰ منظور نہیں کیا ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران کے سامنے اس کی پیشی ہوئی۔

راجیش گورانے کہا۔ ”میں صرف ایک بات کہتا ہوں، ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ راج سندالی سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی، یہ صرف اتفاق تھا میرے ہاتھوں ان سے زیادتی ہو گئی۔ میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں، جہاں تک میرے استعفیٰ کا سوال ہے میں یہ بات کہوں گا کہ اگر مجھے میرے عہدے پر بحال کیا جاتا ہے تو کم از کم مجھے دو مہینے کی چھٹی چاہئے۔ میں کیا کروں گا اور کس طرح کروں گا یہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ کسی بھی وقت اگر مجھے پولیس کی نفری کی ضرورت پڑے تو مجھے دی جائے اور میرے احکامات پر عمل کیا جائے۔ میں ڈیوٹی پر رہ کر اپنا کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اگر اس بات کو منظور کیا جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میرے لیے سزا ہی مناسب ہے، چاہے وہ موت کی سزا ہی کیوں نہ ہو۔“

حکومت نے اس کی یہ بات منظور کر لی اور اسے اس کے عہدے پر بحال کر دیا گیا، لیکن دو مہینے کی چھٹی کے بعد۔ راجیش گورانے اپنے ذہن میں کیا سوچا تھا، یہ بات اس نے کسی کو نہیں بتائی تھی۔ حالانکہ درلش ورامنے اس سے ملاقات کی کوشش کی تھی، لیکن راجیش گورانے ان سے معذرت کر لی تھی۔

پھر کسی گناہ سے ہوئے اس نے کمرہ حاصل کیا اور خاموشی سے اس میں مقیم ہو گیا۔ اس کے ذہن میں چرخیاں چل رہی تھیں اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اب بدنامیوں کے یہ داغ دھونے کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ رہ جاتا ہے کہ وہ ویرا سنگھ کو زندہ یا مردہ حکومت کے سامنے پیش کر دے۔ اس نے اپنی زندگی کا صرف یہی مقصد بنا لیا تھا کہ ویرا سنگھ کو کسی نہ کسی طرح گرفتار کرے۔

ہوئے کے کمرے میں آرام کرتے ہوئے اس نے بہت سے فیصلے کئے۔ ویرا سنگھ پر سیتا کا دوسرا جال بھی ڈالا جاسکتا تھا، سیتا کہاں غائب ہو گئی تھی اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ لے دے کر ذہن ایک ہی طرف جاتا تھا اور وہ یہ کہ سیتا اگر گوتم داس کے گھر سے بھاگی ہے تو ہو سکتا ہے کسی نے اسے گونا گڑھی پہنچا دیا ہے۔ اگر سیتا ہاتھ آجائے تو اس بار وہ سیدھا سیدھا ویرا سنگھ سے سودا کرے گا۔ اس سے کہے گا کہ اگر سیتا کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس سے ملاقات کرے اور اس کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لے۔ بعد میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس بات کے جواب

میں دیراسنگھ کیا طریقہ اختیار کرتا ہے اور وہیں فیصلہ کیا جائے گا کہ دیراسنگھ ذہین ہے یا وہ خود۔ کیا وہ کوئی ایسا موثر ذریعہ نکال سکتا ہے کہ دیراسنگھ اس کے جال میں پھنس جائے، یہی فیصلہ آخری فیصلہ تھا اور اس فیصلے کے تحت اس نے خاموشی سے گونا گڑھی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں، اتنی خاموشی سے کہ کہیں کسی اور کو اس کا پتہ نہ چل جائے۔

کاشی رام بستر سے جا لگا تھا، بیٹی کی جدائی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی، رشتے دار آتے، سمجھاتے مگر دلا سے محبت کا بدل تو نہیں ہوتے۔

پھر ایک دن ساجن فیروز آباد سے آیا۔ اس کا چہرہ بڑا ہڈ جوش ہو رہا تھا۔ ”تاؤ جی! سیتا کا پتہ چل گیا۔“

”ایں.....؟“ کاشی رام بستر سے اٹھ گیا۔

”بھگوان کی سوگند وہ فیروز آباد میں ہے۔“

”تجھے..... تجھے کیسے معلوم۔“ کاشی رام نے پھولے سانس کے ساتھ پوچھا۔

”اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“

”پولیس والوں کے پاس ہے۔“ کاشی رام نے پوچھا۔

”نہیں۔“

”پھر کہاں ہے؟“

”وہ..... تاؤ جی..... کوٹھے پر۔“ ساجن گونا گڑھی کا ایک نوجوان تھا اور وہ فیروز آباد

میں چوڑیاں بنانے والے ایک کارخانے میں کام کرتا تھا۔

”کیا؟“ کاشی رام کا دل ہل گیا۔

”ہاں تاؤ جی، ناچ رہی تھی۔“ ساجن نے گردن جھکا کر کہا۔

”تیرا سر پھاڑ دوں گا، گدی سے زبان کھینچ لوں گا، کین کے بچے مجھے بدنام کر رہا

ہے۔“

”میرے گاؤں کی بیٹی ہے تاؤ جی، بہن کی نظر سے دیکھا ہے سدا، اتنی بڑی بات کبھی نہ

کہتا۔ ابھی تو مجھے گاؤں آنا بھی تھا، تمہیں خبر دینے کے لیے بھاگ بھاگ آیا ہوں۔“ ساجن کے

کہا۔

”ارے ستیاناس ہو اس پولیس والے کا، ارے اسے مجھ سے کیا دشمنی تھی جو اس نے

میرے ساتھ یہ سلوک کیا، بھگوان کرے اس کے پر یوار کی ساری بہو بیٹیاں کو ٹھے پرنا چلیں۔
ہائے اس نے ایسا کیوں کیا..... وہ تو کہتا تھا کہ اسے ویرا سنگھ کو پکڑنا ہے۔“

”یہ بات تجھے کیسے معلوم ہوئی ساجن۔“ بستی کے ایک بڑے نے پوچھا۔

”وہ چا چا جی، کچھ دوست گانا سننے کے لیے گئے تھے، مجھے بھی دھوکے سے لے

گئے، وہاں میں نے اسے دیکھا۔“

”اس نے بھی تجھے دیکھا۔“

”پتہ نہیں۔“

”تجھے دشواش ہے کہ وہی تھی.....“

”ہاں۔“

”کیا کر دے کاشی رام؟“

”کیا کر سکتا ہوں بھائیو، روؤں گا، پھر کچھ سے کے بعد آتم ہتھیا کر لوں گا، اس کے سوا

اور کر بھی کیا سکتا ہوں، بوڑھا آدمی ہوں، کوئی بیٹا بھی نہیں ہے جو اپنی بہن کو بچا لائے۔ بس

بھگوان کی یہی اچھا ہے تو پھر یہی سہی، جب بھگوان ہی یہ چاہتا ہے تو منٹ کیا کر سکتا ہے۔“

”نہیں چا چا جی، ہم ہیں نا آپ کے بیٹے، ہم اپنی بہن کو کوٹھے سے اتار لائیں گے۔ گونا

گڑھی کے رہنے والے اتنے بے غیرت نہیں ہیں کہ اپنی بہن کو کوٹھے پر رہنے دیں۔“ ایک دو

نوجوانوں نے پُر جوش لہجے میں کہا اور کاشی رام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

بے چارہ کاشی رام روم رونے پینے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا لیکن ساجن کی اس اطلاع نے

اور بہت سے کام کئے، مثلاً راجیش گورا جو پچھلے ہی دن بھیس بدل کر ایک مسافر کی حیثیت سے

گونا گڑھی پہنچا تھا وہ یہاں یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ گوتم داس کے گھر سے بھاگی ہوئی بیٹا گونا

گڑھی پہنچی یا نہیں۔ دوسری صبح اسے پوری گونا گڑھی چہ میگوئیاں کرتی ہوئی ملی اور اس نے سنا

کہ کاشی رام کی بیٹی سیتا فیروز آباد کے ایک کوٹھے پر موجود ہے۔ اس خبر کی تصدیق کے لیے اس

نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں اور اسے پتہ چلا کہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ بستی کے کچھ

جوان فیروز آباد جانے کی تیاریاں کر رہے تھے، وہ بہت پُر جوش تھے اور سیتا کو وہاں سے لانا

چاہتے تھے۔ راجیش گورا کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ بات سچی ہے تو اس نے سوچا کہ اگر

وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم گمشدہ سیتا کو اپنے قبضے میں ضرور کر سکتا تھا اور پھر ویرا سنگھ کے

لیے جال بچھا سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ خاموشی سے وہ ان نوجوانوں کا تعاقب کرے گا جو گونا گڑھی کی آبرو کو کوٹھے سے بچانے کے لیے سر پہ کفن باندھنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ایک طرف راجیش گورانے یہ فیصلہ کیا تو دوسری طرف ہری لعل کو دیرا سنگھ نے گونا گڑھی بھیجا تھا کہ وہاں جا کر حالات معلوم کرے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ دیرا سنگھ کے دل میں واقعی بیٹا کے لیے بڑی گنجائش ہے۔ دہلی میں جو ہنگامی کارروائیاں وہ کر رہا تھا جب ان سے فراغت ہوتی تو جے تلک اسے گردن جھکائے بیٹھے ہوئے دیکھتا۔

جے تلک اس کی رگ رگ سے واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ دیرا سنگھ کے سینے میں بیٹا چل رہی ہے اور وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہری لعل کو گونا گڑھی بھجوانے میں جے تلک ہی کی جلد بازی کا فرما تھی لیکن نتیجہ اچھا ہی نکلا۔ ہری لعل کو یہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ گونا گڑھی میں ہونے والی چیمگیوں سے وہ بھی واقف ہو گیا۔ اسے بھی پتہ چلا کہ چند نوجوان گونا گڑھی سے فیروز آباد جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اب یہ اطلاع فوری طور پر دیرا سنگھ کو دینا ضروری تھی، وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ اگر وہ یہاں اکیلا نہ آیا ہوتا تو خود ان لوگوں کا تعاقب کرتا جو فیروز آباد جا رہے تھے۔ ظاہر ہے وہ بندہ جس نے گونا گڑھی آ کر بیٹا کی وہاں موجودگی کی خبر دی ہے، ان کی رہنمائی کرے گا۔ اس سے کم از کم بیٹا کے صحیح ٹھکانے کا پتہ چل جائے گا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ فیروز آباد سے دہلی تک سفر کتنی دیر کا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب دیرا سنگھ کو اطلاع دینے جائے تو اس کے پیچھے کوئی بڑا عمل ہو جائے۔

یہ بڑے مشکل لمحے تھے ہری لعل کے لیے اور اسے کوئی صحیح فیصلہ کرنا تھا، بہر حال وہ الجھن میں تھا، ایک طرف یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کے روانہ ہونے سے پہلے دہلی چلا جائے اور پھر وہاں سے سیدھا فیروز آباد کے بازار حسن کا پتہ چلانا کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن وہ ان لوگوں کو کبھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ آخری فیصلہ اس نے یہی کیا کہ ان لوگوں کا پیچھا کر کے فیروز آباد تک جائے اور پھر وہاں سے جس طرح بھی ممکن ہو سکے دہلی جا کر دیرا سنگھ کو صورت حال سے باخبر کر دے، چنانچہ وہ انتظار کرتا رہا۔

گونا گڑھی کے جوان جن کی تعداد چار تھی آخر کار شانتی کھ آئے۔ شانتی کھ میں لاری اڈہ موجود تھا۔ وہ جس لاری میں سوار ہوئے اسی میں ہری لعل بھی سوار ہو گیا، لیکن لاری میں ایک اور شخص کو دیکھ کر ہری لعل کا سینہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ یہ راجیش گورا تھا، ایک غریب کسان

کی صورت میں لیکن ہری لعل کی عقابی نگاہوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اب ہری لعل کو خود بھی اس سے چھپنا تھا۔ چنانچہ لاری کی پچھلی سیٹوں پر وہ ایک کھیس اوڑھ کر بیٹھ گیا جو خوش قسمتی سے اس کے پاس موجود تھا۔

ہری لعل کا دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ راجیش گورا کو بھی یقینی طور پر ساجن کی کہانی معلوم ہو چکی ہوگی، کیونکہ چھوٹی بستیوں میں ایسے معاملات پر کافی چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔

لاری شانتی کھ سے چلنے کے بعد ایک اور چھوٹے سے قصبے میں رکی تھی اور یہیں اسے بابو لعل نظر آیا تھا جو اپنا ٹرک لے کر سامان پہنچانے آیا تھا۔ بابو لعل کو دیکھ کر ہری لعل کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ برق رفتاری سے لاری سے نیچے اتر آیا۔ لاری کو کتنی دیر یہاں رکنا تھا، اسے نہیں معلوم تھا، لیکن وہ دوڑا دوڑا بابو لعل کے پاس پہنچ گیا اور بابو لعل اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”ہری، تم یہاں، خیر تو ہے؟“

”سب ٹھیک ہے بابو لعل، تم یہ بتاؤ یہاں تمہیں کتنی دیر رکنا ہے؟“

”تم اپنی بات کہو، کوئی کام ہے مجھ سے؟“

”ہاں، میں تمہیں فوراً دہلی دوڑانا چاہتا ہوں، میں فیروز آباد جا رہا ہوں، وہ لاری سامنے کھڑی ہوئی ہے، اس میں گونا گڑھی کے چار جوان ہیں، راجیش گورا ان کا تعاقب کر رہا ہے، سیتا کا پتہ چل گیا۔“ ہری لعل نے مختصر الفاظ میں بابو لعل کو تفصیل بتائی، پھر بولا۔ ”دیر اسٹھ مہاراج کو خبر دینی ہے، مگر وقت کم ہے۔ اگر دیر اسٹھ مہاراج اس سلسلے میں فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا چاہیں تو فیروز آباد آجائیں، میں ان لوگوں کا پیچھا کر رہا ہوں، میں انہیں بازارِ حسن کے سامنے مل جاؤں گا، سیتا کے وہاں ہو۔ نہ کی خبر ملی ہے۔“

”میرے ٹرک سے مال اتر رہا ہے، مگر میں اپنے ایک دوست کی جیب لے کر سیدھا دلی جا رہا ہوں، تم چتا مت کرو، ہوا میں اُڑتا ہوا جاؤں گا اور ہوا میں اُڑتا ہوا واپس آ جاؤں گا اور کوئی فیروز آباد پہنچے نہ پہنچے لیکن دیر اسٹھ جی کی طرف سے ساری خبریں لے کر سیدھا فیروز آباد آؤں گا۔“

”ٹھیک ہے، تو میں مطمئن ہو جاؤں۔“

”بالکل تم جاؤ لاری میں بیٹھو، اس کے چلنے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤ، میں دیر اسٹھ

مہاراج کو ساری خبر کر دوں گا۔“ بالوعل نے کہا۔
 ”جے رام جی کی۔“ ہری لعل بولا اور لاری کی طرف بڑھ گیا، جبکہ بالوعل تیزی سے
 ٹرک کمپنی کے ایک دفتر کی جانب دوڑ گیا تھا۔

+++++

راون پاٹلے کو اس ڈاکے کی ناکامی کا بہت دکھ تھا۔ خاص طور سے اس لیے کہ رنجنا اس
 کے ساتھ تھی۔ وہ رنجنا کے طور طریقے دیکھ رہا تھا اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے مستقبل کا صحیح
 جانشین مل گیا ہو۔ رنجنا بہت بڑی اور بڑی بے رحمی سے گولیاں چلاتی تھی۔ اس کے دل میں
 کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس بار مقابلہ سخت پڑ گیا تھا اور ڈاکہ ناکام رہا
 تھا، لیکن شانتی کھ میں اس نے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر لی تھی، راون پاٹلے نے اس غیض
 و غضب دیکھا تھا۔

پھر وہ دہلی آ گئے۔ راون پاٹلے نے یہاں ایک پرانے محلے میں اپنے رہنے کا
 بندوبست کیا، پھر ان کھوجیوں کو طلب کر لیا جنہوں نے ویرا سنگھ کے دلی میں ہونے کی خبر دی
 تھی۔

”راون پاٹلے جی لگتا ہے وہ ان دنوں دلی سے باہر ہے۔“

”کہاں گیا؟“ راون پاٹلے نے پوچھا۔

”بہیری پتہ لگانے گیا ہے۔ جلدی خبر دے گا، پر دلی میں اس نے آخری ڈاکے کے بعد
 کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا اور یہ ڈاکہ اس نے اتنا بڑا ڈاکہ دلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں
 میں اتنا بڑا ڈاکہ کبھی نہیں پڑا۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ راون پاٹلے نے کہا۔

وہ کیوں بھاجی؟“ رنجنا نے سوال کیا۔

”جوان ہے، بے وقوف ہے، اپنے لیے ڈاکے نہیں ڈالتا جو کچھ کوٹتا ہے غریبوں میں
 بانٹ دیتا ہے۔ بے عقل ہے یہ نہیں جانتا کہ کاٹھ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی، جب پاس پلے
 کچھ نہیں رہے گا پھر ہاتھ ملے گا۔“

”اب کیا کریں گے پاٹلے جی۔“

”جہاں بھی ہوگا اس کا پیچھا کریں گے تو چھتا مت کر۔“ راون پاٹلے نے کہا۔

رنجنا سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔ ”آپ مجھے مہینے بھر کے اخبارات منگوا دیں ان میں ان کے بارے میں خبریں دیکھوں گی کہ اخبارات نے کیا چھپا ہے۔“

راون پانڈے مسکرانے لگا پھر بولا۔ ”ٹھیک ہے منگوائے دیتے ہیں، ٹوٹھہری پڑھی لکھی ذہنیت ہم تو نرے جاہل گنوار ہیں، پر ایک بات کہیں گے پڑھ کر منٹ کزور دل ہو جاتا ہے، چل ٹھیک ہے بلاتے ہیں کسی کو۔“ راون پانڈے نے اپنے ایک آدمی کو بلایا اور بولا۔ ”دلی بھر میں پھیل جاؤ اور پرانے اخبار تلاش کر کے لاؤ، پورے مہینے کے ہونے چاہئیں۔“

”جی مہاراج۔“

اخبارات مل گئے اور رنجنا نے دو دن تک ان پر کام کیا۔ اس دوران راون پانڈے کے کھوجی ویرا سنگھ کے بارے میں خبریں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

تیسرے دن رنجنا نے صبح کو راون پانڈے کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے کھوجی کیا کہتے ہیں بھاجی.....؟“

”چپ ہیں، لگتا ہے وہ بھی آرام کر رہا ہے کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی۔“

”میں نے کافی کام کیا ہے؟“

”کیا؟“

”یہاں دہلی میں اس نے بڑا نام کمایا ہے، ویسے تو اخباروں نے اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن ایک بات بڑی دلچسپ ہے۔ محکمہ پولیس کا ایک بڑا نامو رافسر راجیش گورا اس اس کے ہاتھوں بڑا ذلیل ہوا ہے۔ ویرا سنگھ نے اسے ہر جگہ شکست دی ہے، جبکہ اس افسر نے بڑے بڑے نامی گرامی مجرم پکڑے ہیں اور اس کی بڑی دھاک تھی جو ویرا سنگھ نے ختم کر دی۔“

”تو پھر.....؟“

”وہ افسر اس کا بدترین دشمن بن گیا ہے؟“

”یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، اتر پردیش اور راجستھان کے سارے ٹھاکر اس کے دشمن

بنے ہوئے ہیں۔“

”آپ میری بات نہیں سمجھ رہے بھاجی۔“

”نہ نہ کوشش کر رہا ہوں۔ موٹی عقل والا ہوں ٹو سمجھا۔“

”ہمیں ایک کام کرنا ہے، اس طرح ایک دلچسپ کھیل کا آغاز ہو جائے گا۔ ہم یہاں ویرا سنگھ کے نام پر ڈاکے ڈالیں گے۔ خوب ہا ہا کار چائیں گے تو ویرا پریشان ہو کر یہاں آجائے گا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ کون ہے جو اس کا نام لے کر ڈاکے ڈال رہا ہے۔“ رنجنا نے کہا اور راون پاٹھ سے انگلی سے کھوپڑی کھٹکھٹانے لگا، پھر بری طرح اچھل پڑا۔

”ارے..... ارے..... یہ تو جی جی بڑی بڑھیا ترکیب ہے، ہمیں بہت پسند آئی۔ ویسے تو اس نے دلی کے سارے بڑے بڑے سینھ کنگلے کر دیئے ہیں۔ معلوم کرتے ہیں کون فوج گیا ہے دیکھتے ہیں، بلاتا ہوں رام پرشاد کو۔“ راون پاٹھ نے کہا اور اپنے آدمی کو آواز دینے لگا۔

✦=====✦

پاکستانی وقار
ڈاکٹر یونس
علامہ

راون پاٹھ نے اپنے ایک تجربے کار آدمی رام پرشاد کو یہ معلومات حاصل کرنے کے لیے مخصوص کیا کہ دہلی اس کے آس پاس کے دولت مندوں میں سے کون کون ویرا سنگھ کا شکار ہوا ہے اور کون بچ گیا ہے۔ دودن کے اندر اندر رام پرشاد نے راون پاٹھ کے کو تین نام بتائے، یہ تین نام جوگی دیال باگڑیا، ہنس راج اور شکتی چرن کے تھے۔

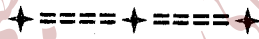
”ویرا سنگھ نے دلی میں تباہی مچادی ہے مہاراج، بہت ڈاکے ڈالے ہیں۔ پولیس کے بڑے بڑے افسر حیران پریشان پھر رہے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ویرا سنگھ کی گرفتاری کا کوئی موقع ہاتھ نہیں آیا۔ آخری ڈاکا اس نے بہت بڑا ڈالا ہے، ویسے نصیب والا ہے مہاراج اتنا کچھ حاصل کر لیا ہے اس نے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر بھی کچھ ایسے موجود ہیں جن کے پاس بہت کچھ ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو بڑا سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ جوگی دیال باگڑیا بھی خوب دولت مند ہے، سونے کا اسمگلر ہے۔ پتا چلا ہے کہ اس کے پاس اچھا خاصا سونا موجود ہے۔“

”ارے سونا اس کے پاس کیوں ہے، ہمارے پاس کیوں نہیں؟“ راون پاٹھ نے کہا۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے طور پر جوگی دیال باگڑیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ اس کے آدمی باگڑیا کی رہائش کے آس پاس چکرانے لگے۔ باگڑیا نے بھی اچھی خاصی پولیس لگا رکھی تھی لیکن راون پاٹھ نے راستہ نکال ہی لیا اور اس کے بعد ایک بادلوں بھری رات جوگی دیال باگڑیا کے گھر ڈاکا پڑا۔ ڈاکوؤں نے کامیاب ہاتھ مارا۔ بعد میں فرار ہوتے ہوئے ویرا سنگھ کے نام کا نعرہ لگایا گیا۔ ویسے بھی ان دنوں دلی پر ویرا سنگھ ہی کا راج تھا۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ ویرا سنگھ ان دنوں دلی سے بہت دور ہے اور ابھی اس کا دلی آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

بہر حال باگڑیا کے بعد راون پاٹھ نے ہنس راج کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا اور یہ منصوبہ

بھی زبردست کامیابی سے دوچار ہوا تھا۔ اس دوران رام پرشاد اور دولت مندوں کو تلاش کر رہا تھا، دلی میں دولت مندوں کی کمی نہیں تھی۔

ایک بار پھر پولیس ڈپارٹمنٹ میں کھلبلی مچ گئی تھی اور پولیس پوری طرح مستعد ہو گئی۔ ان تمام صنعتکاروں، دولت مندوں کے گھروں پر پولیس کی کافی نفری لگا دی گئی لیکن ایسا تو پہلے بھی ہوا تھا۔ ویرا سنگھ ہر حال میں اپنا کام کر جاتا تھا لیکن اس وقت راون پاٹھے، ویرا سنگھ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ رجنیا بھی ان دنوں ڈاکوؤں میں ساتھ تھی اور بڑی بے رحمی سے اپنے کام کر رہی تھی۔ یہ اسی کا منصوبہ تھا، اس کے دل میں صرف ایک آرزو تھی کہ ویرا سنگھ ان حالات کا اندازہ لگا کر واپس پلٹے اور آکر دیکھے کہ اس کے نام پر کون ڈاکے ڈال رہا ہے۔ اس کی خواہش پر راون پاٹھے نے اپنے کئی کھوجوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ ویرا سنگھ کا ہتلا گائیں کہ وہ کہاں ہے، دلی واپس آیا ہے یا نہیں وہ کھوجی جو انتہائی پراسرار طریقے سے بڑی سے بڑی بات کا ہتلا لگایا کرتے تھے، ویرا سنگھ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔



بابولعل بھگم بھاگ دلی آیا تھا، یہ بات تو اسے معلوم تھی کہ ویرا سنگھ نے ایک زبردست ڈاکا ڈالا ہے اور مال لے کر دلی سے باہر نکل گیا ہے، لیکن چونکہ وہ خود بھی اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا، جس کی اجازت اسے ویرا سنگھ کی طرف سے تھی۔ وہ ویرا سنگھ کے معاملات میں کافی حد تک دخل ہو گیا تھا، لیکن ویرا سنگھ نے جس طرح رگھیرا، رام سرپ و غیرہ کو اپنا آزاد ساتھی بنایا ہوا تھا، اسی طرح اس نے بابولعل کو بھی آزادی دی ہوئی تھی۔ بابولعل کا اپنا کاروبار تھا اور یہ کاروبار ویرا سنگھ کے معاملات میں کافی مدد دیتا تھا۔ بہر حال وہ واپس آیا اور اس جگہ پہنچا جہاں ویرا سنگھ کا قیام تھا تو اس کے گھر کے دروازے کو تالا لگا ہوا دیکھا، یہ ذرا افسوسناک بات تھی۔ جس طرح ہری لعل نے اسے دلی دوڑایا تھا اور ویرا سنگھ سے جلد از جلد فیروز آباد پہنچنے کی درخواست کی تھی یہ مسئلہ ذرا مختلف ہو گیا تھا، اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے ویرا سنگھ کسی کام سے نکلا ہو، حالانکہ عام طور سے یہ ہوتا تھا کہ اگر ویرا سنگھ کسی کام سے جائے بھی تو گھر میں کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہتا تھا۔ کئی دنوں سے ویرا سنگھ سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہو سکا تھا، اب کیا کروں؟ اس نے سوچا، لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ انتظار کرے، چنانچہ وہ انتظار کرتا رہا۔ سخت اضطرابی کیفیت میں تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہری لعل کو فیروز آباد میں

کوئی نقصان پہنچ جائے لیکن مجبوری تھی۔

اس نے یہی فیصلہ کیا کہ رات گزار کر ایک دن اور دیکھ لے اس کے بعد ہری لعل کو جا کر اطلاع دے کہ ویرا سنگھ اسے نہیں مل سکا۔ دوسری صبح کے اخبارات بھی اس نے دیکھے، ان میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔

دوپہر تک انتظار کرتا رہا، اس کے بعد قوت برداشت جواب دے گئی، ہری لعل کو فیروز آباد جا کر اطلاع دینا تھی کہ ویرا سنگھ نہیں مل سکا۔ جیپ کسی دوست کی لے کر آیا تھا، ادھر بھرا ٹرک ایسے ہی چھوڑ آیا تھا، خیر اس طرف سے تو اسے یہ امید تھی کہ اس کے آدمی کاروباری مسئلہ سنبھال لیں گے لیکن ہری لعل سے رابطہ بہت ضروری تھا۔ دوپہر کو دوبجے وہ دلی سے واپس نکل آیا اور بہت ہی برق رفتاری سے جیپ دوڑاتا ہوا آخر کار فیروز آباد کے بازار حسن کے بارے میں معلوم حاصل کرنے میں اسے کوئی خاص دقت نہیں ہوئی تھی اور جب وہ اپنی جیپ میں بازار حسن کے کنارے پہنچا تو اسے ہری لعل نظر آ گیا۔

بابو لعل کو کسی قدر اطمینان ہوا، ہری لعل اس کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا تھا، بابو لعل نے کہا۔ ”معاف کرنا ہری لعل مجبوری تھی میری، ویرا سنگھ دلی میں ملے ہی نہیں، وہ دلی سے باہر گئے ہوئے ہیں یا اگر دلی میں بھی ہیں تو کسی وجہ سے کہیں رک گئے ہیں۔“

”اوہو، اس کا مطلب ہے کہ وہ ابھی اپنا کام کر کے واپس نہیں آئے، مجھے پتا ہے کہ وہ کہاں گئے ہوں گے۔ رام سروپ یا رگھیرا کی طرف کیونکہ جو مال وہ لوٹتے ہیں وہ ان کے سینے میں کیلوں کی طرح چھتا ہے اور جب تک وہ اسے غریبوں اور ضرورت مندوں میں نہ تقسیم کر دیں سکون سے نہیں بیٹھتے۔“

”تم بتاؤ کیا ہوا، کیا سیتا مل گئی؟“

”نہیں، وہ نہیں ملی، پتا یہ چلا ہے کہ وہ بائی جی کرناوتی کے ساتھ یا تراؤں پر گئی ہے، جیسا کہ میں نے تمہیں تفصیل بتائی کہ گونا گڑھی کے چار جوان یہ معلوم ہونے کے بعد کہ سیتا فیروز آباد کے ایک کوٹھے پر موجود ہے۔ پُر جوش ہو کر اسے لینے کے لیے چل پڑے۔ راجیش گورا بھی پتا نہیں کس طرح گونا گڑھی پہنچ گیا تھا، یہ معلوم ہونے کے بعد کہ سیتا فیروز آباد میں ہے۔ راجیش گورانے یقیناً کوئی نہ کوئی منصوبہ بنایا ہوگا، لیکن یہاں فیروز آباد آ کر پتا چلا کہ اس کوٹھے کی مالکہ کرناوتی یا تراؤں کے لیے نکل گئی ہے، وہاں جو لوگ تھے انہوں نے بتایا کہ کرناوتی

دوسرے تیسرے سال یا تراؤں پر جاتی ہے اور ایک ڈیڑھ مہینے کے بعد واپس آتی ہے۔ گونا گڑھی کے جوان مایوس ہو کر واپس چلے گئے کیونکہ یہ نہیں پتا چل سکا تھا کہ کرونا تاتی نے کہاں سے ان یا تراؤں کا آغاز کیا ہے، وہ کاشی متھر ابندر اون اور نہ جانے کہاں کہاں جاتی ہے، اس نے کہاں سے آغاز کیا اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔ چنانچہ راجیش کور نے ان لوگوں کا بھی پیچھا چھوڑ دیا اور اب پتا نہیں دہ کہاں ہے، میں یہاں صرف اس لیے رک گیا تھا کہ اگر ویرا سنگھ مہاراج یہاں آئیں تو انہیں ساری تفصیل بتاؤں۔“

”ویرا سنگھ مہاراج دہلی میں نہیں ہیں، میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے کافی وقت ان کا انتظار کیا پر ان کا کوئی پتا نہیں چل سکا ہے۔“

”میں سمجھ گیا کہ وہ کہاں ہوں گے اور اب میں بھی وہیں جا کر انہیں تلاش کروں گا مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ وہ لوٹا ہوا مال ٹھکانے لگا رہے ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے، میں چلتا ہوں، مجھے یہ جیب بھی واپس کرنی ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ میرا مال کہاں پڑا ہے، میری ضرورت ہو تو، تم لوگ جانتے ہو کہ میں کہاں مل سکوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ ہری لعل نے جواب دیا۔



راجیش گورا کو سمیتا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، حیرانی ضرور ہوئی تھی کہ گوتم داس کے ہاں سے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد آخر سمیتا فیروز آباد کیسے پہنچ گئی اور طوائفوں کے ہاتھ کیسے لگ گئی، بہر حال اس حیرانی سے اسے کوئی خاص واسطہ نہیں تھا، وہ تو بس ہر قیمت پر ویرا سنگھ کو اپنے جال میں پھانسا چاہتا تھا اور سمیتا کو چارہ بنانے کی فکر میں تھا، اب جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تھی تو اس کا فیروز آباد میں رکنا بالکل بے مقصد تھا، بڑی بھاگ دوڑ کر رہا تھا لیکن کہیں سے بھی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

ایک بار پھر اس نے دلی کا رخ کیا تھا، لیکن انداز وہی اختیار کیا تھا یعنی اپنے اعلیٰ افسران سے ملنے کے بجائے اس نے ایک گمنا گوشہ اپنایا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ ویرا سنگھ دلی کے آس پاس ہی چکر لگاتا رہے گا یا پھر کہیں اور سے اس کی موجودگی کی خبر ملے تو پھر بات بنے اور اسے اس سلسلے میں مایوسی نہیں ہوئی۔

ابھی اس نے تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اسے اخبارات کے ذریعے ویرا سنگھ کے نئے

ڈاکے کی خبر ملی، یہ ڈاکا جوگی دیال جاگیردار کی کوٹھی پر پڑا تھا اور ویرا سنگھ نے جوگی دیال کو کنگال کر دیا تھا۔ جوگی دیال باگڑیا جاگیردار بھی تھا اور صنعتکار بھی۔ بہر حال راجیش گورا پولیس کی وردی میں ہی جوگی دیال باگڑیا کے ہاں پہنچا تھا۔

یہاں دوسرے اعلیٰ افسران تفتیش کر رہے تھے، انہیں یہ معلوم تھا کہ راجیش گورا ایک بار پھر ویرا سنگھ کے لیے فعال ہو گیا ہے، چنانچہ سب نے اس سے تعاون کیا اور راجیش گورا ڈاکے کی تفصیل معلوم کرنے لگا۔ ڈاکوں کی کوئی خاص تفصیل نہیں ہوتی، ڈاکو آتے ہیں، گولیاں چلاتے ہیں، ان کے راستے روکے جاتے ہیں تو وہ انسانوں کو ہلاک کر دیتے ہیں، مال و دولت سمیٹتے ہیں اور فرار ہو جاتے ہیں۔ یہی ویرا سنگھ کا کام تھا۔ اس سے راجیش گورا کو کوئی خاص کلیو نہیں مل سکا تھا، لیکن دوسرا ڈاکا بھی بہت جلد نرس راج کے گھر پڑا اور صورتِ حال وہی رہی۔ راجیش گورا کو اب اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ ویرا سنگھ دلی میں موجود ہے اور اپنے کام جاری رکھے ہوئے ہے۔

گورا نے اب اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد بنا لیا تھا، بات اس حد تک جا پہنچی تھی کہ کسی طرح بھی بن پڑے وہ ویرا سنگھ پر ہاتھ ڈال لے اور ویرا سنگھ اس کی گرفت میں آ جائے تو کھوئی ہوئی ساکھ بحال ہو سکتی تھی۔ اخبارات یقینی طور پر یہی لکھتے کہ بات کے دھنی پولیس آفیسر نے آخر کار ویرا سنگھ سے اپنی توہین کا انتقام لے لیا اور اسے گرفتار کر کے ہی دم لیا۔

اس سے پہلے تھوڑے بہت ایسے کام بھی ہوئے تھے جو اس نے لاو پرائی سے کر ڈالے تھے، لیکن اب وہ کسی طرح کی لا پرواہی نہیں برت سکتا تھا، کیونکہ بہت بے عزتی ہو چکی تھی، چنانچہ اس نے پوری پلاننگ کی اور ایسے سیٹھوں اور ساہوکاروں کے ناموں کی لسٹ بنائی جنہیں لوٹا جاسکتا تھا، پھر اس نے خصوصی طور پر کمشنر آف پولیس سے درخواست کر کے ایک بڑی نفری حاصل کی اور انہیں سادہ لباس میں ان سیٹھوں اور ساہوکاروں کے گھروں کے آس پاس متعین کر دیا، ایک ایک لمحے کی رپورٹ مل رہی تھی۔

ادھر راون پانڈے کا مقصد صرف ڈاکے ڈالنا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے ایک خاص منصوبے پر کام کر رہا تھا اور رنجنا بھر پور طریقے سے اس کا تھد دے رہی تھی، راون پانڈے ڈاکو تھا، تجربے کا رہی تھا، سوچ سمجھ کر کام کرتا لیکن یہ سوچے بغیر کہ اچھی طرح منصوبہ بندی کی جائے، وہ اندھے اقدامات کر رہا تھا۔

اور ایسا ہی ایک اندھا قدم راہیش گورا کی کامیابی کا سبب بن گیا، سینٹھ لگا دھرن لے
ہاں ڈاکا پڑا، ڈاکو جن کی تعداد نو کے قریب تھی، رات کی تاریکی میں لگا دھرن کے گھر پہنچے اور
سادہ لباس میں پولیس کے جو افراد وہاں موجود تھے وہ چوکس ہو گئے۔

ایک لمحے کے اندر اندر راہیش گورا کو خبر دی گئی کچھ مشکوک لوگوں کا ایک گروہ سینٹھ لگا
دھرن کے گھر کے آس پاس آ کر رکا ہے اور وہ لوگ قرب و جوار کا جائزہ لے رہے ہیں، ہم
چھپ کر ان کی نگرانی کر رہے ہیں، راہیش گورا جس نے اپنے دن کا چین اور راتوں کی نیندیں
حرام کر رکھی تھیں۔ وہ خاص طور پر راتوں کو گشت پر رہتا تھا ایک دم سے چوکس ہو گیا۔

اس کا یہی منصوبہ تھا کہ جہاں کہیں سے ڈاکوؤں کی موجودگی کی خبر ملے وہاں وہ اپنی
پوری فورس جھونک دے، چنانچہ اس وقت بھی اس نے فوری طور پر چاروں طرف سے آدمی
سمیٹنا شروع کئے اور آ کی آن میں لگا دھرن کی حویلی پہنچ گیا۔

اس کے آدمیوں نے جو خبر دی تھی وہ بالکل ٹھیک تھی۔ اندر سے گولیاں چلنے کی آوازیں
آ رہی تھی۔ ڈاکو اندر داخل ہو گئے تھے، راہیش گورا پلاننگ کرنے لگا، اندر جو ہونا تھا وہ تو وہی
ہی چکا ہو گا یقین طور پر اندر کوئی خوفناک کارروائی ہوئی ہوگی، لیکن اب صرف ایک ہی ترکیب
تھی کہ ڈاکوؤں کے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے اور جیسے ہی وہ باہر نکلیں ان پر قابو پانے کی کوشش
کی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ویسے بھی اسے اندر والوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ تو اپنی
عزت بچانے کے لیے سرگرداں تھا، پھر یہی ہوا، ڈاکو کامیابی حاصل کرے مال کی پوٹلیاں
گدھوں پر لادے باہر نکلے تو راہیش گورا نے انہیں تاک تاک کر نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

ڈاکوؤں کو اندر بھاگنے کا موقع نہیں دیا گیا، خود راون پاٹھے بھی زخمی ہو گیا تھا اور رنجنا
بھی۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ زندہ بچ گئے تھے ورنہ اندھیرے میں چلنے والی گولیاں بھلا یہ کہاں دیکھتی
ہیں کہ کون زندہ بچے گا اور کون مر جائے گا۔ ڈاکو پسپا ہو گئے، نو میں سے چھ ڈاکو ہلاک ہو گئے۔
رنجنا اور راون پاٹھے ایک آدمی کے ساتھ بچ گئے تھے۔ انہوں نے بدحواسی میں مقابلہ کرنے
کی کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔

تھوڑی دیر کے اندر اندر پولیس نے ان سب کو گرفتار کر لیا، لاشیں ایک طرف جمع کر دی
گئیں۔ چاروں طرف سے پولیس اس طرف اٹھ پڑی تھی۔ جہاں جہاں اطلاع جا رہی تھی
پولیس بھاگی چلی آ رہی تھی۔ اس کے علاوہ قرب و جوار کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ بمشکل تمام

وہاں لوگوں پر کنٹرول کیا گیا۔ راجیش گورا اور شنیاں جلانے ویرا سنگھ کی لاش کی تلاش میں تھا، اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ویرا سنگھ کو زندہ پکڑنے کی کوشش ممکن ہے کامیاب نہ ہو، اس لیے اسے زندہ یا مردہ جیسے بھی ہاتھ آئے حاصل کیا جائے۔ اسے تین آدمی ہی زندہ مل سکے تھے۔ بہر حال لاشیں بھی اٹھوائی گئیں اور پولیس ہیڈ کوارٹر میں کھلبلی مچ گئی۔ ایک بھی ڈاکو وہاں سے نکل نہیں پایا تھا، لوٹ کا مال بھی حاصل کر لیا گیا تھا، لڑکا دھرن، اس کی بیوی بیٹا بچ گئے تھے، انہوں نے چھپ کر جان بچائی تھی۔ جبکہ ملازموں نے بہادری دکھانے کی کوشش کی تھی، چنانچہ وہ ہلاک ہو گئے تھے۔

پولیس ہیڈ کوارٹر میں راجیش گورا ایک ایک لاش کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا، اس نے ان کے چہرے دھلوا کر دیکھے تھے کہ کہیں ڈاکوؤں نے ہمیں نہ بدلا ہو، راون پاٹلے کو وہ نہیں پہچانتا تھا، لیکن راون پاٹلے کا پورا ریکارڈ پولیس ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا۔ البتہ رنجنا کو دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا، ڈاکوؤں میں کوئی لڑکی بھی شامل ہے اور لڑکی بھی انتہائی خوبصورت، یہ بات ناقابل یقین تھی۔

بہر حال رنجنا اور راون پاٹلے زیادہ زخمی نہیں ہوئے تھے، راون پاٹلے کے بازو میں گولی لگی تھی اور رنجنا کے پاؤں میں، انہوں نے دونوں کی مرہم پٹی کر دی تھی اور ان کی حالت اب ٹھیک تھی، البتہ تیسرا آدمی جو ڈاکو تھا اس کی حالت کافی خراب تھی اور صبح اور صبح ہونے تک وہ مر گیا۔

بچے تو صرف راون پاٹلے اور رنجنا اور وہ ہوش میں آگئے تھے اور خاصی مایوسی کا شکار تھے، راجیش گورا البتہ بدحواس ہو گیا تھا اور بڑے دکھ بھرے انداز میں سوچ رہا تھا کہ ان میں سے تو کوئی بھی ویرا سنگھ نہیں ہے۔ اس پھر اس نے سوچا کہ ممکن ہے یہ ویرا سنگھ کے گروہ کے لوگ ہوں اور ویرا سنگھ نے خود اس ڈاکے میں شرکت نہ کی ہو، بہر حال یہ دو جو بچ گئے تھے ان سے ویرا سنگھ کے بارے میں معلومات تو حاصل ہو سکتی تھی۔

ڈاکٹروں سے مشورہ کرنے کے بعد وہ ان کے پاس پہنچ گیا، راون پاٹلے نے اس شاندار پولیس آفیسر کو غور سے دیکھا۔

”اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گے؟“ پولیس آفیسر نے پوچھا۔

”کیا پوچھنا چاہتا ہے؟“

”کیا تم ویرا سنگھ کے گروہ کے لوگ ہو؟“ جواب میں راون پاٹھ نے ویرا سنگھ اور اس کے گروہ کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور راجیش گورا اسے غور سے دیکھنے لگا۔

”چالاکی مت کرو، لڑکی تم بتاؤ، ویرا سنگھ کے گروہ کے لوگ ہو؟“

”نہیں۔“

”تو پھر یہ مہاشے کون ہے؟“

”میرا نام ضرور جانتے ہو گے آفیسر، لیکن بڑے نکلے آدمی ہو، مجھے صورت سے نہیں پہچانتے، میں راون پاٹھ سے ہوں۔“

راجیش گورا راون پاٹھ کے نام سے اچھی طرح واقف تھا، یہ نام سن کر وہ اچھل پڑا اور غور سے راون پاٹھ کو دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا، چنانچہ اس نے فوراً متعلقہ افراد کو طلب کر لیا اور ان سے راون پاٹھ کے کاریکار ڈمگلوایا۔ پھر اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ شخص راون پاٹھ سے ہے۔

راجیش گورا کا دل خون ہو گیا تھا، اس کا مطلب ہے کہ ویرا سنگھ کو گرفتار کرنے کی کوشش ایک بار پھر ناکام ہو گئی اور یہ بات بھی ذرا حیران کن تھی کہ ویرا سنگھ کے نام پر راون پاٹھ سے ڈاکے ڈال رہا تھا جس کی خبر کافی جگہ سے ملی تھی، چنانچہ اس نے راون پاٹھ سے کہا۔ ”اس سے پہلے جوگی دیال باگڑیا، ہنس راج، رام تلک وغیرہ کے ہال بھی ڈاکے تم نے ہی ڈالے ہیں۔“

”ڈالے ہیں پھر.....؟“

”مگر تم نے تو ویرا سنگھ کا نام لیا تھا۔“

”لیا تھا پھر.....؟“

”کیوں لیا تھا.....؟“ راجیش گورا نے کہا تو راون پاٹھ نے رنجنا کی طرف دیکھنے لگا۔

”بتا دو بھابی بتا دو، ہم لوگ ناکام ہو گئے ہیں، ہماری کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔“ رنجنا نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

”دیکھو میری بات سنو تم لوگ ویرا سنگھ کے نام پر ڈاکے ڈال رہے تھے جو کچھ تم نے کیا ہے، اگر تم پولیس کے سامنے اس کا اقرار نہ کرنا چاہو تو میں تمہاری مدد کروں گا، لیکن تمہیں بھی میری مدد کرنا ہوگی۔“

”تیری مدد۔“ راون پاٹے نے راجیش گورا کو گھورتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں تمہیں بتاؤں راون پاٹے میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، بلکہ ویرا سنگھ کا دشمن ہوں اس کی وجہ سے مجھے بار بار شکست اٹھانا پڑی ہے، میں اپنی زندگی کی قیمت پر اسے گرفتار کرنا چاہتا ہوں، اگر تم میری مدد کر سکتے ہو تو میری مدد کرو میں تمہیں صاف بچا لوں گا۔“

”چکر چلا رہا ہے پولیس والے۔“ راون پاٹے نے کہا۔

”نہیں راون پاٹے اب زیادہ یقین دلانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ بڑے آرام سے تمہیں اور اس لڑکی کو گولی مار کر جان چھڑا لوں گا کیونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے، مجھے ہر قیمت پر ویرا سنگھ چاہئے۔“

راون پاٹے اسے دیکھنے لگا، ایک بار پھر اس نے رنجنا کی طرف دیکھا تو رنجنا بولی۔

”میں تمہیں پوری کہانی سناتی ہوں، پولیس آفیسر ہم خود ویرا سنگھ کی تلاش میں تھے، تم راون پاٹے کو نہیں جانتے اور مجھے بھی نہیں جانتے، میں بھرم چند ہاڑا کی بیٹی رنجنا ہاڑا ہوں، میرے بھائی رتن چند کو ویرا سنگھ اور اس کے ساتھی جئے تلک نے زندہ تیل میں جلادیا تھا یہ کہانی تم نے سنی ہوگی۔“

”اوہو، اچھا پھر.....“

”میں بچ گئی، اس نے ہماری حویلی میں آگ لگا دی تھی، لیکن کچھ لوگ حویلی کے پچھلے دروازے سے بچ کر نکل گئے، ان میں، میں بھی تھی، اس وقت سے میں اپنے بھائی کا بدلہ لینے کی کوشش میں ماری ماری پھر رہی ہوں، راون پاٹے سے میری بھینٹ ہوئی اور انہوں نے میری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا، کہ ویرا سنگھ کے نام پر ڈاکے ڈالیں تاکہ ویرا سنگھ بوکھلا کر یہ معلوم کرنے کے لیے آجائے کہ آخر اس کے نام پر ڈاکے ڈالنے والا کون ہے، بس اس چکر میں تھے کہ تم سے بھینٹ ہو گئی اور ہم گرفتار ہو گئے۔“

راجیش گورا، رنجنا کی باتیں سن رہا تھا، رنجنا بہت بڑے آدمی کی بیٹی تھی، بہت بڑی جاگیر کی مالک، ویرا سنگھ کا پہلا کیس اس کے علم میں تھا، وہ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”سنو راون پاٹے جی، میں تمہیں آزادی دے سکتا ہوں تمہارا زخم معمولی ہے۔ یہ مجھے ڈاکٹروں سے پتہ چل چکا ہے، دو چار دن میں اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور رنجنا جی تم بھی، میں سارے معاملات سنبھال لوں گا، پولیس کے ہاتھ میں بہت کچھ ہوتا ہے، تمہیں اس ڈاکے سے

بچایا جاسکتا ہے، البتہ تمہیں میری مدد کرنا ہوگی، میں ایک ہاف قاعدہ ہائیکل اداں گا اور تم اس عمل کرو گے۔ تمہارے ساتھ اور بھی کچھ لوگ ہوں گے۔“

”گروہ ہے پورا میرا، ہم تو یہاں تھوڑے سے آدمی آئے تھے۔“

”یہ بتاؤ دیرانگہ کے لیے تم کیا کر رہے تھے؟“

”میرے کھوجی جگہ جگہ اسے تلاش کر رہے تھے اور ہمیں یہی پتہ چلا کہ ان دنوں وہ دلی

میں ہے۔“

”ہاں، لیکن اب پتہ نہیں سمجھتے کہاں ہے، ویسے تمہارے پاس کھوجی ہیں۔“

”بڑے کام کے ہیں، وہ کہیں نہ کہیں سے اسے کھوج ہی لیں گے۔“

”تو پھر ہاتھ ملاؤ راؤن پاٹلے میں تمہارے آرام کا بندوبست کر دیتا ہوں، بلکہ اس

سرکاری ہسپتال سے ہٹا کر میں تمہیں پرائیویٹ ہسپتال پہنچا دیتا ہوں۔ جہاں تم آرام سے رہ

سکو، اور تمہیں کوئی تلاش نہ کر سکے، میں تمام معاملات ٹھیک کر لوں گا اور تم.....“

”تم چننا مت کرو، میں تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں، میں اپنے کھوجیوں

کو چاروں طرف پھیلا دوں گا اور وہ پتہ لگا ہی لیں گے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے، کام شروع کرتے ہیں۔“ راؤن پاٹلے کو رنجنا سمیت ایک بہت

اچھے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا اور راجیش گورانے ان کی تمام تر آسائشوں کا بندوبست کر دیا۔

وقت گزرتا رہا، راؤن پاٹلے نے اپنے کھوجیوں کو طلب کر لیا تھا، راجیش گورانے اس

کی حفاظت کے لیے کیا کیا، یہ وہی جانتا تھا، لیکن حالات اس نے کافی حد تک سنبھال لیے تھے،

ساتویں دن جب راجیش گورا راؤن پاٹلے سے ملا تو راؤن پاٹلے کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا

تھا۔

”ہاں کچھ پتہ چلا۔“

”ہاں وہ شام نگری میں ہے، وہاں اس نے کسی سیٹھ سے کہا ہے کہ وہ وہاں غریبوں کے

لیے ایک بستی بسا دے، سرخود وہاں اس بستی کی نگرانی کر رہا ہے۔“ راؤن پاٹلے نے کہا اور

اس کے بعد مکمل اطلاع راجیش گورا کو فراہم کرنے لگا۔ پھر بولا۔ ”ہم دیرانگہ کو مارنے کے

لیے وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہیں جو تم چاہو۔“

”ٹھیک ہے میں انتظام کر رہا ہوں اور بہت جلد ہم یہاں سے شام نگری روانہ ہو جائیں

سے۔‘‘ راجیش گورانے کہا اور راون پاٹے گردن ہلانے لگا۔

راجیش گورانے اتنے زخم کھائے تھے کہ اب اس میں کوئی نیاز خم کھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اس بار اس نے جو انتظامات کئے تھے، وہ بہت ہی ذہانت اور محنت سے کئے تھے۔ ادھر راون پاٹے بھی اپنے چند افراد کو طلب کر لیا تھا اور اس طرح یہ پورا گروہ شام نگری روانہ ہو گیا تھا۔



شام نگری کے شب و روز معمول کے مطابق تھے، یہاں ایک بہت ہی عالی شان مندر تھا جو تلسی نواس کے نام سے مشہور تھا۔ اس مندر کے متعلق بہت سی داستانیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہاں یاتری آتے رہتے تھے، دھرم شالائیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ وسیع میدانوں میں بھی یاتریوں کے لیے خیمے لگادیے جاتے تھے اور یہ انتظام زیادہ تر شام نگری کا وہ سب سے بڑا زمیندار کرتا تھا جو پہلے دنوں ویرا سنگھ کا شکار رہا تھا اور ویرا سنگھ نے جسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

جاکیر دار نے ویرا سنگھ کے اشارے پر شام نگری کے علاقے میں غریبوں کی ایک پوری ہستی آباد کر دی تھی۔ اس کے دل پر جو کچھ بھی گزرتی تھی وہ وہی جانتا تھا، لیکن زندگی بڑی قیمتی شے ہوتی ہے۔ ویرا سنگھ نے اسے ہوش دلادیا تھا اور اب اسی آبادی کی خوشی میں شام نگری کے اس زمیندار نے ایک زبردست جشن کا انتظام کیا تھا، جس کے بارے میں شام نگری کے لوگوں کو اطلاع دے دی تھی، یہ بات راجیش گورا، راون پاٹے وغیرہ کو شام نگری آنے کے بعد پتہ چلی تھی۔ پوری کہانی منظر عام پر تھی اور عام لوگوں تک اس بات کا علم تھا کہ ویرا سنگھ ان دنوں شام نگری ہی میں ہے۔

راجیش گورا کو اندازہ ہو گیا کہ جب یہ جشن ویرا سنگھ کے لیے منایا جا رہا ہے تو ویرا سنگھ کا وہاں موجود نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس طرح اسے امید بندھ گئی تھی کہ اب اسے اپنے کام میں آسانی ہو جائے گی کیونکہ ویرا سنگھ اس جگہ موجود ہوگا، بہت سے خطرناک فیصلے بھی کئے گئے تھے، مثلاً یہ کہ اگر ویرا سنگھ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرتے ہوئے قتل عام بھی کرنا پڑا تو اس سے گریز نہیں کیا جائے گا، شام نگری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہونے والا تھا۔

حالات اسی سمت اشارہ کر رہے تھے کیونکہ ان ساری باتوں کے علاوہ بھی ایک اور بات

ہوئی تھی جو بڑی اہمیت کی حامل تھی، وہ یہ کہ کرناوٹی جو یا تراؤں پر نکلی ہوئی تھی، چھ دن قبل شام نگر میں تلسی نواس کے مندر میں یا ترا کے لیے آئی تھی اور ایک بڑی دھرم شالا میں اس نے اپنا ڈیرہ جمایا تھا۔

دلچسپ بات یہ ہوئی کہ شام نگر کا وہ بڑا زمیندار کرناوٹی کا واقف تھا اور دو تین بار فیروز آباد میں وہ کرناوٹی کے گھر بھی جا چکا تھا، جب اسے کرناوٹی کی آمد کے بارے میں پتہ چلا تو وہ کرناوٹی سے ملا اور اس نے اس کو اس جشن میں رقص کی دعوت دی جو اس نے منظور کر لی تھی۔ دوسری طرف راون پاٹھ کے کھوجیوں نے اطلاع دی تھی کہ ویرا سنگھ اپنے اہم ساتھیوں کے ہمراہ یہاں موجود ہے اور جشن کی رات کو لازمی طور پر وہ اس جشن میں شریک ہو گا۔ وقت کا انتظار بڑی بے صبری سے کیا جانے لگا اور آخر کار جشن کی رات آ گئی۔

زمیندار کی حویلی کے سامنے بہت وسیع و عریض علاقے میں انتظامات کئے گئے تھے، عام لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام بھی تھا اور حجرے کے لیے جگہ بھی بڑی خوبصورتی سے بنائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ معزز مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام بھی انتہائی معقول تھا۔

اس وقت زمیندار کے ہمراہ ویرا سنگھ، جنے تلک، ہری لعل اور دھرم سنگھ آ گئے تھے اور انہوں نے اپنی اپنی جگہیں سنبھال لی تھیں، ویرا سنگھ کے پاس اسلحہ ہمیشہ رہتا تھا، اس کے بغیر وہ کہیں قدم نہیں نکالتا تھا، چنانچہ اس وقت بھی وہ مسلح تھے ادھر راون پاٹھ، راجیش گورا اور انتہائی تربیت یافتہ پولیس والوں کی پوری ٹیم سادہ لباس میں عوام میں آگھسی تھی اور سب کے سب پوری طرح مستعد تھے۔

راون پاٹھ نے ویرا سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تو یہ ہے گونا گڑھی کا وہ جوان جس نے ہندوستانی پولیس کو ناکوں پنے چہوار کھے ہیں، بے چارہ آج آگیا نا چھری تلے، اسے کہتے ہیں کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں، اس نے سپنے میں نہیں سوچا ہو گا کہ یہ رات اس کے جیون کی آخری رات ہے۔“

”راون پاٹھ نے جی ہم کوشش کریں گے کہ اسے زندہ گرفتار کریں لیکن اگر کوئی بہت ہی خطرناک صورت حال ہوئی تو پھر مجبوری ہے۔“ راجیش گورانے کہا۔

اور رنجنا نے عجیب سی نگاہوں سے راجیش گورا کو دیکھا، پھر راون پاٹھ کے کان میں بولی۔ ”میں نے پہچان لیا ہے وہ ویرا سنگھ ہے، اس کے برابر جنے تلک بیٹھا ہے اور پیچھے

ویرا سنگھ کے دوسرے ساتھی ہیں، مگر راون پاٹے جی، ہمیں راجیش گورا کی یہ بات نہیں مانتی۔ اگر راجیش گورانے اسے زندہ گرفتار کیا تو وہ اس پر قبضہ جمالے گا اور ضروری نہیں ہے کہ پھر وہ ہمیں کوئی حیثیت دے، اس لیے اسے یہیں ہلاک کرنا ضروری ہوگا، لیکن میں اسے ایسے ہلاک نہیں کروں گی، بلکہ میں اسے لکار کر ماروں گی۔“

”جیسا تو چاہے رنجنا ویسا ہی ہوگا۔“ راون پاٹے تو یہ سارا کھیل صرف رنجنا کی وجہ سے کھیل رہا تھا۔

آخر کار بحرے کا آغاز ہوا۔ کرناو تو بھی آگئی، ابھی تک ویرا سنگھ یا جے تک کے فرشتوں کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھا کہ یہاں انہیں سیتا مل جائے گی، کرناو تو سیتا کو بڑا بنا سجا کر لائی تھی لیکن ویرا سنگھ اسے بچپن سے چاہتا تھا کھڑی ہوئی تو ویرا سنگھ نے ایک نگاہ میں اسے پہچان لیا، جے تک نے بھی سیتا کو پہچان لیا۔ ویرا سنگھ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا، جے تک، دھرم سنگھ اور ہری لعل بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے، زمیندار نے کہا: ”کیوں ویر جی مہاراج، خیر تو ہے؟“

لیکن ویرا سنگھ پر تو جیسے جنون طاری ہو گیا تھا، وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور لوگ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے، تب وہ سیتا کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ ”سیتا۔“

سیتا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور اس وقت وہ بھی بے اختیار ہو گئی۔ ”ویرا سنگھ، ویرا سنگھ۔“ اس کے حلق سے دلد وز چینیں سی نکلیں اور وہ ویرا سنگھ سے لپٹ گئی۔

”تو یہاں کیسے آگئی سیتا، یہ سب کیا ہے، یہ کیا کر رہی ہے تو؟“

”میں..... میں ویرا سنگھ، یہ عورت، مجھے نچا رہی ہے، اس نے میری عزت دو کوڑی کی کردی ہے، ویرا سنگھ ایک پولیس والا مجھے لے کر آیا تھا، ایک گھر میں اس نے مجھے قید کر دیا تھا، وہاں سے میں بھاگی تو اس عورت کے ہاتھ لگ گئی اور اب یہ مجھ پر ظلم کرتی ہے اور اس نے مجھے ناپنے گانے پر لگا رکھا ہے۔“

ویرا سنگھ نے کرناو تو کو دیکھا اور بڑے اطمینان سے پستول نکالا اور کرناو تو کے پورے بدن کو چھلنی کر دیا۔

”کس کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے سیتا اور کون تجھے یہاں لایا ہے۔“

”اسے یہاں تک پہنچانے والا میں ہوں ویرا سنگھ، ہتھیار پھینک دو، امارے ہاں ہے شمار لوگ ہیں جو تمہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔ ویرا سنگھ میری بات نہ لو، موت مرے کے بعد تم میرے ہاتھ آئے ہو، مجھے پہچانتے ہو میرا نام راجیش گورا ہے۔“ اپنل راجیش گورا جو بڑی ہوشیاری سے ویرا سنگھ کے گرد گھیرا بنگ کر رہا تھا ویرا سنگھ نے سامنے آکر کہا۔ اس نے آدمیوں نے ویرا سنگھ پر گنیں تان لی تھیں، ادھر کرنا دتی کا خون اگلنا ہوا بدن زمین پر پھڑک رہا تھا اور سازندے دہشت کے عالم میں تقریباً نیم بے ہوش ہو گئے تھے۔

ویرا سنگھ نے راجیش گورا کو دیکھا اور بولا۔ ”تو تُو ہے، وہ سورما جو بھئی سے ویرا سنگھ کو قتل کرنے کے لیے آیا تھا؟“

”ہاں ویرا سنگھ میں ہی ہوں وہ، ہتھیار پھینک دو، اب بازی میرے حق میں ہو چکی ہے، کیا سمجھے؟“

”گرفتار کرے گا تُو مجھے گولی کیوں نہیں مارتا؟“

”گولی بھی مار دوں گا ویرا سنگھ، لیکن بہتر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنے ساتھیوں سمیت گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔ اس وقت یہاں جتنا مجمع موجود ہے اس میں آدھے پولیس کے جوان ہیں، تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔“

”تُو کون پاپی نکلنا چاہتا ہے، راجیش گورا، مجھے جو کچھ کرنا تھا میں وہ کر چکا ہوں، مجھے بہت زیادہ جینے کا شوق نہیں ہے۔“ ویرا سنگھ نے بے خوفی سے کہا، اس کے ساتھی ہتھیار تانے کھڑے ہوئے تھے جن میں جے تلک بھی تھا۔

”اگر تُو خود کو میرے حوالے کر دے ویرا سنگھ تو میں تیرے ساتھ بڑی عزت کا سلوک کروں گا۔“ راجیش گورا نے کہا۔

”تو عزت کا سلوک کرے گا، عزت کے معنی جانتا ہے۔“

”تم لوگوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں پھینکے۔ میں تین تک گنتی گنتا ہوں اگر تم نے ہتھیار نہیں پھینکے تو میں.....“ راجیش رکا، پھر اس نے گنتی گئی۔ ”ایک..... دو..... تین۔“

تین کہنے سے پہلے اچانک رنجنا آگے بڑھی اور اس نے بندوق کی نال راجیش گورا کے سینے سے لگا دی۔ ”نہیں گورا میں نے تجھ سے کہا تھا یہ میرا شکار ہے، کوئی اور اسے شکار نہیں کر سکتا۔“ رنجنا کی آواز کے ساتھ راون پاؤں کے ساتھیوں نے جن کی تعداد خفیہ طور پر بہت

زیادہ تھی اور خود راجیش گورا کو بھی پتہ نہ چلا تھا کہ کس طرح راون پاٹھ نے اپنے گروہ کے اتنے سارے آدمیوں کو شام گھری بلا لیا ہے، ان سب نے بند و قیں تان لی تھیں۔

تب راون پاٹھ نے بھی آگے بڑھا آیا اور اس نے کہا۔ ”پگلا ہے ٹو سر انرا، ارے چار ٹھا کروں کو مار کے ڈاکو تو نہیں بن جاتے، بڑی ہا ہا کار چائی تھی ٹو نے، میں راون پاٹھ سے ہوں، میں ہوں ڈاکو اور اسے تو ٹو پہچانتا ہے، پہچان لیا نا اسے کون ہے، میری بہن اور تیری دشمن ویرا سنگھ، راون پاٹھ نے کبھی تیرا راستہ نہ کاٹا، پر کیا کرتا، رشتے بڑی چیز ہوتے ہیں، یہ بھرم چند ہاڑا کی بیٹی ہے، راون پاٹھ نے کی بہن یہ میری بھی بہن ہے، میں نے اپنی بہن سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے من کی آگ ٹھنڈی کروں گا، اس کے من میں تیری موت کا خیال ہے، وہ اپنے بھائی کا بدلہ لینا چاہتی ہے تجھ سے، سمجھا، اے اسے دیکھو۔“ اچانک ہی راون پاٹھ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

ایک ساتھ کئی گولیاں چلیں، دھرم سنگھ اور ہری لعل کے بدن خون اگلنے لگے۔ انہوں نے راون پاٹھ پر گولی چلانے کی کوشش کی تھی لیکن راون پاٹھ نے آدھی مستعد تھے۔

ویرا سنگھ نے اُدھر دیکھا، اس کی آنکھیں خون اگلنے لگی تھیں، جنے تلک بھی خاموش کھڑا رہنا کو دیکھ رہا تھا، اس کے ذہن پر عجیب سے تاثرات تھے، وہ لمحات اچانک اس کے سینے میں بھی زندہ ہو گئے تھے جن میں اس نے ہاتھی کی پیٹھ سے رہنا کو اٹھایا تھا اور رہنا خوف سے اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔

ویرا سنگھ بھی رہنا کو دیکھ رہا تھا، اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ”پاگل لڑکی، ٹوجیتی بچ گئی، میں نے تو سمجھا تھا کہ بھرم چند ہاڑا کا پر پوار ختم ہو گیا، پر.....“

”ویرا سنگھ! میرے بھائی کو کھولتے تیل میں جلایا تھا ٹو نے، لے سنبل۔“ اچانک ہی رہنا نے ویرا سنگھ پر گولیوں بارش کر دی، لیکن سیتا ایک دم سامنے آگئی اور کئی گولیاں اس کے بدن میں پیوست ہو گئیں۔

ویرا سنگھ کے حلق سے ایک دھاڑ نکلی اور اس نے اپنی بندوق سیدی کرنے کی کوشش کی لیکن رہنا نے پھر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور راون پاٹھ نے آدھی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ خبردار اگر کسی نے رہنا پر گولی چلائی تو اسے بھون کر رکھ دیا جائے گا، گولیاں ویرا سنگھ کے جسم کے مختلف حصوں میں لگی تھیں، مگر اس نے دونوں ہاتھوں سے سیتا کو سنبھال رکھا تھا۔

”سیتا! سیتا! یہی تو نے لیا کیا، میں نے تو اپنی زبان تیرے سامنے کبھی نہیں کھولی تھی، بس یہی بھی نہیں کھولی تھی، لیکن آج میں تجھ سے کہتا ہوں کہ مجھے تجھ سے پریم ہے، سیتا چل اچھا ہی ہوا، ہم نے اپنا مقصد تو پورا کر لیا تھا۔ پر بہت سوں کی زندگیاں باقی تھیں، سیتا سیتا.....“ ویرا سنگھ نے دونوں ہاتھوں سے سیتا کو اپنے سینے میں بھینچ لیا اور اس کے منہ سے خون کی پھوار نکل کر سیتا کے چہرے کو بھگو گئی۔ ویرا سنگھ نے دم توڑتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تیری مانگ میں اپنے خون کا سندور بھر دیا ہے اور اس کے بعد اس کی گردن لٹک گئی۔

جنے تلک کے حلق سے ایک دھاڑ نکلی لیکن راون پاٹھ کے آدمی اس کے پیچھے پہنچ گئے تھے اور انہوں نے جنے تلک کو پیچھے سے جکڑ لیا تھا۔

”جھٹکڑی لگا دو اسے، یہی ایک بچا ہے، اس کے اور ساتھی شاید فرار ہو گئے۔“ راجیش گورا کی آواز ابھری۔

لیکن آج تک یہی پتہ چلا تھا کہ ویرا سنگھ صرف اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ ہوتا ہے، ان میں جنے تلک ہی بچا تھا۔ مجمع میں تو خیر پہلے ہی بھگدڑ مچ گئی تھی، اب تو چند ہی افراد اور رہ گئے تھے ان میں پولیس کے لوگ تھے جو سادہ لباس میں تھے یا پھر راون پاٹھ کے ساتھ ڈاکو جو اس وقت پورے ماحول پر حکمران تھے، یہاں تک کہ ان کی تعداد پولیس کے افراد سے بھی زیادہ تھی، راجیش گورا جانتا تھا کہ اس وقت راون پاٹھ کے ہی کی وجہ سے اسے ویرا سنگھ پر فتح حاصل ہوئی ہے، چنانچہ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”خبردار! راون پاٹھ کے جی کا پورا احترام کیا جائے، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔“ راجیش گورا کو زبردست فتح حاصل ہوئی تھی، چنانچہ وہ بے پناہ خوش تھا، وہ ویرا سنگھ کی لاش کو دہلی لے جانا چاہتا تھا، اس نے کہا۔ ”پاٹھ کے جی، کیا حکم ہے میرے لیے؟“

”میں کیا حکم دوں گا، میری بہن نے اپنا وچن پورا کر لیا۔ یہ ایک بچا ہے، ویرا سنگھ کے بہت بڑے گروہ میں میرا خیال تھا کہ اس کی بھی چھٹی کر دی جائے۔“ راون پاٹھ کے جنے تلک کو دیکھتے ہوئے کہا، ویرا سنگھ کی موت نے جنے تلک کو بالکل ہی غمگین کر دیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا ذہنی توازن کھو گیا ہے۔ وہ بس مرجھایا مرجھایا نظر آ رہا تھا۔ رنجنا نے کہا۔ ”بھاجی، ہم لوگ اسے دلی لے جائیں گے، میں دلی میں اس کی پھانسی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھوں گی۔“

”تو ٹھیک ہے میں بھی تیرے ساتھ چلتا ہوں۔“ راون پاٹھ نے کہا۔

راجیش گورا کہنے لگا۔ ”راون پاٹھ، میری آنکھوں میں آپ کا بہت بڑا مان ہے، میں آپ کی بہت عزت کرنے لگا ہوں جو معاہدہ میں نے آپ سے کیا تھا، میں اس پر جیون بھر عمل کرتا رہوں گا، اگر آپ میرے ساتھ دہلی گئے اور میرے ساتھ ہی رہے تو اس بات کے امکانات ہیں کہ دریش درمایا پولیس کے اعلیٰ افسران آپ کو پہچان لیں اور آپ کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی، اگر آپ مناسب سمجھیں تو واپس چلے جائیں، رنجنا جی اگر جے تلک کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہیں تو آپ انہیں میرے ساتھ بھیج دیں۔ میں انہیں پوری عزت اور احترام کے ساتھ آپ کے پاس واپس پہنچا دوں گا۔“

”کیا کہتی ہے رنجنا؟“

”بالکل ٹھیک ہے، آپ میری بالکل چٹنا نہ کریں، آپ نے مجھے اتنا ڈر بنا دیا ہے کہ اب مجھے کسی بھی چیز سے ڈر نہیں لگتا۔“

”ڈریں تیرے دشمن رنجنا! ڈرنے کی کیا بات ہے، راون پاٹھ ایسا برساتی مینڈک نہیں ہے جیسے یہ برساتی مینڈک ڈاکو بن کر میدان میں آ گئے تھے۔ ٹھیک ہے راجیش گورا جی مجھے آپ پر بھرپور یقین ہے، آپ عزت و احترام کے ساتھ میری بہن کو مجھ تک پہنچا دیں گے۔“

”آپ بالکل فکر نہ کریں۔“ راجیش گورا نے کہا۔

راون پاٹھ شام گری سے اپنے پورے گروہ کے ساتھ واپس چلا گیا تھا، راجیش گورا نے بھی تقریباً تمام ہی پولیس والوں کو واپس بھیج دیا تھا، بس اس کے ساتھ جو پولیس والے دہلی سے آئے تھے وہی ساتھ تھے اور ان کی تعداد صرف سات تھی۔ پھر جے تلک کو باقاعدہ ہتھکڑی لگا کر ریلوے اسٹیشن لایا گیا اور یہاں سے وہ لوگ دہلی کے لیے چل پڑے۔

+++++

ٹرین کی ایک پوری بوگی راجیش گورا اور پولیس والوں کے لیے مخصوص تھی، جے تلک خاموش بیٹھا ہوا تھا، اس کی آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھے، وہ دیرانگہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اپنے چھوٹے سے گروہ کے بارے میں سوچ رہا تھا، اس دولت کے بارے میں سوچ رہا تھا جو جگہ جگہ پوشیدہ کر دی تھی، اس میں سے

بہت ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں، ابھی شام بگری میں دیراسنگھ نے دو پلمہ لیا تھا، اس میں بھی بہت کچھ کام آیا تھا، لیکن دیراسنگھ اب اس دنیا سے چلا گیا تھا، ماضی کے سارے واقعات جئے تلک کی آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔

دیراسنگھ تو گونا گڑھی کا ایک سیدھا سادہ کسان تھا، اس کی ماں اور بہن کی موت کے بعد دیراسنگھ ڈاکو بنا تھا اور اس نے آخری وقت تک ماں اور بہن سے قائم کیا ہوا رشتہ نبھایا تھا۔ دیراسنگھ نہیں بھلایا جاسکتا تھا۔ یہ تمام سوچیں جئے تلک کے دل میں تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کی نگاہیں جب بھی رنجنا کی جانب اٹھتیں وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا۔

ایک طرح سے اس نے رنجنا کے موقف کو دل سے تسلیم کیا تھا۔ رنجنا بذات خود کسی مسئلے میں شریک نہیں تھی، اسے وہ لمحات بھی یاد تھے جب اس کی ماں اور بہن کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور رنجنا نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ بری طرح افسردہ تھی۔ اس کے علاوہ بھی جئے تلک کو بہت کچھ یاد تھا۔

رنجنا بہت خوش نظر آ رہی تھی، اس نے اپنے بھائی کی موت کا انتقام لے لیا تھا۔

بہر حال ٹرین اپنا سفر کرتی رہی، اس کا رخ دہلی کی طرف تھا، پھر نہ جانے کیا ہوا، سفر کے کوئی چار یا پانچ گھنٹے کے بعد رنجنا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی اور سیٹ پر بیٹھے ہوئے جئے تلک کے پاس پہنچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی، جئے تلک نے چونک کر رنجنا کو دیکھا تو رنجنا مسکرا دی۔

جئے تلک نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولا۔ ”جو کچھ میں سوچ رہا ہوں تمہیں بتانا نہیں چاہتا رنجنا جی۔“

”مگر عجیب بات ہے، ایک سے ایسا آتا ہے جب منش کی سوچ اس کے چہرے پر تحریر کی طرح لکھ جاتی ہے، میں تمہارے چہرے کی تحریر پڑھ رہی ہوں۔“

”بہت خوش ہو رنجنا۔“ جئے تلک نے رنجنا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

”اس سے بڑی خوشی کی خبر اور کیا ہو سکتی ہے جئے تلک کہ میں نے رتن چند کی موت کا

بدلہ لے لیا ہے۔“

”پر رنجنا میں تو ابھی جیتا ہوں۔“

”تو پھر۔“

”تمہیں یہ بات نہیں معلوم کہ ویرا سنگھ صرف میرا دوست تھا۔ ماں اور بہن تو میری ماری گئی تھیں۔“

”میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں جسے۔ بھگوان کو ساجھی مان کر کہتی ہوں کہ میرے بھائی رتن چند نے تمہاری ماما جی اور بہن پر گولیاں نہیں چلائی تھیں۔“

”وہ تمہاری جو بلی تھی رنجنا، جہاں سے میری ماما جی اور بہن کی لاشیں اٹھی تھیں اور بعد میں رتن چند نے ان پر برے الزامات لگائے تھے۔ انہیں بدکردار کہہ کر لوگوں کو بتایا تھا کہ انہیں میں نے مارا ہے۔“

”ہاں باتیں تو بڑی ہوئی تھیں، پر..... جو کچھ ہوا تھا وہ..... جسے، تمہیں پھانسی پڑھا دیا جائے گا۔“

”میں اب جی کر کیا کروں گا رنجنا۔ میرا دیرا ہی مر گیا ہے۔ اس کے جانے کے بعد میرا سنسار خالی ہو گیا ہے۔“

”سنسار تو میرا بھی خالی ہو گیا تھا جسے۔ راون پاٹلے جی کا سہارا تو میں نے اس لیے لیا تھا کہ میرے اپنے مجھے لوٹ کا مال سمجھنے لگے تھے۔ ایک بات کہوں جسے۔“ رنجنا نے عجیب سے لہجے میں کہا اور جسے تلک چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ”جسے میرا من نہیں مان رہا۔ بڑی کشمکش کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنا عورت پن توڑ دوں۔ میں تمہارا جیون چاہتی ہوں۔ جسے میں اس دن پر ہار گئی تھی جب تم نے مجھے ہاتھی کی پیٹھ سے اٹھالیا تھا۔ میں نے اس دن کے بعد سے ہر بل تمہیں یاد کیا ہے۔ پر میرے بھاگ نے ہمارے راستوں پر آگ پھیلادی۔ جسے اب اگر تم مجھے اپنے چرنوں میں سویکا کر لو تو..... تو.....“

جسے تلک نے حیرانی سے رنجنا کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”اب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا مجھ سے مذاق کر رہی ہو۔“

”نہیں جسے۔ میں اپنے پریم کی کوئی پر جیون کی طرف قدم بڑھانا چاہتی ہوں، یہاں صرف تم میرے اپنے ہو، باقی سب غیر اور یہ میرے جسے کے دشمن ہیں، میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گی، صرف تمہارے لیے جسے۔“

جسے تلک کے چہرے کے نقوش صرف ایک لمحے کے لیے بدلے پھر وہ آہستہ بولا۔ ”بھگوان کی سوگند رنجنا میں نے بہت بار تمہیں اپنے من میں دیکھا ہے۔ پر.....“

”آؤ جنیں، جئے۔ آؤ۔ جانے والے چلے گئے۔ ہم ان کی سادھیاں بنائیں گے اور دشمنوں کی چٹائیں بولوٹھیک۔ ہے۔“

”مجھے بتاؤ رنجنا میں کیا کروں۔“

”آرام سے بیٹھو، میں کرتی ہوں۔“ رنجنا نے کہا اور چلتی ٹرین میں ایک اور خونی کھیل شروع ہو گیا۔ پہلی گولی راجیش گورا کے سینے میں اتری تھی، دوسری پیشانی میں پھر اس پہلے کہ راجیش کے ساتھی بات سمجھ پاتے، ان پر اندھا دھند گولیوں کی بارش ہو گئی، یہ گولیاں رنجنا چلا رہی تھی۔ ٹرین کی بوگی خون میں ڈوب گئی۔

عورت اپنے پریم کو بچانے کے لیے اپنا روپ دکھا رہی تھی۔ پھر اس نے جئے تلک کی بندشیں کھول دیں اور اس کے سینے سے جا لگی۔ ”تمہارے پریم کو پانے کے لیے مجھے بڑی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑا ہے جئے۔“

جئے تلک نے اسے اسی طرح سنبھال لیا جیسے ہاتھی کی پیٹھ سے بچانے کے لیے سنبھالا تھا۔

پھر رنجنا نے سنبھالا لیا اور بولی۔ ”ہمیں ریل سے اترنا ہے۔ جئے کچھ سے کے بعد سب کو پتہ چل جائے گا۔“

”ہم زنجیر کھینچ کر اتر سکتے ہیں۔“

”باقی کام تم کرو، میں اب صرف عورت ہوں۔ بزدل اور مرد کے سہارے لیے محتاج۔“

”تیار ہو جاؤ۔“ جئے تلک نے کہا۔ زنجیر کھینچنے سے پہلے اس نے ویرا سنگھ کی لاش اور پولیس کا کچھ اسلحہ اور ایمونیشن اٹھا لیا تھا۔ گاڑی رکی تو دونوں دوسری طرف دروازے سے نیچے اتر گئے۔

جئے تلک نے ویرا سنگھ کی لاش کندھے پر ڈال لی تھی اور پھر دونوں تیزی سے تھوڑے فاصلے پر نظر آنے والی گہرائیوں میں اتر گئے۔ رنجنا اب صرف وہ کر رہی تھی جو جئے تلک چاہتا تھا۔ ایک ویرانے میں جئے تلک نے ویرا سنگھ کی اترتی جلائی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے رہے۔

پھر وہ ایک پتھر پر جا بیٹھا اور بولا۔ ”اس نے میری ماں اور بہن کے لیے اپنا سنسار چھوڑ

دیا۔ اپنا پریم تیاگ دیا رنجنا۔ اپنے کھیت جلا دیئے اور پھر اپنی جان دے دی۔ اب۔ رنجنا۔ میں اکیلا جیون کے مزے لوں۔ کیا یہ ٹھیک ہے رنجنا ترازو اپنے من میں ہوتی ہے۔ میرے من کی ترازو میں ویرا سنگھ کے پریم کا پلڑا بھاری اور اس کی موت کا وزن کم ہے۔ میں اپنے ویرے کی دشمن کو زندہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ جاؤ رنجنا تم پر لوک جاؤ میں تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں وہاں بیٹھ کر سوچیں گے اب کیا کریں۔“

جئے تلک نے پورا پستول رنجنا پر خالی کر دیا، صرف آخری گولی بچالی تھی اور پھر اس نے پستول کی نال اپنی کپٹی پر رکھ دی۔

✦ == ختم شد == ✦

پاکستانی فاؤنڈیشن
ڈاٹ کام